تحقیق

شمارہ ۲۶، جولائی تا دسمبر ۲۰۱۸ء

ترتیب: حسنین سیالوی

شعبۂ اردو سندھ یونیورسٹی، جامشورو

ABSTRACT

The Study of ancient Urdu Letter writing .

This article presents the ancient history letter writing and its origin, traditions also discussed in the light of old languages, Nations and their Holy books which proved that the relationship of pen and writing is very old and Allah introduced it by His Holy prophets Hazrat Idrees AS and he was first one to write letter in Saryani language, in other side the letters of Hazrat Sulaiman AS and Muhammad P.B.U.H found in the Holy Quran are also part of the concerned history. Beside it the tradition of latter writing in the people of Jordan and Rome also present in it.

Where is in India the above said tradition is found in Hindus's book "Shri Mad Bhagut Puran" and in also "Gru Garnath Sb" which belongs to Sikh religion.

Similarly, in this article the background of Urdu letter writing has been discussed through history which contains to 2000 B.C.

رشید احمد

ڈاکٹر سید جاوید اقبال

خط نگاری کی قدیم تاریخ کا تحقیقی مطالعہ

خالق کائنات سے انسان کا رشتہ پہلی بار اس وقت قائم ہوا جب حضرت آدم علیہ السلام کو تخلیق کیا گیا اور اس کے بعد مختلف انبیاء کرام کی بعثت اور ان کی تعلیمات سے انسان کا باشعور ہونا یعنی ابلاغ کی غرض سے رائج ''اشارے، کنایے، خاکے، تصویریں، دائرے اور نقاط کی زبان'' [۱] سے اس کا نکلنا حرف اور خط (یعنی تحریر) کی ایجاد اور اُنھیں صوتی اثرات سے مزین کرنا اور پھر ایک پیغام کا دوسرے انسان کے دل و دماغ میں اتر جانا یہ اُس دور کی ایسی ترقی تھی جسے شعور و آگہی کی زبان میں ''ابلاغ'' کا نام دیا گیا۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر سیّد عبداللہ لکھتے ہیں کہ:

> ''... یہ ایجاد (خط نگاری) ضرورت ابلاغ کی رہین منت ہے اور ابلاغ فطرت انسانی کا ایک ناگزیر تقاضا اور ایک حد تک اجتماعی عمل بھی ہے... اگر صوفیانہ اور عارفانہ انداز میں گفتگو کرنے کی اجازت ہو تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ خود ذات باری تعالیٰ بھی ابلاغ کی (از روئے حکمت بالغہ) مشتاق و آرزومند ہے اور انسانی دائرے میں تو ابلاغ ہی تمام تمدّن کی اساس اولیٰ ہے جس کے بغیر مدنیّت تو درکنار بشریت تک قائم و برقرار نہیں رہ سکتی۔'' [۲]

ڈاکٹر سید عبداللہ نے ''ابلاغ'' کو تمام تہذیبوں کی بنیاد قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ معاشرت تو درکنار خود انسانیت قائم و برقرار نہیں رہ سکتی لہٰذا اس کے لیے ''قلم'' اور ''تحریر'' کا ایجاد ہونا ازبس ضروری ٹھہرا اور اس کام کے لیے خالق کائنات نے اپنے ایک محبوب

بندے (ادریس علیہ السلام) کو منتخب کیا اور اپنی قوّت کاملہ اور آپ علیہ السلام کی قوّت متخلیہ سے وہ کام لیا جس کے نتیجے میں قلم، خط (تحریر) بعدہ رقعہ نگاری (Epistels) وجود میں آئی۔ رقعہ نگاری، موجودہ خط نگاری، مراسلہ نگاری، دبیری، وغیرہ کی ابتدائی صورت تھی جسے ارتقائی منازل طے کرنے میں ایک عرصہ لگا چوں کہ ''۲۰۰۰ قبل مسیح تک ان رقعات میں براہ راست تخاطب کا انداز نہیں ملتا۔''[۳] زمانۂ قدیم میں یہ رقعات سلاطین کے فرامین، حکم نامے، خطوط عامہ اور تاریخی دستاویزات ہوا کرتے تھے جسے خاص لوگ لکھا کرتے تھے لہٰذا اس قسم کے رقعہ جاتی ادب کو خطوط نویسی کی تاریخ میں کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ [۴] آج یہ قدیم مکتوباتی ادب وسعت اختیار کر کے سریانی، عبرانی، آرامی، یونانی، لاطینی، عربی، فارسی، انگریزی، سنسکرت، گورمکھی، ہندی اور اُردو سمیت دنیا کی دیگر زبانوں میں دنیائے ادب میں پھیلا ہوا ہے۔

قدیم خطوط سے متعلق تاریخی حوالے انبیاء کے صحائف، [۵] ''بائبل'' (پرانا عہد نامہ) ''انجیل مقدس'' (نیا عہد نامہ) ''قرآن''[۶]، ''شری مدبھاگوات پران''[۷] ''گروگرنتھ صاحب'' اور ''ارتھ شاستر''[۸] کے علاوہ دیگر تاریخی کتابوں میں بھی ملتے ہیں جس سے خط نگاری، دبیری مراسلہ نگاری کی قدیم اور تاریخی روایت کا پتا چلتا ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام نے چار ہزار سال قبل مسیح میں تحریر کا فن ایجاد کیا۔[۹] اس طرح چشم انساں کا خط سے رشتہ استوار ہوا۔ قرآن شریف کی سورۂ مریم کی آیت نمبر ۵۷ میں حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر آیا ہے، مولانا شبیر احمد عثمانی تفسیر عثمانی میں لکھتے ہیں کہ:

> ''راجح یہ ہے کہ ادریس علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے درمیانی زمانہ میں گزرے ہیں، کہا جاتا ہے کہ دنیا میں نجوم وحساب کا علم، قلم سے لکھنا، کپڑا سینا، ناپ تول کے آلات اور اسلحہ کا بنانا اوّل ان سے چلا۔ واللہ اعلم'' [۱۰]

حضرت ابن اسحاق کا قول ہے کہ ''حضرت ادریس پہلے شخص ہیں جنھوں نے قلم سے لکھا''[۱۱] تیسرا حوالہ صحیح ابن حبان کی ایک روایت سے ملتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام پہلے شخص تھے جنھوں نے قلم کا استعمال کیا اور ان کو ''ہرامس الہرامہ'' (ہرمس علمِ نجوم کے ماہر عالم کو کہتے ہیں، اس لیے ''ہرمس الہرامہ'' کے معنی یہ ہیں کہ ماہرین علمِ نجوم کا استاد اوّل، ہرمس یونان کا ایک مشہور منجم گزرا ہے۔) کا لقب دیا گیا۔[۱۲]

حضرت ادریس علیہ السلام کا وطن دجلۂ فرأت کا شہر بابل تھا اور پہلا خط سریانی زبان میں حضرت ادریس علیہ السلام نے لکھا تھا [۱۳] اور آپ علیہ السلام سریانی زبان میں کتابت کیا کرتے تھے اور تاریخ میں آتا ہے کہ آپ علیہ السلام صاحبِ کتاب تھے [۱۴] مذکورہ بالا شواہد اور اقتباسات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ تحریر اور قلم کی ایجاد میں پہل حضرت ادریس علیہ السلام ہی نے کی لیکن اُن کا کوئی قلمی نسخہ دستیاب نہیں ہے چوں کہ اس قسم کی قدیم تحریروں کو اُس زمانے میں محفوظ رکھنا ممکن نہ تھا اِس ابتدائی صورت حال سے متعلق مکاتیبِ اقبال کے مقدّمے میں سیّد مظفر حسین برنی لکھتے ہیں کہ:

> ''خطوط نویسی یا نامہ نگاری کا آغاز اسی زمانے میں ہو گیا ہوگا جب انسان نے رسم الخط ایجاد کیا اور لکھنا سیکھا چنانچہ

> تقریباً تین ہزار سال قبل کی تین سو مٹی کی لوحیں ایسی نکلی ہیں جن پر مصر کی فراعنہ کے نام سے خطوط کندہ ہیں، یہ ۱۸۸۷ء میں سمرنا (عراق) کے مقام پر کھدائی کے دوران دریافت ہوئیں'' [۱۵]

خط نگاری سے متعلق ہندو مذہب کی قدیم کتاب ''شری مد بھاگوات پران'' میں بھی دو حوالے ملتے ہیں جس میں ''سندیسا''، ''پتر''اور ''چٹھی'' ایسے لفظ آئے ہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہندو مذہب کے پیروکار اور راجہ مہاراجہ بھی خط نویسی سے وابستہ تھی۔ اس کتاب سے دو اقتباسات ملاحظہ فرمایئے جس میں لکھا ہے کہ:

> ''یہ کہہ کر شیام اور بلرام نے بہت طرح کے گہنے اور کپڑے نند اور یشودا اور گوال پال اور شری رادھا آدک درِجبالوؤں کو دینے کے لیے اور اودھو جی کو دیے اور ایک چٹھی میں بڑوں کو ڈنڈوت اور چھوٹوں کو آسیس اور گوپیوں کو یوگ اور گیان لکھا اور وہ چٹھی اودھو جی کو دے کر بولے کہ تم آپ پڑھ کر اس کا حال سب کو سنا دینا اور جس طرح بن پڑے اُن کو دھیرج دے کر یہاں جلد چلے آنا۔'' [۱۶]

> ''اُسی وقت راجہ یدھشٹر کی چٹھی نیوتے کی اس مضمون کی شیام سندر کے پاس پہونچی کہ مہا پربھو براہمنوں نے مجھ سے راجسو یہ یگیہ کا سنکلپ تو کرادیا لیکن بنا آئے آپ کے ہاتھ سے جب شیام سندر نے پانڈؤں کا سندیسا نارد من سے سن کر اُن کی چٹھی پڑھی تب یودونسیوں سے جو وہاں بیٹھے تھے پوچھا کہ سنو بھائیو جراسندھ کے قیدی راجوؤں نے اپنے چھڑانے کا سندیسا میرے پاس بھیجا ہے اور نارد من جی پانڈوں کے پاس جانے کو کہتے ہیں۔'' [۱۷]

''شری مد بھاگوات پران'' کے مذکورہ بالا دونوں اقتباسات میں شیام سندر یعنی (شری کرشن چندر) کا ذکر موجود ہے۔ جس سے بہ آسانی اس دور کا تعین کیا جاسکتا ہے چوں کہ مفید عالم جنتری کے مطابق شری کرشن کا جنم سمت پانچ ہزار دو سو چون (۵۲۵۴) ہے اور اس میں سے موجودہ سن دو ہزار اٹھارہ (۲۰۱۸ء) کو منہا کر دیا جائے تو تین ہزار دو سو چھتیس (۳۲۳۶) قبل مسیح بنتا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس دور میں خط نگاری کی روایت موجود تھی۔ تاریخ میں ایک اور قدیم خط کا حوالہ آتا ہے، یہ خط عبرانی زبان میں حضرت سلیمان علیہ السلام (ولادت یروشلم، ۹۹۲ق م۔ وصال ۹۲۴ق م) نے سید سلمان ندوی کے مطابق ملکۂ سبا بلقیس کو دسویں صدی ق م میں فلسطین سے بہ جانب حبشہ ارسال کیا تھا، [۱۸] سب سے پہلے اِس خط کا ذکر قدیم تاریخی کتابوں (۱) نبیم [۱۹] کے سفر ایام اور (۲) سفرِ ملوک میں ملتا ہے چوں کہ ترگوم [۲۰] (دوئم براسترا) میں جو، توراۃ اور نبیم کا آرامی ترجمہ بلکہ آرامی زبان میں اس کی تفسیر ہے، میں یہ قصّہ زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے [۲۱] گو سلیمانؑ سے متعلق بعض نہایت لغو باتیں بھی شامل کر دیں ہیں [۲۲] اِس کے علاوہ تیسری مرتبہ اسفار یہود میں بھی بعینہ یہی قصہ ملتا ہے مگر تفصیل و اجمال کا فرق واضح دکھائی دیتا ہے۔ ترگوم کی روایت سے ترجمے کا اقتباس ملاحظہ فرمایے جس میں لکھا ہے کہ:

> ''... ایک دن سلیمان علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ ہُد ہُد غائب ہے۔ (سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ وہ حاضر کیا جائے)... پرندہ نے یہ رائے دی کہ وہ اُڑ کر اُس ملک کو پھر جائے گا اور وہاں کی ملکہ کو اپنے ساتھ لائے گا۔ سلیمان علیہ السلام نے یہ تجویز پسند کی اور خط کو ہُد ہُد (کے بازو میں) باندھ دیا گیا۔ ہُد ہُد شام کے وقت جب وہ آفتاب کی عبادت کو جارہی تھی پہنچا (اور یہ خط ملکہ کے حوالے کیا)۔'' [۲۳]

ہندوستان میں خط نگاری سے متعلق ایک اور قدیم حوالہ ہمیں ملتا ہے جس میں ڈاکٹر شاداب تبسم لکھتی ہیں کہ:

> ’’... ہندوستان میں سب سے پہلے خط کا رواج چندر گُپت موریہ کے زمانے میں ہوا۔ یہ حضرت عیسیٰؑ سے کوئی تین سو سال سے پہلے ہوا تھا۔ کوٹلیہ کی کتاب ’’ارتھ شاستر‘‘ سے معلوم ہوتا ہے کہ چندر گُپت موریہ کے دربار میں خطوں کی آمد و رفت عام بات سمجھی جاتی تھی۔‘‘ ۲۴

> ’’انجیل مقدس‘‘ متّی باب ۱۲ اور آیت ۴۲ میں بھی ملکہ سبا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر مذکور ہے جس میں لکھا ہے کہ: ’’دکھن کی ملکہ عدالت کے دن اِس زمانہ کے لوگوں کے ساتھ اٹھ کر اِن کو مجرم ٹھہرائے گی۔ کیوں کہ وہ دنیا کے کنارے سے سلیمانؔ کی حکمت سننے کو آئی اور دیکھو یہاں وہ ہے جو سلیمانؔ سے بھی بڑا ہے (یعنی مسیح)‘‘ ۲۵

قدرت نے چھٹی صدی عیسوی کے اواخر اور ساتویں صدی کے اوائل میں قرآن میں یہ قصہ اور خط چوتھی مرتبہ پیش کیا ہے جس کے صحتِ متن پر کوئی کلام نہیں کیوں کہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن، جو گزشتہ تمام صحائف اور کتابوں کی تصحیح و تمحیص کے لیے آیا ہے، نے اس خط کو بجنسہٖ لفظ بہ لفظ پیش کیا ہے۔ قرآن میں پہلی مرتبہ ملکہ سبا کا ذکر سورۂ نمل اور دوسری مرتبہ ’’سیلِ ارم‘‘ کے ذکر کے ساتھ آیا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ خط جو ملکہ سبا کے نام ہے قدیم اور تاریخی ہے۔ یہ خط ملاحظہ فرمائیے جو صرف سورۂ نمل کی دو آیات: ۳۰ اور ۳۱ پر مشتمل ہے:

> **اِنَّہٗ مِنۡ سُلَیۡمٰنَ وَاِنَّہٗ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔ اَلَّا تَعۡلُوۡا عَلَیَّ وَاۡتُوۡنِیۡ مُسۡلِمِیۡنَ۔**
>
> ترجمہ: وہ خط سلیمان علیہ السلام کی طرف سے اور وہ یہ ہے۔ شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے کہ زور نہ کرو میرے مقابلے میں اور چلے آؤ میرے سامنے حکم بردار ہو کر۔‘‘ ۲۶

حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس خط کا مقصد ایک بھٹکی ہوئی (آفتاب پرست) قوم کو راہ راست پر لانا تھا اور اس سورۃ میں لفظ ’’کتاب‘‘، ’’خط‘‘ کے معنیٰ میں دو مرتبہ آیا ہے یعنی: (۱) اِذۡهَبۡ بِّكِتٰبِیۡ هٰذَا، ترجمہ: میری یہ کتاب (خط) لے جا: (النمل آیت ۲۸) (۲) اِنَّہٗ اُلۡقِیَ اِلَیَّ کِتٰب‘‘ کَرِیۡم‘‘، ترجمہ: میرے پاس ایک کتاب (خط) آئی ہے (النمل آیت ۲۹)

مولانا سیّد سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ ’’ایک مدّعی علمِ کلامِ جدید نے کتاب سے رجسٹر اور دفتر مُراد لیا ہے... میری رائے یہ ہے کہ کتاب سے خط مُراد ہے۔ اس کے علاوہ لفظ کتاب کا بھی بہ فیض خط عربی میں عام طور پر استعمال ہے بلکہ فصحاء اس کے سوا خط کے لیے کوئی دوسرا لفظ استعمال نہیں کرتے۔‘‘ ۲۷

ملکہ سبا نے جب اس خط کو پڑھا تو اس تحریر کا اُس پر اس قدر اثر ہوا کہ اُس نے مذہب اسلام قبول کر لیا اور جس مقصد کے تحت خط لکھا گیا تھا وہ پورا ہوا لہٰذا اِس دور سے خط کی تسوید بہ غرض تبلیغ کی روایت کا پتا چلتا ہے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی اس خط کے اختصار، جامعیت اور عظمت سے متعلق لکھتے ہیں کہ: ’’ایسا مختصر، جامع اور پُر عظمت خط شاید ہی دنیا میں کسی نے لکھا ہو‘‘ ۲۸ یہ خط اسلوب، موضوع، اعجاز و اختصار کے اعتبار سے ایک اہم ترین خط ہے اور اسے فنّ خط نگاری میں اوّلین دستیاب نمونۂ خط کی قدر و منزلت حاصل ہے اور ’’اس میں لفظ ’’خط‘‘ فطری مفہوم کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔‘‘ ۲۹

حضرت سلیمان علیہ السلام کے وصال فرمانے کے بعد[۳۰] اس عظیم الشان سلطنت کے حصے بخرے ہوگئے اور دوسری سلطنت بادشاہ یمن اوّل حمیری کی قائم ہوگئی، پیغمبر اسلام محمدﷺ کی بعثت سے تقریباً ایک ہزار برس قبل اِس بادشاہ نے آپﷺ کو ایک خط لکھا تھا اور وصیّت کی تھی کہ یہ خط آپﷺ کی خدمتِ اقدس میں پیش کردینا اور تمھیں اپنی زندگی میں حضور اکرمﷺ کا دور نصیب نہ ہو تو اپنی اولاد کو یہ وصیّت کردینا کہ میرا خط اس وقت تک محفوظ رکھیں، چنانچہ اس خط کو محفوظ رکھا گیا اور وقت آنے پر یمن اوّل حمیری کا خط بہ نام پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰﷺ کو پیش کیا گیا۔ جس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے کہ:

> ’’کم ترین مخلوقات تبع اوّل حمیری کی طرف سے بخدمت شفیع المذنبین، سید المرسلین محمد رسول اللہﷺ امابعد۔ !اے اللہ کے حبیب میں آپﷺ پر بھی ایمان لاتا ہوں۔ اور جو کتاب آپ پر نازل ہوگی، اس پر بھی ایمان لاتا ہوں اور میں آپ کے دین پر ہوں۔ پس اگر میں آپ کی زیارت نہ کرسکا تو میری شفاعت فرمانا اور قیامت کے روز مجھے فراموش نہ فرمانا میں آپ کے ساتھ آپ کی آمد سے پہلے بیعت کرتا ہوں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور آپﷺ اُس کے سچے رسولﷺ ہیں‘‘ [۳۱]

سبائے حمیر کی تاریخ پہلی صدی ق م کے وسط سے شروع ہوکر ’’ذونواس‘‘ کی موت ۵۲۵ء پر ختم ہوتی ہے[۳۲] اُس دور میں بھی خط وکتابت کا رواج تھا، اِس ضمن میں سیّد نجیب اشرف ندوی لکھتے ہیں کہ:

> ’’عرب قبل الاسلام کے متعلق ہم کو قدیم شعراء کی وساطت سے صرف اِس قدر معلوم ہوسکا ہے کہ وہاں حمیری زبان کے کاتب ہوتے تھے اور لوگ بھی تھے جو حلف ونقائص لکھتے تھے، اس کے علاوہ چوں کہ عربوں کے دوسرے قبائل اور دوسرے تجارتی تعلقات تھے، اِس لیے ایک جماعت ایسی بھی تھی جو تجارتی خطوط اور حساب کی ماہر تھی۔‘‘[۳۳]

اسلام سے قبل خط نگاری سے متعلق معلومات ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی کے مقالے ’’مکتوبات اُردو کا ادبی تاریخی ارتقاء‘‘ میں بھی ملتی ہیں جس میں وہ لکھتے ہیں:

> ’’عرب کی قبل از اسلام حکومتیں یمن، حیرہ وشام تمدّن اور نظام سے تہی دست نہ تھیں ۰۰۰ تاریخ صرف دولتِ حیرہ کے ایک کاتب عدی بن زید کا نام بتاتی ہے۔ ۰۰۰ حمیری زبان کے کاتبوں اور تجارتی خطوط لکھنے والوں کا ذکر بھی ملتا ہے۔‘‘ [۳۴]

مولانا سید سلیمان ندوی نے محققین اور مورخین کی مدد سے دولتِ حیرہ ہی کے زمانے کے ایک قدیم خط، جو قبیلہ مورث نزار کے نام لکھا گیا تھا، کی نشاندہی کی ہے اور سکّوں اور مہروں کی مدد سے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ اُس وقت سبائی خط رائج تھا[۳۵] عربوں کی تجارت توریت اور زیادہ تر یونانی تواریخ سے بھی ثابت ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عرب تاجر دو ہزار سال قبل مسیح سے یہ کام انجام دے رہے تھے اور مشرق ومغرب کے تجارتی تعلقات میں ہمیشہ اُن کا اہم کردار رہا۔ اُس دور میں جو عرب تاجر کثرت سے مصر کو جاتے دکھائی دیتے ہیں اُن کے سامانِ تجارت میں بلسان، صنوبر، لوبان اور دیگر خوشبودار چیزیں شامل تھیں، سن ۹۵۰ ق م میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں ملکۂ سبا نے جو تحائف پیش کیے تھے اُن میں بھی خوشبو کی چیزیں، بہت سا سونا اور بیش بہا قیمتی جواہر شامل تھے (۱۲سفیر الایام ۹۔۹) حضرت سلیمان علیہ السلام کی کشتیاں یمن کی بندرگاہ اوفر سے سونا لاتی تھیں (سفر الملوک ۹۔۲۷)، افریقہ اور

ہندوستان سے سامانِ تجارت بحری راستوں سے آ کر یمن اور حضر موت کے سواحل پر اترتا اور یہاں سے خشکی کے راستے بحر احمر کے کنارے حجاز مدین جاتا یا شام کی سرحد سے مصر پہنچتا اور وہاں سے اسکندریہ کی بندرگاہ سے یورپ روانہ ہوتا لہٰذا عربوں کی اس تجارتی سرگرمی کے نتیجے میں مکتوب نویسی کی روایت نے بھی افریقہ، روم، یونان، یورپ، اسکندریہ، مصر و دیگر علاقوں کا سفر کیا۔ [۳۶]

تاریخ میں آتا ہے کہ بحرین کے پاس کچھ عرب تاجروں نے انتقال مکان کر کے بحیرہ روم (بحیرہ ابیض بحیرہ متوسط) کے سواحل پر جو شام اور کنعان کے بحری مقامات تھے، مستقل رہائش اختیار کر لی تھی، بنی اسرائیل انھیں آرامی اور کنعانی اور اہل یورپ انھیں فینیقین (Phoencian) کہتے تھے۔ ان فینیقی عربوں نے یورپ اور افریقہ کے تمام ممالک میں تجارتی تعلقات قائم کر لیے تھے، یونان میں تہذیب و تمدن کا آغاز ان ہی عربوں کے ذریعے سے ہوا اور رفتہ رفتہ شعور و آگہی کی یہ روشنی دور تک پھیلتی چلی گئی۔ [۳۷]

اس ضمن میں ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں کہ:

> ''دانش کی روشنی اگرچہ مشرق سے طلوع ہوئی تھی لیکن اس نے روئے عالم میں ہر طرف نور پھیلا دیا۔ چنانچہ یورپ کے جزیروں میں آباد ہونے والے وحشی قبائل جب تمدّن سے روشناس ہوئے تو انھوں نے بھی زیادہ تر مصر اور بابل کی تہذیبوں سے ہی استفادہ کیا۔ یونان کے مفکّرین دیماقراطس (Democritus) فیثاغورث اور افلاطون وغیرہ نے مصر، بابل اور فینیقیہ کا سفر کیا تھا۔ چناں چہ محققین لکھتے ہیں کہ اہل یونان نے بابل سے ہیئت، مصر سے ہندسہ، طبّ، موسیقی اور مجسّمہ سازی، فینیقی تاجروں سے فنّ جہاز سازی، اصول تجارت، اوزان، دھوپ گھڑی اور حرف تہجی کی تحصیل کی تھی۔'' [۳۸]

یونانیوں کا حصول علم کا یہی پس منظر تھا جس کی وجہ سے ہوریس (۶۵ ق م ۔ ۸ ق م) جیسا شاعر اور مکتوب نگار پیدا ہوا اور اُس نے جہاں ادب میں شائستگی، سلیقے اور نفاست پر زور دیا [۳۹] وہاں اُس نے منظوم ادبی رقعات (Epistels) لکھنے کا آغاز کیا اور یہ ادبی رقعات دو جلدوں میں شایع بھی ہوئے، ڈاکٹر جمیل جالبی ہوریس کی منظوم خط نگاری سے متعلق لکھتے ہیں کہ:

> ''فن شاعری کا مخاطب پیسو خاندان کا کوئی ایسا فرد ہے جو ادیب شاعر اور ڈرامہ نگار بننا چاہتا ہے اور ہوریس نے یہ مکتوب اسی کی ہدایت کے لیے لکھا تھا، ہوریس کے اس ''مکتوب'' کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے شان دار جملے اور چُست بندش و تراکیب پڑھنے والے کو اپنی طرف متوجہ کر لیتے ہیں۔۔۔۔ اور اس کے فقرے اور بندش ضرب المثل بن کر تحریر و تقریر میں آنے لگے۔'' [۴۰]

ہوریس کے علاوہ بہت سے خطوط افلاطون (Plats) [۴۱] ارسطو (Aristtle) [۴۲] اور اپیکیوریس (Aepicurus) [۴۳] سے منسوب کیے جاتے ہیں، معروف مورخ پلوٹارک (Plutarch) [۴۴] کے خطوط بھی مشہور ہیں۔ یونان کے ساتھ ساتھ اہل روم کے یہاں بھی باقاعدہ خط نگاری کا رجحان پایا جاتا تھا، سسرو (Ciccro) (۳ جنوری ۱۰۶ ق م ۔ قتل دسمبر ۴۳ ق م) کے علاوہ سینیکا بزرگ (Cineaca Elder) کے خطوط بھی قابل ذکر ہیں۔

خط نگاری کو باقاعدہ فن بنانے اور سسرو سے متعلق ڈاکٹر خلیق انجم لکھتے ہیں کہ: ''انسانی تاریخ میں یہ اعزاز اہل روم کی قسمت

میں لکھا تھا کہ وہ مکتوب نگاری کو باقاعدہ فن بنائیں۔۔۔سسرو اسی عہد کا مکتوب نگار ہے۔‘‘[۴۵] روم میں مکتوب نگاری کے آغاز سے متعلق ڈاکٹر خورشید الاسلام لکھتے ہیں کہ: ’’مکتوب نگاری کی ابتدا سلطنت روم کے سائے میں ہوئی۔۔۔روم کی زندگی کی جھلکیاں اور اس کی معاشرت کی پرچھائیں دیکھنی ہو تو سسرو کے مکاتب دیکھیے۔‘‘[۴۶]

یرمیاہ نبی کا خط بابل میں یہودیوں کے نام:

یرمیاہ نبی ساتویں صدی کے اواخر اور چھٹی صدی قبل مسیح کے اوائل میں گزرے ہیں، وہ ایک بہت حساس انسان تھے انھیں اپنے لوگوں سے بہت محبت تھی لہٰذا اُن کے لیے سزاؤں اور قہر و غضب کا اعلان کرنا سخت ناپسند تھا۔ وہ اپنی قوم کو خبردار اور متنبہ کرتے رہے کہ تمہارا گناہ اور بت پرستی کے باعث تم پر حادثۂ عظیم اور آفتیں آئیں گی۔ [۴۷] اسی نبی کے نام سے منسوب عہد عتیق کی کتاب ’’یرمیاہ‘‘[۴۸] میں باروک (کاتب یرمیا نبی) سے فن خط نگاری سے متعلق دو روایات ملتی ہیں پہلی روایت ’’یرمیاہ کا خط بابل میں یہودیوں کے نام‘‘ سے ہے، اس خط کی بابت لکھا ہے کہ:

> ’’۲۹ (۱) اب یہ اُس خط کی باتیں جو یرمیاہ نبی نے یروشلم سے باقی بزرگوں کو جو اسیر ہو گئے تھے اور کاہنوں اور نبیوں اور اُن سب لوگوں کو جن کو نبوکدنضر یروشلم سے اسیر کر کے بابل لے گیا تھا۔ (۲) (اس کے بعد کہ یکونیاہ بادشاہ اور اُس کی والدہ اور خواجہ سرا اور یہوداہ اور یروشلم کے اُمراء اور کاریگر اور لہار یروشلم سے چلے گئے تھے (۳) العاسہ بن سافن اور جمریاہ بن خلقیاہ کے ہاتھ (جن کو شاہ یہوداہ صدقیاہ نے بابل میں شاہ بابل نبوکدنضر کے پاس بھیجا) ارسال کیا اور اُس نے کہا۔‘‘[۴۹]

جب کہ دوسری روایت ’’سمعیاہ کا خط‘‘ کے ذیل میں ہے اور اس سے متعلق لکھا ہے کہ:

> ’’(۲۷) اور نخلامی سمعیاہ سے کہنا (۲۵) رب الافواج اسرائیل کا خدا یوں فرماتا ہے اس لیے کہ تو نے یروشلم کے سب لوگوں کو صفنیاہ بن معسیاہ کاہن اور سب کاہنوں کو اپنے نام سے یوں خط لکھ بھیجے۔۔۔(۲۹) اور صفنیاہ کاہن نے یہ خط پڑھ کر یرمیاہ نبی کو سنایا۔‘‘[۵۰]

ڈاکٹر نسرین ممتاز بصیر نے دنیا کے قدیم خط کی نشاندہی کی ہے وہ لکھتی ہیں کہ: ’’۔۔۔نئی تحقیقات کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ شاید دنیا کا قدیم ترین خط وہ ہے جو قرآن پاک کی بعض تفسیروں کے مطابق حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اُس وقت لکھا تھا جب وہ عزیز مصر بنا دیے گئے تھے۔‘‘[۵۱]

ڈاکٹر نسرین ممتاز بصیر نے اس حوالے کے ساتھ ہی یہ سوال بھی اٹھایا ہے کہ اس خط کی حقیقت کو تسلیم کر لینے کے بعد بھی چوں کہ یعقوب علیہ السلام کے خط کا متن ابھی تک سامنے نہیں آیا ہے اس لیے حتمی فیصلہ کرنا دشوار گزار رہے کہ آج جسے ’’خط‘‘ کا نام دیا جا رہا ہے اُس وقت اس کی شکل کیا رہی ہوگی۔ مگر ایس نسیم بانو نے اب اس خط کا متن (اردو ترجمہ) عبداللہ شاہ (محدثِ دکن) کی کتاب تفسیر یوسف (گلدستۂ طریقت) سے پیش کر دیا ہے اور یہی خط حافظ محمد اسحاق دہلوی (مدیر الواعظ دہلی) کی کتاب ’’داستانِ یوسف‘‘ میں ’’اسرائیل علیہ السلام کا خط‘‘ کے نام سے شائع ہوا ہے مگر ترجمے کا فرق واضح دکھائی دیتا ہے۔ دونوں خط ملاحظہ فرمایئے:

یعقوب علیہ السلام[۵۲] کا خط بہ نام یوسف علیہ السلام

یہ خط یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے بادشاہ ٔ مصر کو لکھا جا رہا ہے۔ اما بعد ہمارا گھر ابتلا و امتحان کا گھر ہے۔ ہمارے دادا ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے گئے۔ پھر اللہ نے آگ ان پر گلزار کر دی چچا کے گلے پر ہاتھ پاؤں باندھ کر چھُری پھیر دی گئی۔ جن کا فدیہ بہشتی بکرے سے ہوا۔ اور میں یوسف علیہ السلام کے فراق میں مبتلا کیا گیا۔ جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کو بھیڑیا کھا گیا، اس پر طرّہ یہ کہ اِس کا حقیقی بھائی بن یامین جو میرے دل کی تسکین تھا، تیرے قید میں ہے، اس وقت کہ میری آنکھوں کو دکھائی نہیں دیتا اور کمر جھُک گئی ہے۔ میرے بچے کو قید کر کے مجھے بے چین کر دیا ہے اے بادشاہ تیرا گمان ہے کہ میرا بیٹا چور ہے، یاد رکھ ہم ایسے خاندان کے لوگ ہیں کہ نہ چوری کرتے ہیں اور نہ کوئی ہماری نسل سے چور پیدا ہوا ہے، اے بادشاہ اگر تو میرے بچہ کو میرے پاس نہ بھیج دے گا تو ایسی بددُعا دوں گا۔ جس کا اثر تیری ساتویں پُشت تک پہنچے گا''۔[۵۴]

اسرائیل[۵۳] علیہ السلام کا خط بہ نام یوسف علیہ السلام

بادشاہ ٔ مصر کو بعد سلام علیک کے واضح ہو کہ میرے دادا ابراہیم خلیل اللہ تھے جن کے لیے آتش نمرود گلزار ہو گئی اور میرے والد حضرت اسحاق علیہ السلام تھے میرا نام یعقوب علیہ السلام، اسرائیلؑ ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اولاد کا ایک باغ عطا فرمایا ہے اور شہر کنعان کا نبیٔ مرسل بنایا ہے، نیز میرا ایک فرزند تھا جس کے متعلق ہے کہ اسے جنگل میں بھیڑیا لے گیا اور جس کا خون آلُود کُرتا اب تک میرے پاس بطور نشانی موجود ہے اور جس کا نام یوسف علیہ السلام تھا۔ نیز اس کا ایک حقیقی بھائی بن یامین بھی تھا جس میں یوسف علیہ السلام کی یاد تازہ کیا کرتا تھا اور اپنے دل کو تسلی دیا کرتا تھا، مگر افسوس اور صد ہزار افسوس کہ تو نے اے بادشاہ مصر اُسے چور بنا کر اپنے پاس مقیّد کر لیا۔ حالاں کہ میرے خاندان میں کوئی چور اور زانی نہیں ہو سکتا، پس اے بادشاہ ٔ مصر! اگر تو میرے فرزند بن یامین کو چھوڑ دے گا تو میں تیرے لیے دُعا کروں گا جو تیری سات پُشت تک انشاء اللہ پھلے اور پھولے گا اور تیری نسل میں خُدا کے برگزیدہ اور پیارے فرزند پیدا ہوں گے۔[۵۵]

یہ تاریخی خط عبرانی زبان میں لکھا گیا ہے چوں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا جوابی خط بھی اس زبان میں لکھا گیا تھا[۵۶] اس خط میں اہم اسلامی تاریخی واقعات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور ایک باپ کی اپنے بیٹے سے جُدائی کے غم کو بیان کیا گیا ہے اور آخر میں مکتوب نگار نے اپنا اور اپنے خاندان کا تعارف بڑے مُدبّرانہ انداز میں کرایا ہے جس سے پیغمبرانہ شان وجلال نمایاں ہوتا ہے، اس خط کا اسلوب سادہ مگر اندازِ تکلم صاف اور دوٹوک ہے، اس خط کی خاص بات اس کا حسنِ اختصار ہے چوں کہ اس خط میں مکتوب نگار نے تین اہم تاریخی واقعات کو چند سطروں میں بیان کیا ہے جس کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔[۵۷] خط کا موضوع یوں تو نجّی نوعیت کا معلوم ہوتا ہے کہ جس میں مکتوب نگار ایک باپ اور مکتوب بہ الیہ حاکم وقت ہے مگر مکتوب نگار نے اس خط میں یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ ہم ایک ایسی نسل سے ہیں جس میں کبھی کوئی فرد چور، زانی نہیں ہوا الغرض اس خط کی تاریخی، ادبی، سماجی اور معاشرتی اہمیت یہ ہے کہ یہ خط ہر اُس باپ کے دردِ دل کی آواز ہے جو اپنی اولاد سے پُر خلوص محبت کا دم بھرتا ہے یوں اِس خط کی حیثیت ذاتی یا نجی نہیں اجتماعی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

حافظ محمد اسحاق دہلوی کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام نے اِس سے قبل متعدد خطوط اپنے والد ماجد کو تحریر کیے ''مگر یہ حکم جبرائیل امین انھیں اپنے صندوقچے میں ڈال دیا کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں تھا کہ یہ راز فاش ہو، مگر اس خط کی اجازت (جس کا ذکر آگے ہوگا) جبرائیل علیہ السلام نے اس لیے مرحمت فرمائی کہ کہیں یعقوب علیہ السلام اپنے فرزندِ ارجمند کے حق میں بددُعا نہ کر بیٹھیں اور حضرت یوسف علیہ السلام سے یہ فہمائش ضرور کی کہ خط میں اپنا نام ظاہر نہ کریں۔''[۵۸]

داستانِ یوسف کے مصنف نے یوسف علیہ السلام کے اِس جوابی خط کو ''خفیہ چھٹی'' لکھا ہے جسے یوسف علیہ السلام نے اپنے ایک ایلچی کے سپرد فرماتے ہوئے زبانی ارشاد فرمایا کہ نہایت پوشیدہ طور پر بہت جلد ہی کنعان پہنچو اور جناب اسرائیل علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے ہاتھ میں جا کر یہ خط دو اور بہت جلد ہی واپس آ جاؤ، حضرت یوسف علیہ السلام کے خط کے الفاظ یہ ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام کا خط بہ نام یعقوب علیہ السلام:

> ''اے یعقوب علیہ السلام بن اسحٰق بن ابراہیم علیہ السلام آپ کو عزیزِ مصر کی طرف سے بعد سلام علیک کے واضح ہو کہ میں نے آپ کے نامۂ اعمال کو بغور پڑھا اور جملہ حالات سے واقف ہوا جس کے جواب میں نہایت ادب سے التماس کرتا ہوں کہ حضور اپنے باپ دادا کی طرح صبر کو اپنے ہاتھ سے نہ جانے دیں اور یہ خیال فرمائیں کہ صبر کے سبب جیسے انھوں نے فتح مندی حاصل کی اسی طرح آپ بھی عنقریب فتح مند ہوں گے۔ فقط والسلام۔ عزیزِ مصر''[۵۹]

حضرت یعقوب علیہ السلام نے کئی کئی بار اِس خط کو پڑھوا کر سُنا اپنی آنکھوں سے لگایا اور بوسہ دیا۔ مکتوب الیہ (حضرت یعقوب علیہ السلام) نے اِس خط کا جواب اپنے پوتے سے لکھوا کر مصر میں موجود اپنے بیٹوں کے نام روانہ کیا وہ اس خط میں لکھتے ہیں کہ:

حضرت یعقوب علیہ السلام کا خط مصر میں اپنے بیٹوں کے نام

> ''اے میرے لڑکو! جب تک بادشاہ مصر تمھیں رخصت نہ کرے آرام سے رہو اور کچھ جلدی نہ کرو۔ انشاء اللہ میں اور تم بہت جلدی مُراد کو پہنچیں گے۔ البتہ یہاں قحط سالی شاہد ہے۔ فقط والسلام۔''[۶۰]

☆

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے خطوط قدیم، یونانی ادب (Greek Literature) سمیت دیگر زبانوں میں بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ یہ یونانی کوئنے (Greek Koine) زبان میں آرامی، عبرانی سے ترجمہ ہوئے اور اس کے بعد لاطینی، انگریزی اور اُردو میں ترجمے ہوئے۔ اور بائبل (Bibel) (نیا اور پرانا عہد نامہ) کے ان خطوط کی اہمیت اور قدامت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اناجیل اربعہ کی ترتیب سے قبل ۴۸ء سے ۶۰ء تک ان خطوط کو عیسائی عبادت گاہوں (چرچ) میں پڑھایا جاتا رہا ہے چوں کہ ''چاروں انجیلیں سن ۶۰ عیسوی سے سن ۱۰۰ عیسوی کے دوران لکھی گئیں اور اسی عرصے میں باقی کتب بھی تحریر ہوئیں۔ پرانا عہد نامہ (بائبل) ایک ہزار سال یا اس سے زیادہ عرصے میں تحریر ہوا جب کہ نیا عہد نامہ ایک صدی کے اندر اندر لکھا گیا۔'' [۶۱]

''بائبل یونانی لفظ ''ببلیا'' (Biblia = کتابیں) سے نکلا ہے، اور لفظ ببلون (Biblon) جمع ہے ''ببلیا'' کا اور ببلوس

(Biblos) اس کا اسم تصغیر ہے جس سے عام طور پر ہر قسم کی تحریری دستاویز مُراد ہے، لیکن زمانۂ قدیم میں اس سے صرف وہ تحریر مُراد لی جاتی تھی جو پیپرس (Papyrus) پر لکھی گئی ہو۔'' [۶۲] لہٰذا کاغذ اور چھاپہ خانہ کی ایجاد سے قبل سرکنڈوں کو پیس کر اُسے لکھنے کے قابل بنایا جاتا تھا، اِسی طرح چرمی کاغذ بھی کاغذ کی جگہ قلمی نسخے (Manuscripts) تاریخی دستاویز، حکم نامے، فرامین، خطوط عامہ، پیپرس (Papyrus) کہلاتے تھے [۶۳] اور سینکڑوں کی تعداد میں ان قلمی نسخوں کو باہم جوڑ کر طُومار (Scroll) [۶۴] کی صورت دی جاتی تھی۔ بحیرہ مُردار کے طُومار (Dead sea sroll) ہی دراصل ان حواریوں کے خطوط کا مآخذ تصور کیے جاتے ہیں۔ طُومار (Soroll) کی یہ قدیم اصطلاح ماضی بعید میں وسیع تر معنوں میں استعمال ہوتی رہی ہے چوں کہ کچھ ایسی تاریخی دستاویز ماہرِ آثارِ قدیمہ اور محققین کو ملی ہیں جس کی بنیاد پر یہ کہا جاتا ہے کہ یہ لفظ کتاب، صحیفہ، دفتر، لمبا خط، مرغولہ، لپٹا کاغذ گول کر کے لکھی ہوئی کوئی تحریر کاغذوں کا مٹّھا کے طور پر برتا جاتا رہا ہے، ان طُومار کو موسمی اثرات سے بچانے کے لیے ان پر موم کی تہہ چڑھا کر انھیں مومی کاغذ (Wax Paper) کی صورت دی جاتی تھی تاکہ یہ دستی قلمی نسخے ہر طرح سے محفوظ رہیں، انھیں مومی کرنے کے لیے یہ موم (Wax myrtle) [۶۵] (ایک قسم کا پودا) اور (Wax Insect) مومی کیڑا مثلاً شہد کی مکھی وغیرہ سے حاصل کیا جاتا تھا۔ [۶۶]

بحیرہ مُردار کے طُومار (Dead sea scrolls) اُس وقت دنیا کی خصوصی توجہ کا مرکز بنے جب بیڈوَئین شیفرڈ نامی ماہرِ آثارِ قدیمہ اور اس کی ٹیم نے دریائے اردن کے مشرقی کنارے پر واقع وادی قمران کی بارہ غاروں سے طُومار دریافت کیے، یہ طُومار سن ۱۵۰ ق م سے سن ۷۰ عیسوی کے دوران تحریر کیے گئے تھے جو زیادہ تر عبرانی، یونانی، آرامی اور نبتئین آرامی زبان میں تھے اور سب سے زیادہ یہ قلمی مخلوطے ٹکڑوں اور پھٹے پرانے بوسیدہ (Fragments) حالت میں غار نمبر چار سے برآمد ہوئے جن کی تعداد ایک اندازے کے مطابق پندرہ سو بتائی جاتی ہے اور پانچ سو مخطوطے مرتبانوں (Jars) میں ملے، ان طوماروں سے نیا عہد نامہ (New Testament) ''انجیل مقدس'' کے زمانے کی دینی اصطلاحات ان کی توضیح میں مدد ملی تھی۔ مثلاً شراکت، جماعت اور کلیسیا کی مترادف اصلاحات ان طُوماروں میں پائی جاتی ہیں، بائبل میں اکثر طُوماروں کا ذکر آیا ہے۔ [۶۷]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صحائف کا طُومار جو قمران کی غار سے برآمد ہوا ہے وہ بڑے چمڑے کے سولہ ٹکڑوں کو جوڑ کر بنایا گیا ہے، یہ دس انچ چوڑا اور چوبیس فٹ لمبا ہے اور اس کے متن میں چوّن (۵۴) خانے ہیں، ان طُومار کے چمڑے کو خاص طور پر حاصل کر کے اسے نفیس صورت دی گئی تھی [۶۸] اِس قسم کے طُومار کو بنانے کا خاص طریقہ ہوا کرتا تھا۔ پیپرس، چرمی قلمی نسخے جو بکھرے یا منتشر حالت میں ہوا کرتے تھے انھیں ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیا جاتا تھا پھر کئی کئی فٹ لمبے اس ٹکڑے کو کپڑے کی تھان کی طرح لکڑی کے ایک سرے سے جوڑ دیا جاتا تھا اور اسے لپیٹ کر لکڑی کے دوسرے سرے کے ساتھ جوڑ دیا جاتا تھا اور مطالعے کے وقت ایک سرے سے اسے کھولتے جاتے تھے اور دوسری طرف لپیٹتے جاتے تھے، یہی روایت بعد کے زمانے میں شہنشاہوں کے فرامین، حکم نامے، اہم تاریخی خطوط کو اُن کے درباروں میں کھڑے ہو کر اور اسے کھول کھول کے پڑھ کر سنانے کی رہی ہے مگر فرق صرف یہ تھا کہ یہ خطوط اور شاہی فرامین کئی کئی فٹ لمبے طومار نہیں ہوا کرتے تھے جنھیں صحیفہ، کتاب یا لمبا خط کہا جا سکے۔

اِس قسم کے طُومار وں کے لیے چرمی اوراق یونانی شہر ''پُرگمن'' میں تیار ہوا کرتے تھے اوران کی بہت شہرت اور مانگ ہوا کرتی تھی ان طُو ماروں کو بڑے بڑے مرتبانوں میں محفوظ کر کے رکھا جاتا تھا۔ ''انجیل مقدس'' اورعہد عتیق کی کتابوں میں ان طُو ماروں سے متعلق اورانھیں محفوظ کرنے کے لیے قدیم کتب خانوں کا ذکر ملتا ہے[۶۹]، پولیس رسول تیمیتھیس کے نام اپنے دوسرے خط میں لکھتا ہے کہ: ''تخکس[۷۰] کو میں نے اِفِسُس بھیج دیا ہے۔ جو چوغہ میں تروآس اے میں کرپُس[۷۲] کے ہاں چھوڑ آیا ہوں جب تو آئے تو وہ اور کتابیں خاص کر رق کے طُو مار[۷۳] لیتا آئیو (انجیل مقدس باب ۴ آیت ۱۳) کتاب ''یرمیا'' میں ''طومار'' حاکموں کے ساتھ پڑھا جاتا ہے''، ''باروک ہیکل میں طومار پڑھتا ہے''، ''یرمیاہ ایک اورطومار لکھتا ہے''، ''بادشاہ طومار جلا دیتا ہے۔''[۷۴]، ایسے موضوعات سے متعلق تفصیلات ملتی ہیں۔

بائبل میں اسیری کے زمانے کے بعد تاریخی کتب خانہ کا ذکر مذکور ہے یہ دآرا بادشاہ کے دور میں بابل میں قائم تھا[۷۵]، مصر کے قدیم اورتاریخی شہر اسکندریہ میں بھی ایک عظیم الشان کتب خانہ تھا جس میں ایک اندازے کے مطابق کم ازکم پانچ لاکھ کتب رکھی گئیں تھیں، جب اس شہر کے ناظم کسی مشہور کتاب سے متعلق سنتے تو وہ اس کا یونانی زبان میں ترجمہ کرواکے لوگوں کے استفادہ کے لیے رکھتے چوں کہ اس کتب خانے کی زیادہ تر کتابیں عبرانی، سریانی اور آرامی زبان میں ہوا کرتی تھیں، تیسری صدی قبل مسیح میں پرانا عہدنامہ (Old Tastament) کا مشہور یونی ہفتاوی ترجمہ، عبرانی سے کوئنے یونانی زبان میں جسے لاطینی زبان میں ''سپتوگنتا'' (Sptuginta) کہا جاتا ہے اسی طرح معرض وجود میں آیا تھا[۷۶]۔ اِس میں ''عبرانیوں'' واحد خط ہے جو اس عہد سے تعلق رکھتا ہے اور اناجیل نویسوں، دیگر رسولوں یا مکتوب نگاروں نے اسی یونانی ہفتاوی ترجمے سے اقتباس کیا ہے۔

اس ہفتاوی ترجمے کا مخفف LXX ہے جو رومی گنتی کے مطابق ستر (۷۰) ہے ایک اور کتب خانہ ''پرگمن'' میں تھا یہ اسکندریہ کے کتب خانے سے نسبتاً چھوٹا تھا، مورخین نے لکھا ہے کہ ان دونوں کتب خانوں کی باہمی رقابت کے نتیجے میں چرمی کاغذ ایجاد ہوا تھا[۷۷]، اور قدیم سریانی عبریانی خطوط ان پر لکھے ہوئے ملتے ہیں۔ یونانی، عبرانی، آرامی زبان سے حواریوں کے خطو کے اردو تراجم جسے اب ''انجیل مقدس'' کا ضروری جُز سمجھا جاتا ہے، پر بات کرنے سے قبل ضروری ہے کہ قدیم خطوط سے متعلق چند ضروری نکات کا تذکرہ کر دیا جائے اور بحیرۂ مُردار سے برآمد ہونے والے اُن خطوط کے قدیم مخطوطوں کا بھی سُراغ لگایا جائے اور جاننے کی کوشش کی جائے کہ کون سا مخطوطہ کہاں موجود اور محفوظ ہے۔ اوران میں موجود حواریوں کے خطوط کس قدر آج ''نیا عہد نامہ'' ''انجیل مقدس'' کا حصہ ہیں اوران حواریوں یا مکتوب نگاروں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے عہد میں کون کون سے مختلف ناموں سے پکارا ہے۔

محققین کے مطابق تقریباً پندرہ سو قدیم مخطوطات سے متعلق معلومات ملتی ہیں، ان میں یہ تحقیق کرنا کہ کون سا مخطوطہ سب سے زیادہ قدیم ہے، ایک بہت مشکل کام ہے تاہم بائبل کے علماء نے بڑی جستجو کے بعد درج ذیل قلمی مخطوطوں سے متعلق لکھا ہے کہ یہ سب سے قدیم نسخے سمجھے جاتے ہیں۔

(۱) ویٹے کن کا مخطوطہ (بی) جسے انگریزی میں "Codex Vaticanus B"[۷۸] کہا جاتا ہے پانچ سو سال سے روم کے ویٹے کن

کتب خانے میں پوپ کے محل میں موجود ہے یہ سات سوانسٹھ (۷۵۹) ورق پر مشتمل ہے اور ہر ورق کا سائز ۲۷x۲۷ سینٹی میٹر مربع شکل ہے اور اس میں خط ''عبرانیوں'' جو چوتھی صدی عیسوی کا تحریر کردہ ہے کتابی صورت میں چرمی کاغذ پر ہے اور اس کی تحریر ہر صفحے پر تین تین کالموں میں ہے۔ زیادہ تر اِس مخطوطے کے اگلے اور پچھلے حصے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گئے ہیں اور یہ صفحات منظوم رقعات پر مشتمل ہیں۔[۷۹]

(۲) سینا کا مخطوطہ (این) جسے "Codex Sinaitikus,N" کہا جاتا ہے، اسے ایک جرمن کے مشہور عالم ٹشنڈ راف نے کوہ سینا کے ایک راہب خانہ سے ۱۸۴۴ء میں دریافت کیا تھا اور یہ ۳۳۰ء سے ۳۶۰ء کے درمیان یونانی زبان میں لکھا گیا تھا اس میں ستّر عیسوی سے ایک سو بیس عیسوی تک کے دوران لکھے گئے برناباس کے رقعات (Epistles) ہیں اور یہ آٹھ سو پچاس سطروں پر مشتمل ہے،[۸۰]

ان رقعات کا انگریزی میں جے بی لائٹ فوڈ نے ترجمہ کیا۔ یہ مخطوطہ، مخطوطہ اسکندریہ سے خاصی مماثلت رکھتا ہے اور اس کے ہر صفحے پر چار چار کالم ہیں اور آج کل یہ برٹش میوزیم لائبیری لندن میں موجود ہے یہ (بڑے حروف Uncial) میں لکھا ہوا ہے جب کہ خاصہ بڑا حصہ پرانا عہد نامہ کا گُم ہے[۸۱] نیا عہد نامہ ''انجیل مقدس'' میں ایک رقعہ بھی برناباس کا نہیں ہے۔ جب کہ رسولوں کے اعمال میں ذکر ملتا ہے۔

(۳) اسکندریہ کا مخطوطہ لندن (اے) جو Codex Alaxrandrinus کے نام سے معروف ہے یہ ۴۰۰ سے ۴۴۰ عیسوی کا ہے یہ مخطوطہ قسطنطنیہ کے آرچ بشپ سرل لیوسرس نے ۱۶۲۸ء میں انگلینڈ کے بادشاہ چارلس اوّل کی نذر کیا تھا۔ یہ اب لندن کے میوزیم میں رکھا ہوا ہے اور اس میں عہد عتیق کے دس، متی انجیل کے پچیس، یوحنا انجیل کے دو، کرنتھیوں کے نام خط کے تین ورق نہیں ہیں، یہ مخطوطہ پانچویں صدی کے دوران یونانی زبان میں لکھا گیا تھا اور اس کے سرورق پر عربی زبان میں لکھا ہے کہ ''یہ نسخہ تھسلکہ شہید کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔'' اسے اسکندریہ کا نسخہ یا مخطوطہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ پہلے اسکندریہ سے قسطنطنیہ بھیجا گیا تھا اور اس کے ہر صفحے پر دو دو کالم ہیں، یہ تینوں مذکورہ بالا نسخے سب سے قدیم اور مشہور ہیں[۸۲] اس میں یوحنا، پَولُس اور کلیمنٹ کے رقعے شامل ہیں جو عیسائیت کے ابتداء میں پڑھے جاتے تھے۔[۸۳] موجودہ انجیل مقدس میں کلیمنٹ کا کوئی خط نہیں ہے۔

(۴) افراہیمی مخطوطہ (سی) جسے Codex Ephraemi (c) کہا جاتا ہے کا، اور مخطوطہ اسکندریہ کا دور ایک ہی ہے اور یہ پیرس کے شاہی کتب خانے میں رکھا ہوا ہے، پانچویں صدی میں کسی کاتب نے اس پر عہد عتیق و جدید لکھا اور بارہویں صدی تک ایک روایت کے مطابق یہ ایسا ہی رہا، مگر تیرھویں صدی میں اس کے مالک نے پہلی تحریر کو کسی قدر مٹا کر اس پر ایک سریانی افراہیم کا قصہ لکھ دیا، لیکن بائبل کے علماء نے اس بات پر اطمینان کا اظہار کیا کہ اس نسخے کے پہلے والے جملے بالکل نہیں مٹے تھے[۸۴] لہٰذا یہ بائبل کا ایک پانچویں صدی عیسوی کا یونانی مخطوطہ ہے۔ تھسالونیز ا۔ور یوحنا کے خطوط کے سوائے، پرانا

عہد نامہ کی چھ یونانی کتابیں اس مخطوطے کو پیش کرتی ہیں۔[۸۵]

(۵) بیزائی مخطوطہ (ڈی) Codex Bezae D یہ بیزائی نامی شخص کی ملکیت تھا جسے اُس نے ۱۵۸۱ء میں کیمبرج یونیورسٹی کو عطیہ کر دیا تھا اور یہ اب تک وہاں موجود ہے، یہ دو زبانوں میں ایک طرف لاطینی اور دوسری طرف یونانی زبان میں لکھا ہوا ہے، مذکورہ بالا تمام مخطوطے بڑے حروف میں تحریر کیے گئے ہیں اور یہ ہی ان کی قدامت کی نشانی ہے۔ دوسری قسم کے چھوٹے حروف والے مخطوطوں کی تعداد تقریباً پندرہ سو ہے اور وہ ان قدیم مخطوطوں کے بعد کے ہیں۔ یہ مخطوطہ پانچویں صدی عیسوی کا لکھا ہوا ہے، اس میں تین چھوٹے (پھٹے پرانے حالت میں) یوحنّا کے رقعات ہیں اور یہ یک کالمی مخطوطہ ہے اور یہ تقریباً چار سو صفحات پر مشتمل ہے۔ بڑے حروف والے مخطوطے انگریزی میں ''ان سی ایل'' "Ancial" اور چھوٹے حروف والے ''کرسیو'' "Cursive" کہلاتے ہیں۔[۸۶]

عیسائیت کے ابتداء میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اور یہ سب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات، احکامات اور ارشادات بیان کرتے تھے، قرآن میں بھی ان حواریوں کا ذکر ملتا ہے [۸۷] مگر ''انجیل'' میں ان حواریوں کا ذکر کچھ اس طرح آتا ہے جس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان کی رفاقت اور تعداد ثابت ہوتی ہے، انجیل میں لکھا ہے کہ: ''...اور یروشلم جاتے ہوئے یسُوع بارہ شاگردوں کو الگ لے گیا۔''[۸۸]

انجیل کے مطابق ان بارہ حواریوں اور ان میں شامل چار مکتوب نگاروں کے نام یہ ہیں (۱) شمعون (جو پطرس کہلاتا ہے) (۲) اندریاس (اس کا بھائی) (۳) زبدی کا بیٹا یعقوب (۴) اور اس کا بھائی یوحنا (۵) فلپس (۶) برتلمائی (۷) توما (۸) متّی (محصول لینے والا) (۹) یعقوب (حلفئی کا بیٹا) (۱۰) تدی (۱۱) شمعون (قنانی) (۱۲) یہوداہ (اسکریوتی)[۸۹] واضح رہے کہ ان میں سینٹ پال (پولس رسول) کا نام نہیں ہے اور ان کے ہی خطوط زیادہ تر انجیل مقدس میں ملتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے ان حواریوں یا مکتوب نگاروں کو ایسے ناموں سے یاد فرماتے تھے جو ان کی خصلتوں اور عادت واطوار کے عین مطابق ہوتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ قدیم زمانے کے رواج کے مطابق تقریباً ہر شخص اپنی مادری اور ملکی زبان کے ساتھ یونانی زبان استعمال کرتا تھا اور ہر شخص کے کم از کم دو دو نام ہوا کرتے تھے، ایک نام یونانی زبان میں ہوا کرتا تھا جسے وہ کاروبار اور روزمرہ زندگی میں استعمال کیا کرتے تھے اور ان کا دوسرا نام مادری زبان میں ہوا کرتا تھا جو عام طور پر عزیز واقارب، نجی حلقوں دوستوں اور گھروں میں استعمال کرتے تھے مثلاً ''توما'' کو ''ویدیمس'' کہتے تھے، توما ارمی زبان کا نام ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان تھی جب کہ ''ویدیمس'' یونانی ہے جس کا مطلب ''جڑواں'' کے ہیں، ''یعقوب'' اور ''یوحنا'' کا نام حضرت عیسی علیہ السلام نے ''بوانرجس'' رکھا ''جس کا مطلب پسران تند، سخت طبیعت، گرج کے بیٹے وغیرہ ہے چوں کہ ان کے مزاج میں غصہ تھا[۹۰] ''لادی'' کا نام ''متی'' رکھا جس کا مطلب ''خدا کی دین'' یا ''تحفہ'' کے ہیں۔ (مرقس آیت ۱۶۔ متّی باب ۹ آیت ۹)۔ ''نتن ایل'' کو ''برتلمائی'' کہا یعنی ''اخوت کا بیٹا''۔ ''توما'' کو ایک جگہ ''توام'' بھی کہا، ''یہوذ'' کو ''تدائی قیروانی'' کہا جس کا مطلب ''ہنس مکھ'' یا ''خوش مزاج'' ہے اور ''شمعون'' کا

نام ''کیفا'' رکھا یعنی ''پطرس'' رکھا جس کا مطلب چٹان ہے، شمعون عبرانی نام ہے۔ [۹۱]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دنیا سے اٹھائے جانے [۹۲] کے ایک عرصہ گزر جانے کے بعد ان حواریوں، مکتوب نگاروں اور پیروکاروں کو یہودیوں سے الگ امت قرار دے دیا گیا اور انھیں عیسائی کہا جانے لگا تو پھر انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی اور ان کی تعلیمات سے متعلق کتابیں لکھنا شروع کیں جو قارئین تک زبانی روایات کے ذریعے پہنچتی ہیں چوں کہ حواریوں کی تعداد زیادہ تھی۔ لہٰذا ہر ایک نے اپنی الگ الگ کتاب تصنیف کی اور اسے ''انجیل'' کا نام دے دیا، ان تمام قدیم کتابوں میں مکتوبات کی کیا حقیقت ہے؟ یہ جاننے کے لیے تلاش و تحقیق کا یہ کام ایک الگ موضوع کا متقاضی ہے۔ [۹۳] ان تمام کتابوں میں کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جو سن ستّر عیسوی سے پہلے لکھی گئی ہو [۹۴] ان کے علاوہ ایک بڑی تعداد ایسے مکاتیب کی ہے، جو حواریوں کے ساتھ منسوب ہیں۔ یہ تعداد میں ۱۱۳ تھے پہلے عیسائیوں کے نزدیک بنیادی طور پر اناجیل مرقس، متی، لوقا اور یوحنا اور پہلے تیرہ مکاتیب مروج تھے۔ بعد میں آٹھ مکاتیب کا اضافہ کیا گیا۔ اس طرح ان مکاتیب کی تعداد اب اکیس ہے چوں کہ ان کے علاوہ باقی مکاتیب کو ۳۲۵ء میں منعقد ہونے والی عیسائی پیشواؤں کی مجلس نیقیہ نے متروک قرار دے کر ان میں اعمال رسول اور یوحنا کے مکاشفات شامل کر کے اس کا نام ''عہد جدید'' رکھا دیا تھا [۹۵]۔ یہ تمام کتابیں اور ان میں شامل خطوط حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس دنیا سے اٹھائے جانے کے بعد تحریر کیے گئے ہیں، ان کتابوں سے متعلق ایف ایس خیر اللہ لکھتے ہیں کہ: ''کتاب مقدس سے مُراد عہد نامہ عتیق [۹۶] اور عہد نامہ جدید [۹۷] کی وہ مسلمہ کتابیں ہیں جن کے مستند ہونے میں کلیسیا کو کبھی شک نہ ہوا... عہد عتیق کی ۳۹ کتابوں [۹۸] اور عہد جدید کی ۲۷ کتابوں [۹۹] کی فہرست دی گئی ہے جو خدا کے الہام سے لکھی گئیں اور ہمارے ایمان اور زندگی کے کے لیے بطور ضامن ہیں۔'' [۱۰۰]

تاہم مسیحت کے ابتداء میں عبرانی (بائبل) یا (یونانی ہفتاوی ترجمہ) (۲۸۰ ق م) بطور الہامی کتاب عیسائیوں کو ورثے میں ملی تھی، وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ جلد ہی انھوں نے اپنی نئی انجیلی اور رسولی تحریرات (حواریوں کے خطوط) کو شریعت اور انبیاء کے ساتھ ملا دیا اور پھر اُسے بہ غرض تبلیغ انجیل کے تحفظ اور مسیحی عبادت میں استعمال کرنے لگے، [۱۰۱] تاریخ بتاتی ہے کہ ''پولُس رسول کے خطوط'' ''انجیل مقدس'' نیا عہد نامہ کی ابتدائی کتابوں میں شمار ہوتے تھے چوں کہ یہ ۴۸ء سے ۶۰ء کے دوران لکھے گئے تھے [۱۰۲] اور منتشر حالت میں تھے بعض جگہ لکھا ہے کہ دوسری صدی کے شروع میں غالباً ایک سو بیس عیسوی میں اناجیل اربعہ کو یک جا کیا گیا تھا چوں کہ پولُس رسول کے خطوط کو بھی شروع شروع میں اُن حلقوں، کلیساؤں یا افراد نے محفوظ رکھا تھا جنھیں یہ خطوط تحریر کیے گئے تھے لیکن چند شواہد کی بنیاد پر یہ کہا جاتا ہے کہ پہلی صدی کے اخیر میں اُن خطوط کو کتابی صورت میں جمع کر لیا گیا تھا اور یہ خطوط اُس دور کی کلیساؤں میں پڑھے جاتے تھے، ابتداء میں یہ دس جمع کیے گئے اور اس کے بعد تین خط جنھیں آج ''پاسبانی خطوط'' کہا جاتا ہے [۱۰۳] اس میں شامل کر لیے گئے اور اِسی دور میں نیا عہد نامہ کی باقی ماندہ کتابیں لکھی گئیں، اِس اعتبار سے ان خطوط کو زمانی تقدم حاصل ہے۔

محققین اور مورخین نے لکھا ہے کہ پرانا عہد نامہ ایک ہزار برس اور نیا عہد نامہ سو سال کے اندر اندر معرض وجود میں آیا ہے [۱۰۴] نیا عہد نامہ کی ان ابتدائی کتابوں یا ''خطوط'' کو تحریر کیے جانے کے فوراً بعد یکجا نہیں کیا گیا تھا بلکہ عیسائیت کے آغاز میں جن حلقوں،

علاقوں، (کلیساؤں) کے لیے یہ کتابیں یا مکتوبات لکھے گئے تھے اُن ہی کے پاس مقامی طور پر دستیاب تھے۔ چوں کہ اُس وقت یونانی زبان کے مختلف لہجے (Donomination) تھے۔ اس ضرورت کے تحت متعدد لوگوں نے ذاتی حیثیت یا گروہوں کی صورت میں تراجم کیے [۱۰۵] اِس سلسلے میں یوسطین دوسری صدی کے وسط میں بیان کرتا ہے کہ:

> ''مسیحی اپنی اتوار کی عبادتوں میں، رسولوں کے مقالات، مکتوبات یا انبیاء کی تحریرات کو پڑھا کرتے تھے پس یہ فطری بات تھی کہ جب مسیحت کی ترویج ہوئی تو یونانی نہ بولنے والے نئے نئے عیسائیوں کے فائدے کے لیے اس کا ترجمہ اُن کی زبان میں کیا جاتا۔ دوسری صدی کے اختتام تک نئے عہد نامہ کے لاطینی زبان میں ترجمے ہو چکے تھے اور تیسری صدی میں اس کا قبطی زبان میں ترجمہ ہوا۔'' [۱۰۶]

متعدد زبانوں میں مختلف دور کے مترجم نے ان خطوط کے تراجم کیے جو آج بھی مقبول و معروف ہیں، مگر طول کلام سے بچتے ہوئے مختصراً چند اہم یونانی، لاطینی، انگریزی اور اُردو تراجم کا ذکر کیا جاتا ہے چوں کہ حواریوں کے خطوط پر تراجم کی تلاش و تحقیق بہ ذات خود ایک الگ تحقیقی موضوع کی حیثیت رکھتا ہے، چوں کہ اناجیل اربعہ کی ترتیب و طباعت سے پہلے یہ خطوط مسیحی ادب میں عقیدت سے پڑھے جاتے رہے ہیں لہٰذا ان خطوط کا مذکورہ بالا کتابوں اور تراجم میں موجود ہونا لازم ہے۔

چوتھی صدی عیسوی کے اخیر زمانے میں پرانا عہد نامہ ''بائبل'' کا آرامی، عبرانی اور یونانی زبان سے وُلگاتا (Vouglate) نامی بائبل کا جیروم (Jerome) (۳۴۷۔۴۲۰ء) نے کچھ لاطینی زبان میں ترجمہ کیا۔ اس کے بعد لاطینی سے سب سے پہلے بائبل کے کچھ حصے انگریزی میں ویکلف (Wycliffe) نے ترجمے کیے، اس کے بعد شاہ جیمس اوّل نے بشپ لانسلوٹ اینڈ ریوز (۱۵۵۵ء۔۱۶۶۶ء) کی ماتحتی میں (۴۷) سینتالیس عالموں کی ایک انجمن کے تحت ۱۶۱۱ء میں بائبل اور اس میں شامل خطوط کا وہ انگریزی ترجمہ پیش کیا جو سب میں مقبول ہوا اور آج بھی سب فرقوں کے عیسائی اسے عقیدت سے استعمال کرتے ہیں، وقتاً فوقتاً اور بہت سے لوگوں نے ترجمے کیے۔

ولیم ٹنڈل نے جب ''نیا عہد نامہ'' انگریزی میں ترجمہ کیا تو تھامس مور (Thams More) پاپائیت کے دفاع کے لیے اس کے ساتھ ادبی محاربے پر اتر آیا، [۱۰۷] ادبی لحاظ سے اس کا مثبت نتیجہ قدیم کُتب کا انگریزی تراجم کی صورت میں سامنے آیا چنانچہ وہ تمام سوالات جو فرد کے ذہن کو برانگیختہ کرتے تھے اور اطالوی زبان سے لاعلمی کی وجہ سے حل نہیں ہو پاتے تھے۔ اب انگریزی میں سامنے آ گئے اور لوگوں کو ان پر غور و فکر کرنا آسان ہو گیا چناں چہ عوام کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے منظوم رقعہ جاتی ادب کے ساتھ ساتھ نثر میں بھی خط نگاری اور خطوط کے تراجم کو بتدریج فروغ حاصل ہوا اور آج انجیل (اردو ترجمہ) میں مسیحی علماء کے مطابق اکیس الہامی خطوط ملتے ہیں۔ ان خطوط سے متعلق سلیم صادق لکھتے ہیں کہ: ''بائبل مقدس میں الہامی خطوط کی تعداد اکیس ہے ان میں چودہ مقدس پَولُس رسول نے ایک مقدس یعقوب نے دو مقدس پطرس، تین مقدس یوحنا اور ایک مقدس یہودہ نے لکھا ہے تمام خطوط یونانی زبان میں لکھے گئے تھے۔'' [۱۰۸] ان خطوط کو انجیل مقدس میں تواریخی ترتیب کے مطابق جمع نہیں کیا گیا ہے بلکہ خط کی طوالت کو پیشِ نظر رکھتے

ہوئے پہلے جگہ دی گئی ہے جسے ''نیا عہد نامہ'' میں دیکھا جا سکتا ہے، اس ترتیب میں ''گلتیوں'' کے نام سے صرف ایک خط ایسا ہے جو ''افسیّوں کے نام خط'' سے قدرے چھوٹا ہونے کے باوجود پہلے آیا ہے۔

انجیل میں شامل پولس رسول کے تمام خطوط کے اردو تراجم طوالت کے پیشِ نظر یہاں پیش کرنا نہ ممکن ہے تاہم سوادِ ذات کی خاطر ان خطوط سے چند اقتباس پیش کیے جاتے ہیں جس کے مطالعے سے اُس دور کے مذہبی مسائل اور سماجی برائیوں کا ادراک ہوتا ہے۔

پولس نے پہلا خط حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دنیا سے اٹھائے جانے کے اٹھاون سال بعد کرنتھ کے مقام سے روما کی کلیسا[۱۰۹] کو لکھا تھا۔[۱۱۰] ایک روایت کے مطابق روم کی بنیاد ۷۵۳ قبل مسیح میں رکھی گئی تھی۔[۱۱۱] اور یہ شہر علم و ادب آرٹ اور فنِ تعمیر کی لاتعداد شاہ کار عمارتوں سے سجا ہوا تھا۔ اس شہر سے متعلق قرآن میں سورۃ روم نازل ہوئی، جس میں مغلوب سلطنت روم کی غالب آنے کی پیشن گوئی کی گئی تھی اور پھر دنیا نے دیکھا کہ روم آزاد بھی ہوا[۱۱۲] جس دور میں یہ خطوط لکھے گئے تھے وہ شہنشاہ ہیرودیس، قیصر روم نیرو، معروف شاعر لوکن، ادیب کولمعلا اور مشہور رومی فلسفی سنسا کا دور تھا گویا یہ ایک ایسا دور تھا جب روم کی قدیم تاریخ رقم کی جا رہی تھی۔

رومیوں کے نام پولس رسول کا خط پولس لکھتا ہے کہ:

> ''پولس کی طرف سے یسوع مسیح کا بندہ ہے اور رسول ہونے کے لیے بلایا گیا اور خدا کی اُس خوش خبری کے لیے مخصوص کیا گیا...O وہ اپنے آپ کو دانا جتا کر بے وقوف بن گئے O غیر فانی خدا کے جلال کو فانی انسان اور پرندوں اور چوپایوں کو کیڑے مکوڑوں کی صورت میں بدل ڈالا O اس واسطے خدا نے اُن کے دلوں کی خواہشوں کے مطابق انھیں ناپاکی میں چھوڑ دیا کہ اُن کے بدن O آپس میں بے حرمت کیے جائیں...O اسی سبب سے خدا نے اُن کو گندی شہوتوں میں چھوڑ دیا۔ یہاں تک کہ اُن کی عورتوں نے اپنے طبعی کام کو خلاف طبع کام سے بدل ڈالا...O اسی طرح مرد بھی عورتوں سے طبعی کام چھوڑ کر آپس کی شہوت سے مست ہو گئے یعنی مردوں نے مردوں کے ساتھ روسیاہی کے کام کر کے اپنے آپ میں اپنی گمراہی کے لائق بدلہ پایا۔O''[۱۱۳]

☆

ختنہ اس دور میں یہودیوں اور عیسائیوں کے درمیان شرعی مسئلہ رہا ہے اس حوالے سے مکتوب نگار ایک جگہ اسی خط میں لکھتا ہے کہ:

> ''...پس یہودی کو کیا فوقیت ہے اور ختنہ سے کیا فائدہ؟ کیوں کہ ایک ہی خدا ہے مختونوں کو بھی ایمان سے اور نامختنوں کو بھی ایمان ہی کے وسیلہ سے راست باز ٹھہرائے گا...O پس کیا یہ مبارک بادی مختونوں ہی کے لیے ہے نامختونوں کے لیے بھی؟ کیوں کہ ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ ابرہام کے لیے اُس کا ایمان راست بازی گنا گیا۔ پس کس حالت میں گنا گیا؟ مختونی میں یا نامختونی میں؟ مختونی میں نہیں بلکہ نامختونی میں O۔ اور اُس نے ختنہ کا نشان پایا کہ اُس ایمان کی راست بازی پر مہر ہو جائے جو اُسے نامختونی کی حالت میں حاصل تھا تا کہ وہ اُن سب کا باپ ٹھہرے جو باوجود نامختون ہونے کے ایمان لاتے ہیں۔''[۱۱۴]

گلتیوں کے نام پولس رسول کا خط:

مسیحت اختیار کرنے کے لیے اُس دور میں بپتسمہ لینا ضروری تھا اور شریعت موسوی میں بھی یہ رسم رائج تھی اور حضرت یحییٰ علیہ السلام مجوسیوں اور یہودیوں کو بپتسمہ دیا کرتے تھے۔ بپتسمہ سے متعلق گلتیوں کے نام خط میں پولس لکھتا ہے کہ:

> ’’... اور تم سب جتنوں نے مسیح میں شامل ہونے کا بپتسمہ لیا مسیح کو پہن لیا۔ نہ کوئی یہودی رہا نہ کوئی یونانی۔ نہ کوئی غلام نہ آزاد۔ نہ کوئی مرد نہ عورت کیوں کہ تم سب مسیح یسوع میں ایک ہو۔‘‘ [۱۵]

تھیسالینکیوں کے نام پولس رسول کا خط:

تھیسالینکیوں کے نام خط میں مکتوب نگار حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دنیا سے اٹھائے جانے کے بعد یہودیوں کے ظلم وستم سے متعلق بڑی بے باکی سے لکھتا ہے کہ:

> ’’... اے بھائیو! خدا کی اُن کلیسیاؤں کی مانند بن گئے جو یہودیوں میں مسیح یسوع میں ہیں کیوں کہ تم نے بھی اپنی قوم والوں سے وہی تکلیفیں اٹھائیں جو انھوں نے یہودیوں سے O جنھوں نے خداوند یسوع کو اور نبیوں کو مار ڈالا اور ہم کو ستا ستا کر نکال دیا۔‘‘ [۱۶]

تیمیتھیس کے نام پولس رسول کا دوسرا خط:

تیمیتھیس کے نام دوسرے خط میں پولس اخلاقی اور روحانی ذمہ داریوں کی تاکید کرتا ہے۔ یہ خط اُس وقت لکھا گیا جب مکتوب نگار رومی قیصر نیرو کی قید میں موت کا انتظار کر رہا تھا وہ اُس دور کے مردوں میں پائی جانے والی برائیوں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور کا ایک تاریخی واقعہ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

> ’’...... وہ لوگ ہیں جو گھر میں دبے پاؤں گھس آتے ہیں اور اُن چھچوری عورتوں کو قابو میں کر لیتے ہیں جو گناہوں میں دبی ہوئی اور طرح طرح کی خواہشوں کے بس میں ہیں O اور ہمیشہ تعلیم پاتی رہتی ہیں مگر حق کی پہچان تک کبھی نہیں پہنچتیں O اور جس طرح کہ ینیس اور یمریس نے موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کی تھی اُسی طرح یہ لوگ مخالفت کرتے ہیں۔‘‘ [۱۷]

کرنتھ میں صنعتی ترقی کے ساتھ ساتھ خوشحالی اور فارغ البالی نے کرنتھیوں کو شہوت اور جنس پرستی [۱۸] ایسے قبیح فعل کی طرف مائل کر دیا تھا یہی اسباب تھے جو کہ کرنتھ کے لوگوں سے مکتوب نگار کی مراسلت کا سبب بنے۔ شہوت و جنس پرستی ایسے موضوع پر پولس کا یہ خط ایک فکر انگیز تحریر ہے۔ اس خط سے متعلق مقصود نذیر لکھتے ہیں کہ ’’قرنت کے پس منظر میں دولت، عیش وعشرت، نشہ بازی اور ہر قسم کی غیر اخلاقی باتوں کا ثبوت ہمیں خط سے ملتا ہے۔‘‘ [۱۹]

پولس کے علاوہ یعقوب، پطرس، یوحنا اور یہوداہ کے خطوط بھی انجیل مقدس کا حصہ ہیں اور مذکورہ موضوعات کے علاوہ جن موضوعات پر مکتوب نگاروں نے بات کی ہے اُن میں خدا کی تمجید، ، بدی، حسد، بدخواہی، بغض، مکاری، شکر گزاری، ایذا رسانی، خوں ریزی، شہوت، جنس پرستی، ایمان، حرام کاری، شراب نوشی، چوری، واقعہ مصلوب، زنا، مرد عورت، قید و بند کی صعوبت، حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر

ایمان لانا، ماں باپ، نوکر چاکر کے حقوق، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ثانی، ازدواجی زندگی، بیوی، شوہر، بیوہ، قربانی، جادوگری، عداوتیں، تفرقے، بدعتیں، ناچ رنگ، ہابیل، قابیل، طوفان نوح، موسیٰ علیہ السلام کے احکامات، نیک اعمال، ایمان واعمال، حلم وحکمت، اطاعت خدا، بدگوئی کی ممانعت، صبر تحمل، ریاکاری، فطری خوشی، نوجوانوں کی تعلیم وتربیت وغیرہ شامل ہیں۔

حواریوں کے یہ خطوط تاریخی اہمیت کے حامل ہیں چوں کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہم شکل کو مصلوب کیے جانے کے بعد پیدا ہونے والی مذہبی تحریک کا نتیجہ ہیں جس میں یہودی، عیسائی، مذہبی تصادم، مختلف کلیساؤں میں پائی جانے والی برائیوں، ذونواس، ہیرودیس اور نیرو کے ظلم وجبر کی بازگشت سنائی دیتی ہے، یہ خطوط اُس دور کی معاشرتی وسماجی برائیوں کو ختم کرنے سے متعلق مختلف ممالک مثلاً روم، کرنتھ، گلتیہ، افسّس، ، فلپی، تھسولونیکے اور عبر کی کلیساؤں کے نام ''اصلاح نامے'' ہیں جس میں جابہ جا گناہوں سے اجتناب کرنے کی تاکید کی گئی ہے، علاوہ ازیں کچھ خطوط پولس رسول کے ذاتی نوعیت کے ہیں۔ مثلاً تیمیتھیس، ططس اور فلیمون کے نام جنھیں ''پاسبانی خطوط'' بھی کہا جاتا ہے یہ خطوط پولس کے دوست اور شاگردوں کے لیے ہدایات نامے ہیں، پطرس رسول، یوحنا رسول اور یہوداہ کے خطوط ''خطوطِ عامہ'' کہلاتے ہیں جس کے مخاطبین عام لوگ ہیں۔ ان خطوط کی اہمیت سے متعلق مولانا سیّد سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ: ''عیسائیوں میں مقدس حواریوں کے خطوط کی خاص اہمیت اور وہ مجموعۂ انجیل کے ضروری جُز خیال کیے جاتے ہیں اور قبول کے ہاتھوں سے لیے اور ادب کی آنکھوں سے پڑھے جاتے ہیں۔''[۱۲۰] ڈاکٹر محمد احسن فاروقی ''انجیل'' یا ان خطوط کی زباں وبیان اور تراجم کی خصوصیات اور انگریزی ادب پر اس کے اثرات سے متعلق لکھتے ہیں کہ:

> ''انجیل کی عبرانی زبان کی کچھ اہم خصوصیات تھیں جنھوں نے اس ترجمے کو اعلیٰ بنانے میں مدد کی۔ اس میں ایک آفاقیت تھی جس کی بناء پر معمولی سے معمولی آدمی اور بڑے سے بڑا عالم اس سے اپنی طرح پر سمجھ کر لطف اندوز ہوسکتا تھا، دوسرے اس میں ایک رنگ تھا جس کی بناء پر ہر چیز کی، جو اس میں بیان ہوئی ہے، تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے، تیسرے اس میں ایک سادگی ہے جس کی بناء پر ترجمے کرنے والوں کو محض الفاظ ڈھونڈ کر رکھ دینے کے سوا کچھ نہ کرنا پڑا... اس نثر کا انگریزی ادب پر بہت گہرا اثر پڑا۔''[۱۲۱]

لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ ایسوبیس (۲۶۳ء۔۳۳۹ء)، سینٹ جیروم (۳۴۷ء۔۴۲۰)، ایس ٹی آگسٹن (۳۵۴ء۔۴۲۰ء)، سرہنری سڈنی (م ۱۵۸۶ء)، ڈاکٹر سیموئیل جانس (۱۷۰۹ء۔۱۷۸۴ء)، لارڈ چیسٹر فیلڈ (۱۶۹۴ء۔۱۷۷۳ء)، ولیم کوپر (۱۷۳۱ء۔۱۸۰۰ء)، چارس لیمپ، کیٹس (۱۷۹۵ء ۔ ۱۸۲۱ء)، شیلی ، بائرن (م ۱۸۲۴ء)، براؤننگ اور جارج برنارڈ شاہ (م ۱۹۵۰ء)، لارڈ اسٹرے فورڈ (م ۱۸۸۰ء)، جیمس ہوول (۱۵۹۴ء۔۱۶۶۶ء)، ایڈیسن (۱۶۷۲ء۔۱۷۱۹ء)، سوئفٹ (۱۶۶۷۔۱۷۴۵ء)، لیڈی میری وارٹلے مانٹیگ (۲۲ مئی ۱۶۸۹ء۔۲۱ اگست ۱۷۶۲ء)، وال پول (۱۷۱۷ء۔۱۷۹۷ء) اور گرے (۱۷۱۶ء ۱۷۷۱ء)، ایسے مکتوب نگار انگریزی مکتوباتی ادب میں خط نگاری کی اس قدیم اور مستحکم روایت کے پیش رو نظر آتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اٹھائے جانے کے تقریباً پونے چھ سو سال کے بعد پیغمبر اسلام کی بعثت اور ظہور اسلام کے نتیجے

میں فن خط نگاری نے بے مثال ترقی کی، خلفائے راشدین کے دور حکومت میں مراسلت اور مکاتیب کے لیے باقاعدہ اداروں کا قیام عمل میں آیا، کاتبوں کے سرکاری سطح پر مشاہرے مقرر ہوئے، خط نویسی نے ایک معزز پیشہ کی قدر و منزلت حاصل کر لی، اسلامی سلطنت میں کاتب کا ایک بڑا عہدہ مقرر ہوا جسے اُس دور میں خاص مقام و مرتبہ حاصل تھا۔ اس سلسلے میں علامہ سّید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ: ’’جہاں تک میرا علم ہے خطوط کی نگاہ داشت اور یادداشت کو جو کثرت اور وسعت مسلمانوں کے دور میں ہوئی وہ اس سے پہلے کبھی نہ ہوئی تھی‘‘۔[۱۲۲] ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی اس ضمن میں لکھتے ہیں کہ: ’’آفتاب اسلام کے طلوع ہونے کے بعد اس فن نے ایسی ترقی کی کہ تاریخ اِس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔‘‘[۱۲۳]

اسلام کے ابتدائی دور میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے قرآن کی کتابت اور دعوتِ اسلام کے لیے بہ ذریعہ خط تحریری تبلیغ کی ضرورت کو محسوس کیا اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بہ حیثیت کاتب اس کام کے لیے مقرر فرمایا۔ جو لوگ کتابت قرآن پر معمور تھے ان کا بڑا مرتبہ تھا اور وہ کاتب الوحی کہلاتے تھے اور جب ان خطوط اور فرامین کے ارسال کرنے کا وقت آیا تو ایک دن شروع محرم ۷ ہجری کی صبح کے اعمال سے فارغ ہو کر ارشاد فرمایا کہ:

> ’’وقت آ پہنچا ہے کہ تم کو تبلیغ اسلام کے لیے مختلف ممالک بھیجوں دیکھو تمہارا وجود اور تمہاری ہستی امر بالمعروف کے لیے وقف ہونی چاہئے۔ اللہ کی جنت اس شخص پر حرام ہے جو دنیا والوں کے معاملات میں شریک رہتا ہے اور ان کو ان امورِ خیر کی نصیحت نہیں کرتا۔ جاؤ اللہ کے بھروسہ پر دنیا کے بادشاہوں کو اسلام کا یہ پیغام سنا دو۔‘‘ [۱۲۴]

یہ پہلا موقع تھا جب پیغمبر اسلام نے دین اسلام کی تبلیغ و ترویج کے لیے نہ صرف سفارت کاری کا آغاز خط نگاری سے کیا بلکہ سفارت کاروں کا بھی تعیّن کر دیا او ر آپ ﷺ نے ابتدائی ایام ماہ محرم سن ۷ ہجری سے وصال فرمانے تک معروف محقّق ڈاکٹر حمید اللہ (پیرس) کے مطابق تقریباً دو سو سے ڈھائی سو خطوط مختلف ممالک کے سلاطین، ہمسایہ حکمرانوں، سرداروں، شیوخ، علاقائی افسروں اور مختلف مذاہب کے پیشواؤں کے نام تحریر کیے پیغمبر اسلام کے خطوط اور فرامین تحریر کرنے کا مقصد دین اسلام کی تبلیغ، اسلام سے وفائے عہد کی ترغیب دینا، شرک و بدعت سے اجتناب اور مشرکین سے مسلمانوں کی لاتعلقی اختیار کرانا تھا۔ ان میں سے یہاں صرف چند نامہ مبارک تبرکاً پیش خدمت ہیں،

نامہ مبارک حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ بنام اصحمہ نجاشی حبشہ

> ’’یہ خط ہے اللہ کے رسول محمد ﷺ کی جانب سے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے نام۔ تجھ پر سلامتی ہو میں تجھ کو اس اللہ کی حمد سناتا ہوں جو معبودیت میں یکتا ہے، کل جہاں کا مالک ہے، برگزیدہ ہے، سلام ہے، جاء پناہ ہے، نگہبان ہے اور اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام) اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں جس کو اس نے مریم بتول طیبہ کے پاک دامن میں القاء کیا کہ وہ اللہ کے نبی عیسیٰ کی والدہ بنیں پس اللہ نے ہی ان کو اپنی روح سے پیدا کیا اور اس کو (سیدہ) مریم میں پھونک دیا جیسا کہ اس نے (سیدنا) آدم علیہ السلام کو اپنے ید قدرت سے بنایا۔ اب میں تجھ کو اللہ وحدہ لاشریک لہ اور اس کی اطاعت، مودت و محبت کی دعوت دیتا ہوں اور یہ کہ تو میری پیروی

> کرے اور جو اللہ کا پیغام میں لے کر آیا ہوں اس پر ایمان لائے۔ میں تجھ کو اور تیرے لشکر کو اللہ عزوجل کی طرف بلاتا ہوں پس میں نے تبلیغ اور نصیحت کر دی تجھ کو چاہئے کہ اس کو قبول کر لے اور سلام اس پر جو ہدایت کا پیرو ہو۔'' [۱۲۵]

اصحمہ نامہ مبارک کو سنتا جاتا ہے اور متاثر ہوتا جاتا ہے۔ جونہی مضمون ختم ہوا، فرط شوق میں نامہ مبارک کو بوسہ دے کر سر پر رکھ لیا اور سیدنا جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دربار میں بلا کر اسلام کے متعلق گفتگو کے بعد ان کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کی اور نامہ مبارک کے جواب میں حسب ذیل معروضہ لکھا۔

مکتوب اصحمہ نجاشی حبشہ بہ نام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ

> ''اصحمہ نجاشی کی جانب سے محمد رسول اللہ ﷺ کے نام، سلامتی ہو آپ پر اور اللہ کی رحمت اے اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے نبی وہ اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی ہے جس نے پھر اسلام کا راستہ دکھایا اور میری رہنمائی کی۔ امابعد! اے اللہ کے نبی آپ کے مکتوب گرامی کی زیارت کا مجھ کو شرف حاصل ہوا۔ آپ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا میں رب السماء والارض کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اس سے زیادہ کچھ نہیں ہیں، ہم نے ان تمام باتوں کو اچھی طرح سمجھ لیا جو آپ نے ہم تک پہنچائیں، آپ کے چچا کے بیٹے اور ان کے رفقاء ہمارے مقرب ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں میں آپ کے سلسلہ بیعت میں داخل ہو گیا اور آپ کے چچیرے بھائی کے ہاتھ پر اللہ رب العالمین کے لیے بیعت کر لی اور مسلمان ہو گیا اور یا نبی اللہ میں آپ کی خدمت میں اپنے بیٹے کو بھیجتا ہوں اگر آپ کا حکم ہو گا تو میں خود بھی حاضر ہو جاؤں گا۔
> السلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔'' [۱۲۶]

نامہ مبارک بہ نام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ بنام ہرقل قیصر روم

> ''شروع اللہ کے نام سے جو رحمٰن ورحیم ہے۔ یہ خط محمد ﷺ کی جانب سے ہے جو کہ اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہے، ہرقل شاہ روم کے نام۔ سلامتی اس پر جو ہدایت کا پیرو ہے۔ بعد حمد صلواۃ، میں تجھ کو اسلام کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ اسلام قبول کر لے تمام آفات سے محفوظ رہے گا اور اللہ تعالیٰ تجھ کو دوہرا اجر عطا فرمائے گا اور اگر تو نے انکار کیا تو تمام رعایا کا وبال تیری ہی گردن پر رہے گا۔ اے اہل کتاب آؤ اس کلمہ کی طرف جو تمہارے اور ہمارے درمیان برابر ہے یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ ہی کسی کو اس کا شریک ٹھہرائیں اور نہ ہم ایک دوسرے کو اللہ کے سوا اپنا رب بنائیں اور اگر تم کو اس سے انکار ہے تو تم گواہ رہنا کہ ہم مسلمان ہیں۔'' [۱۲۷]

شہنشاہ ایران کے نام یہ نامۂ مبارک ۶۲۹ء مطابق ۷ ہجری کو لکھا گیا تھا اور اسے عبداللہ بن خزافہ رضی اللہ عنہ لے کر گئے تھے، خط کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے کہ:

نامہ مبارک حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ بہ نام خسرو پرویز کسریٰ فارس

> خدائے رحمٰن ورحیم کے نام سے، محمد ﷺ پیغمبر کی طرف سے کسریٰ (رئیس فارس) کے نام، سلام ہے، اُس شخص پر

> جو ہدایت کا پیرو ہو اور خدا اور پیغمبر پر ایمان لائے اور یہ کہ وہ گواہی دے کہ خدا صرف ایک خدا ہے اور یہ کہ خدا نے مجھ کو تمام دنیا کا پیغمبر مقرر کر کے بھیجا ہے تا کہ وہ ہر زندہ شخص کو خدا کا خوف دلائے ، تو اسلام قبول کر، تو سلامت رہے گا ورنہ مجوسیوں کا وبال تیری گردن پر ہو گا۔'' [۱۲۸]

نامہ مبارک حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ بہ نام عزیز مصر شاہ مقوقس

صاحب ناسخ التواریخ ''جو شیعی شاہی مورخ ہے'' لکھتا ہے... خدیو مصر طلسم پاشا کے بیٹے ''عباس شاہ'' نے قدیمی مصری دفینوں کا پتہ لگایا اور اس میں ہاتھی دانت کی تختیوں کے درمیان ایک کاغذ محفوظ دیکھا تو وہ نامۂ مبارک تھا جو شاہ مقوقس کے نام پیغمبر اسلام نے بھیجا تھا، اس خط کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے کہ:

> ''شروع اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے۔ یہ خط ہے محمد ﷺ کی جانب سے جو اللہ کے بندہ اور اُس کے رسول ہیں، قبطیوں کے بادشاہ کے نام۔ اس پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے، اللہ بزرگ پر بھروسہ کر اور اگر تو ہدایت قبول نہ کرے تو عدل و انصاف کو کم از کم اپنا شعار بنا۔ اہل کتاب اس کلمہ کی طرف بڑھو جو تمام حالات میں ہمارے اور تمھارے درمیان برابر ہے وہ یہ کہ ہم اور تم اللہ کے سوا کسی کی پرستش نہ کریں اور نہ حد سے متجاوز ہوں۔'' [۱۲۹]

عزیز مصر مقوقس نے یہ نامۂ مبارک عاج کی دو تختیوں میں محفوظ کرا کے خزانہ میں بہ حفاظت تمام رکھوا دیا تھا یہی وہ خط تھا جو طلسم پاشا خدیو مصر کے ہاتھ آیا تھا جسے اُس نے سلطان ترکی کے پاس بھیج دیا تھا۔

مولانا سید سلیمان ندوی نے ''سیرت النبی ﷺ'' میں تاریخ طبری (جلد ۳ صفحہ ۱۵۵۹) اور تاریخ ابن ہشام (باب خروج رسول اللہ ﷺ الی الملک) سے حوالے دیتے ہوئے اِس قسم کے چھ نامۂ مبارک کا ذکر کیا ہے جب کہ حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے اپنی کتاب ''سید المرسلین یعنی بلاغ مبین'' میں بتیس خطوط اور پیغامات کا ذکر کیا ہے۔ ان خطوط کی خصوصیت اور اہمیت یہ ہے کہ اِن خطوط میں آپ ﷺ کا طرز تحریر سادہ پُر اثر و دل نشیں اور فصاحت و بلاغت سے پُر ہے آپ کا تمام کلام ایسا ہے جس میں حروف کی تعداد کم اور معانی کی مقدار زیادہ نظر آتی ہے جو صفت آورد سے بالاتر اور تکلف سے منزہ ہے۔ اس میں تفصیل کی جگہ تفصیل اور اجمال کی جگہ اجمال ہے۔ آپ ﷺ کی تحریر بازاری عامیانہ الفاظ سے پاک صاف، سرمایۂ حکمت سے لبریز غلطیوں اور خامیوں سے محفوظ ہے جسے غیبی تائید و توفیق حاصل رہی، غرض یہ کہ لوگوں نے آپ ﷺ کے کلام سے زیادہ مفید، سچا، مناسب و موزوں، خوش اسلوب و خوش معانی، پُر اثر، آسان و زود فہم اور اپنے مقصد اور مطالب کو کھول کر بہ فصاحت بیان کرنے والا ایسا کوئی کلام نہیں پایا۔ قرآن کی اس روحانی بلاغت اور الہامی فصاحت کا خط نگاری سمیت عربی زبان و ادب پر جو اثر ہوا وہ نا قابلِ بیان ہے جس کے نتیجے میں پوری دنیا میں عربی زبان کو وسعت اور عظمت حاصل ہوئی۔ مولانا سیّد سلیمان ندوی عربی زبان کی اہمیت، ہمہ گیری اور اثر پذیری سے متعلق لکھتے ہیں کہ:

> ''ایران کی پہلوی زبان، شام کی سریانی، مصر کی قطبی، افریقہ کی بربری اور اندلس کی اسپینی زبانیں دفعتاً پردہ عالم سے گُم تھیں، ایران حکومت عرب سپہ سالاروں کے ماتحت تھے تو معبود اور کلیساؤں کی درس گاہیں عربوں کے ادبیات و علوم کی سرپرستی میں تھیں۔ سندھ کے کناروں سے اٹلانٹک کے ساحل تک ایک زبان تھی جو ساری دنیا پر حکمرانی کر رہی

تھی اور وہ قرآن کی زبان تھی۔''[۱۳۰]

☆

خط نگاری سے متعلق معلومات سکھ مذہب کی کتاب ''گروگرنتھ صاحب'' میں بھی ملتی ہیں۔ اس مذہب کے بانی بابا گورونا نک جی کو مانا جاتا ہے، سکھ برادری انھیں اپنا پہلا گورو مانتی ہے۔ وہ ۱۵۲۶ بکرمی سمبت بہ مطابق ۱۴۶۹ء میں رائے بھوئے کی تلونڈی میں جسے آج کل ننکانہ صاحب کہا جاتا ہے میں پیدا ہوئے۔[۱۳۱] بعض کے نزدیک وہ ننھیال میں پیدا ہوئے۔ اسی نسبت سے آپ کا نام نانک تجویز ہوا۔ جس کا مطلب ہے نانکے (ننھیال) میں پیدا ہونے والا۔ آپ کا انتقال ۹۷-۱۵۹۶ء بکرمی بہ مطابق ۴۰-۱۵۳۹ء عیسوی میں دریائے راوی کے کنارے کرتار پور (پاکستان) میں ہوا، ''گروگرنتھ صاحب'' سکھ مذہب کی گورمکھی زبان میں منظوم کلام پر مشتمل ایک ضخیم کتاب ہے جسے اکیس راگوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اسے گوروارجن جی نے ۱۶۶۱ بکرمی[۱۳۲] بہ مطابق ۱۶۰۴ء میں مرتب کیا تھا[۱۳۳] اور اس کتاب کا موضوع ''توحید باری تعالیٰ'' ہے لیکن بعض بھگتوں اور بھاٹوں کے کلام سے مشرکانہ عقائد و خیالات بھی عیاں ہوئے ہیں۔

''گروگرنتھ صاحب'' کی زبان کو ابوالامان امرت سری اور عباد اللہ گیانی نے اپنی کتابوں[۱۳۴] میں سنت بھاشا اور برج بھاشا بتایا ہے اور لکھا ہے کہ اس میں زیادہ تر ہندی اور پنجابی الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے یا ہندی الفاظ کو پنجابی صورت دی گئی ہے اور اس میں ایسے شبد اور شلوک موجود ہیں جن میں عربی اور فارسی زبان کے الفاظ بھی کثرت سے استعمال ہوئے ہیں۔ سکھ عالموں نے ایسے کلام کو ریختہ زبان تسلیم کیا ہے لہٰذا یہ قیاس یقین کی حد تک درست معلوم ہوتا ہے کہ سنسکرت، سنت بھاشا یا برج بھاشا ایسی قدیم زبانوں میں خط نگاری کی داغ بیل پڑ چکی تھی لہٰذا اسی بنیاد پر جب ہم گروگرنتھ صاحب کا مطالعہ خط نگاری کے نکتہ نظر سے کرتے ہیں تو اس کے کلام میں خط نویسی سے متعلق واضح اشارے ملتے ہیں اور کلام میں متعدد جگہوں پر ایسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جو اُس دور یا اُس سے قبل خط نگاری کی روایت کا احساس دلاتے ہیں، طول کلام سے بچنے کے لیے اس موقع پر اُن تمام الفاظ اور کلام کو یہاں درج نہیں کیا جا رہا ہے۔ تاہم چند الفاظ کو اس صراحت کے ساتھ یہاں پیش کیا جا رہا کہ کون سا لفظ ''گروگرنتھ صاحب'' کے کس صفحے پر مکتوب نویسی سے متعلق استعمال ہوا ہے۔

نمبر شمار	لفظ اُردو	لفظ بہ مطابق گروگرنتھ املا	صفحہ نمبر، گروگرنتھ صاحب اُردو
۱۔	پرچہ	پرچا۔ پرچو	۲۴۲،۲۰۵
۲۔	پروانہ	پروانا	۹۳۲
۳۔	پیغام	پیکام	۱۴۱۱
۴۔	خط	کھت	۸۵۳

۵۔	خطا	کھتا۔ کھتے	۱۴۹، ۲۶، ۳۵۱ و دیگر
۶۔	دفتر	دپھتر، دپھتر	۱۴۹، ۲۶۰، ۱۳۷۵ و دیگر
۷۔	عرض	ارج، اُرج	۳۵۵ـ۷۲۱
۸۔	عرض داشت	ارداس	۴۹
۹۔	فرمان	پھرمان، پھرمانی، پھرنانوَ	۵ـ۱۳۵
۱۰۔	فرمودن	پھرمائے، پھرماوے، پھرماؤ، پھرمائیو، پھرمائے	۳۲۱ـ۳۶۳
۱۱۔	نوع	نامہ	۱۳۷۴ ۱۳۵

''گروگرنتھ صاحب'' میں مذکورہ بالا الفاظ کے استعمال سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ۱۶۰۴ء سے قبل ہی ہندی، فارسی اور عربی آمیز نثر میں خط نگاری کی قدیم روایت قائم ہو چکی تھی جسے ''اردو خط نگاری'' پر زمانی تقدم حاصل ہے۔

حواشی وتعلیقات

۱۔ سید نجیب اشرف ندوی، ''مقدمہ رقعات عالمگیر''، دارالمصنفین مطبع معارف، اعظم گڑھ، س ن، ص ۱۔

سید قاسم محمود، مدیر: ''سائنس انسائیکلوپیڈیا''، سائنس بک فاؤنڈیشن، کراچی، جولائی ۱۹۸۸ء، ص ۲۳۹۔ اور

عظمت حیات ''مکتوب نگاری: تفہیم، تاریخ اور دائرہ کار''، مضمون مشمولہ ''تحقیق'' شمارہ ۱۲۔۱۳، شعبۂ اُردو، سندھ یونیورسٹی، جام شورو، ۱۹۹۸۔۹۹ء، ص ۲۔

۲۔ ڈاکٹر سیّد عبداللہ، ''اُردو خط نگاری''، مضمون مشمولہ، ''نقوش'' [مکاتیب نمبر]، ادارۂ فروغ اُردو، لاہور، نومبر ۱۹۵۶ء، ص ۵۱۔

۳۔ ایس نسیم بانو، ''اُردو مکتوب نگاری ایک جائزہ''، مقالہ برائے پی ایچ ڈی، غیر مطبوعہ، شعبۂ اُردو، کرناٹک یونیورسٹی دھارڑواڑ، انڈیا، ص ۳۷۔

۴۔ ایضاً

۵۔ صحائف: لغوی معنی میں وہ چیز جس پر کچھ لکھا جا سکے، اِسی مناسبت سے ورق کی ایک جانب یعنی صفحہ کو بھی صحیفہ کہا جاتا ہے۔ جدید عربی میں صحیفہ جریدے یا اخبار کے معنوں میں بھی مستعمل ہے، اِس کے علاوہ قرآن کریم، حدیث نبوی ﷺ اور عربی ادب میں یہ لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوا ہے مثلاً نامۂ اعمال، مکتوب، حکم نامہ اور کتب سماویہ قرآن مجید میں یہ لفظ آٹھ مرتبہ جمع (صحف) وارد ہوا ہے لیکن مفرد (صحیفہ) کی شکل میں نہیں آیا۔ قرآن کی سورۃ الاعلیٰ میں ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰؑ کے صحف کا ذکر آیا ہے۔ (شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا)

۶۔ قرآن مجید مسلمانوں کی مقدس کتاب جو رسول مقبول ﷺ پر تیئس سال کے عرصے میں مختلف حصوں کی صورت میں نازل ہوئی۔ اسے ذکر الا کتاب اور فرقان بھی کہا گیا، قرآن کے اجزاء کو سورت اور سورت کے اجزاء کو آیت کہتے ہیں۔ قرآن حکیم حسب موقع ۲۳ سال تک جبرائیل امین کے ذریعے رسول اکرم ﷺ پر نازل ہوتا رہا۔ سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کی زندگی کے چالیسویں سال میں سب سے پہلے سورہ اقراء کی آیتیں غار حرا (مکہ سن انبوی) میں نازل ہوئیں اور آخری آیت (الیوم اکلمت لکم دینکم)۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مل کر اس کو ایک جلد میں یکجا کیا ان کی وفات کے بعد یہ نسخہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے پاس آیا اور پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ نسخہ لے کر اپنے دورِ خلافت میں اس کی سات نقلیں کرا کے مختلف ممالک بھیج دیں۔ قرآن کی ۷ منزلیں ہیں اور یہ حضور اکرم ﷺ نے قائم کی تھیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے تیس (۳۰) جز بنوا دیے جنھیں عربی میں جز اور فارسی میں پارہ کہتے ہیں۔ قرآن میں کل ۱۱۴ سورتیں ہیں۔ مکہ میں (۸۶) سورتیں اور مدینہ میں (۲۸) سورتیں نازل ہوئیں۔ سن ۴۳ ہجری میں حجاج بن یوسف ثقفی نے قرآن پر اعراب لگائے اور ۶۸ ہجری میں نقطے لگائے گئے۔ خلیل احمد بصری نے تشدید، ہمزہ اور مدّ لگائے، قرآن اسلامی عقیدہ اور قانون کا بنیادی ماخذ ہے۔ اس کے مضامین تقریباً تمام شعبہ زندگی کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ قرآن کو کلام اللہ تسلیم کرنا اسلام کے بنیادی عقائد میں شامل ہے۔ مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق قرآن ہر قسم کی تحریف سے محفوظ ہے کیوں کہ اس کی حفاظت کا وعدہ خود خدا نے کیا ہے۔

۷۔ ہندومت سے متعلق بھی ''وید''، ''اُپنشد'' اور ''پران'' (وہی لفظ جسے اُردو میں پرانا کہتے ہیں) ایسی دینی کتابیں پائی جاتی ہیں ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ یہ خدا کی طرف سے الہام شدہ کتابیں ہیں۔ بھاگوات پران کو شری مد بھاگوت ماہا پران بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ہندومت کے اٹھارہ عام پران پر مشتمل ہے جو کہ ابتداء میں سنسکرت زبان میں لکھے گئے تھے اور آج ہندوستان کی ہر زبان میں دستیاب ہیں، اس کتاب کے بارہ اسکندھ اور تین سو تیس ادھیائے (ابواب) ہیں جو تقریباً سولہ سو اٹھارہ اشلوک پر مشتمل ہیں، اسے تقریباً آٹھ سے دس صدی عیسوی میں لکھا گیا اور اس سے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پہلی بار اس کا مسودہ چھ صدی قبل مسیح میں لکھا گیا تھا۔ ''پران'' میں حضرت محمد مصطفی ﷺ کی بعثت سے متعلق اشارہ ملتا ہے۔ اس کو کاشی باسی مکھن لال کھتری پنجابی نے ۱۸۶۷ء میں دیوناگری زبان میں ترجمہ کیا اور منشی سوامی دیال کایستھ سریواستو رئیس لکھنو نے اردو زبان میں لکھ کر (شدہ کیا) صاف کیا اور ایم ڈی مصرا سپرنٹنڈنٹ کے زیرِ اہتمام تیج کمار وارث مطبع منشی نول کشور واقع لکھنو سے ۱۹۶۳ء میں شایع کیا۔

۸۔ ارتھ شاستر: ایک صدی قبل لکھی گئی انڈین تاریخ پر مشتمل ایسی کتاب جس میں ریاست کی مختلف پالیسیوں سے متعلق معلومات ملتی ہیں، مثلاً تجارت، معیشت، فوجی منصوبہ بندی، حکومتی طرز وغیرہ ہم جو پہلی بار سنسکرت زبان میں لکھی گئی، جسے ہندوستان کے مختلف قلم کاروں نے لکھا تھا مگر کوٹلیہ خود کو اس کا مصنف لکھتا ہے۔ مزید معلومات کے لیے دیکھیئے۔ whttps://en.m.wikipedia.org.wkiki>Artha

۹۔ عظمت حیات، ''تحقیق'' شمارہ مشترکہ ۱۲۔۱۳، ص ۲۔

۱۰۔ مولانا شبیر احمد عثمانی، ''تفسیر عثمانی'' جلد دوم، دار الاشاعت، کراچی، ۲۰۰۰ء، ص ۶۹۔

۱۱۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، ''قصص القرآن''، مکتبۂ رحمانیہ، لاہور، ص ۲۷۔

۱۲۔ ایس ایم بانو ''اُردو مکتوب نگاریِ ایک جائزہ''، ص ۴۴۔

۱۳۔ ایضاً

۱۴۔ ایضاً

۱۵۔ سید مظفر حسین برنی، ''مقدمہ کلیاتِ مکاتیبِ اقبال'' جلد اوّل، اردو اکادمی، دہلی، ۱۹۹۹ء، ص ۲۶۔

۱۶۔ منشی سوامی دیال کایستھ سریواستو، مترجم: ''شری مد بھاگوت پران''، مطبع منشی نول کشور پریس، لکھنو وکرم سال ۱۹۳۱ء بہ مطابق ۱۹۶۳ء۔
شمارہ پندرھواں، اسکندھ ۱۰، ادھیائے چھیالیسواں، ص ۵۵۷۔

۱۷۔ ایضاً، ص ۱۰۷۔

۱۸۔ سیّد سلیمان ندوی مؤلف، ''تاریخ ارض القرآن''، جلد اول، نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۰۰ء، ص ۲۴۲۔

۱۹؎ نبیم ، نبی کی جمع بہ قاعدہ عبری ’’ی‘‘ اور ’’م‘‘ کے ساتھ ہے۔ نبیین کہنا چاہئے، نبیم انبیاء اسرائیل کے کلام ومواعظ مراثی کا مجموعہ ہے جن میں بہت سی تاریخی باتیں بھی ضمناً مذکور ہیں۔ خصوصاً سفر یوشع وسفر القضاۃ وسفر سموال وسفر الایام وسفر الملوک (اسفار خمسہ) کہ ان میں صرف تاریخی واقعات ہیں اکثر توریت کا اطلاق توریت اور نبیم دونوں پر ہوتا ہے اور ان میں سے بعض کو کتبیم کہتے ہیں، یہود کے ہاں یہ تمام کتابیں مستند ہیں ، نصاریٰ صرف کتبیم اور نبیم کو تسلیم کرتے ہیں اور ان ہی کے مجموعے کو عہد عتیق کہتے ہیں۔

۲۰؎ ترجوم یا ترگوم یعنی ترجمہ و بیان۔ ترگوم آرامی زبان میں توریت و نبیم کی تفسیر و توضیح کا نام ہے جو ربیوں (ائمہ یہود) نے انبیاء کی زبانی یادداشت و روایات کی بناء پر کی۔ اس کی تصنیف کا زمانہ چھ سو قبل مسیح سے سو عیسوی تک ہے۔ (تاریخ ارض القرآن جلد اول صفحہ ۱۶)۔

۲۱؎ سیّد سلیمان ندوی مؤلف، ’’تاریخ ارض القرآن‘‘، جلد اول، نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۰۰ء، ص ۲۴۸۔

۲۲؎ ایضاً

۲۳؎ ایضاً

۲۴؎ ڈاکٹر شاداب تبسّم، ’’اُردو مکتوب نگاری: سر سیّد اور اُن کے رفقاء کے خصوصی حوالے سے‘‘ مکتبۂ جامعہ لمیٹڈ جامعہ نگر، نئی دہلی، دسمبر ۲۰۱۲ء، ص ۳۸، ۳۹۔

۲۵؎ ’’متّی کی انجیل‘‘، مشمولہ ’’انجیل مقدس‘‘ نیا عہد نامہ، پاکستان بائبل سوسائٹی، لاہور، ص ۳۲۔

۲۶؎ ’’القرآن الکریم‘‘ ترجمہ، مولانا فتح محمد جالندھری، گاباسنز کراچی، س ن، ص ۴۹۱۔

۲۷؎ سیّد سلیمان ندوی مؤلف: ’’تاریخ ارض القرآن‘‘ جلد اول، ص ۲۵۳۔

۲۸؎ شیخ الاسلام محمود الحسن، ’’تفسیر عثمانی‘‘ دار الاشاعت کراچی، ۲۰۰۰ء، ص ۲۴۴۔

۲۹؎ ڈاکٹر نسریم ممتاز بصیر، ’’اُردو خط نگاری ایک مطالعہ‘‘، مطبع شوبی آفیسٹ پریس، کوچۂ جیلان دریا گنج، دہلی ۱۹۹۵ء، ص ۳۲۔

۳۰؎ مزید تفصیل کے لیے دیکھیئے ’’تاجِ سلیمانی‘‘ از حافظ محمد اسحاق دہلوی، ص ۸۹۔ ۹۲۔

۳۱؎ ایس ایم بانو، ’’اُردو مکتوب نگاری ایک جائزہ (۱۸۰۰ء سے ۱۹۵۰)‘‘ ص ۴۶، ۴۷۔

۳۲؎ ذونواس حمیری بادشاہ تھا اس نے حجران کے ہزاروں عیسائیوں کو آگ کے گڑھے میں دھکیل کر مار ڈالا تھا۔

۳۳؎ سید نجیب اشرف ندوی، ’’مقدمہ رقعاتِ عالمگیر‘‘، دار المصنفین مبطع معارف اعظم گڑھ، س ن، ص ۲۔

۳۴؎ خواجہ احمد فاروقی، ’’مکتوب اُردو کا ادبی و تاریخی ارتقاء‘‘، پہلی اشاعت، قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان دہلی، ۲۰۱۳ء، ص ۱۰۔

۳۵؎ مولانا سیّد سلمان ندوی، ’’تاریخ ارض القرآن‘‘، جلد اول، ص ۳۹۔ ۴۰۔

۳۶؎ مولانا سیّد سلیمان ندوی، ’’تاریخ ارض القرآن‘‘، جلد دوئم، ص ۱۱۵۔

۳۷؎ مولانا سید سلیمان ندوی، ’’تاریخ ارض القرآن، جلد اول، ص ۱۴۶۔

۳۸؎ ڈاکٹر انور سدّید، ’’اردو ادب کی تحریکیں‘‘ اشاعت ہشتم، انجمن ترقی اُردو پاکستان، کراچی، ۲۰۱۳، ص ۵۴۔

۳۹؎ ڈاکٹر جمیل جالبی، ’’ارسطو سے ایلیٹ تک‘‘، طبع ششم نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۱۹۹۷ء، ص ۲۷۔

۴۰؎ ڈاکٹر جمیل جالبی، ’’ارسطو سے ایلیٹ تک‘‘، طبع ششم نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۱۹۹۷ء، ص ۱۲۹۔

۴۱؎ افلاطون (Plato) (۴۲۷ ق م۔ ۳۴۷ ق م) قدیم یونان کا عظیم فلسفی اصل نام ارسطوقلیس، ایتھنز کے ایک رئیس گھرانے میں پیدا ہوا، بیس سال کی عمر سے پہلے ڈرامائی حزنیہ نظمیں لکھیں، ۴۰۷ ق م میں سقراط کا شاگرد ہوا، اقلیدس کے ساتھ ریاضی فلسفہ پڑھا۔

۴۲؎ ارسطو(Aristotle) (۳۸۷ق م۔۳۲۲ق م) فلسفی، ریاضی دان، ماہر فلکیات، یونان کی ریاست مقدونیہ کے شہر ستا گیرا میں پیدا ہوا، اٹھارہ سال کی عمر میں افلاطون کی شاگردی اختیار کی اور تقریباً بیس سال تک اس کی اکیڈمی کا رکن رہا، کچھ وقت سکندر اعظم کا اتالیق رہا، چالیسر میں وفات پائی، ارسطو پہلا مفکر تھا جس نے طبیعات، فلسفہ، شاعری، حیاتیات، نفسیات، اخلاقیات اور دیگر علوم پر مستند کتابیں لکھیں۔ اس کے گذر جانے کے بعد فلسفہ یونان پر جمود طاری ہوگیا، (فیروسنز اُردو انسائیکلو پیڈیا ص۷۰)۔

۴۳؎ اپیکیورس(Apecurus) فروری (۳۴۱ق م۔۲۷۰ق م) ایتھنز یونان کا رہنے والا تھا، معروف یونانی فلاسفر تھا۔ مزید معلومات کے لیے
htttps://en.m.wikipedia.org>Epiu

۴۴؎ مورخ پلوٹارک(Plutarch) (۴۶ء۔۱۲۰ء) یونانی سوانح نگار، ریاست بوئیشیا کے ایک قصبے میں پیدا ہوا، ایتھنز میں فلسفے کی تعلیم پائی، اپنی عظیم کتاب(Plutarch,S Lives) تالیف کی، یہ کتاب بیک وقت یونانی اور اطالوی زبان میں شائع ہوئی۔ (فیروسنز اُردو انسائیکلو پیڈیا)۔

۴۵؎ ڈاکٹر خورشید الاسلام، ’’خطوط نگاری‘‘ مضمون، مشمولہ ’’مباحث، روایت اور اہمیت‘‘، مرتب: سیّد جاوید اقبال، قصر الادب، حیدرآباد، ص۲۱۔

۴۶؎ ایضاً

۴۷؎ یرمیاہ ’’کتاب مقدس‘‘ ’’یرمیاہ‘‘، پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور، ۲۰۱۰ء، ص۹۱۶۔

۴۸؎ ’’یرمیاہ‘‘، کتاب کو مندرجہ ذیل حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ (۱) یرمیاہ کی بلاہٹ (۲) یہوداہ کی مملکت اور بادشاہوں کے لیے خدا کے وہ یوآس، یہویقیم، یہویاکین اور صدقیاہ کے ادوار حکومت کے دوران دیئے گئے (۳) یرمیاہ کے سیکریٹری (کاتب) باروک کی یادداشتوں سے مواد جس میں یرمیاہ کی زندگی کے اہم واقعات اور متفرق نبوتیں شامل ہیں (۴) تاریخی ضمیمہ جس میں سقوط یروشلم اور اسیر ہو کر بابل جانے کے حالات ہیں۔

۴۹؎ ’’یرمیا‘‘ کتاب مقدس، ص۹۵۶۔

۵۰؎ ’’یرمیا‘‘ کتاب مقدس، ص۹۵۷۔

۵۱؎ ڈاکٹر شاداب تبسّم، اُردو مکتوب نگاری: سرسیّد اور اُن کے رفقاء کے خصوصی حوالے سے‘‘، ص۳۵۔

۵۲؎ حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے، بنی اسرائیل پر حضرت اسحاق علیہ السلام کے بعد پیغمبر کیے گئے، آپ تین ہزار چار سو تراسی ۳۴۸۳ ہبوط میں پیدا ہوئے، ۔آپ کثیر الاالعیال تھے آپ کے بارہ فرزند پیدا ہوئے اور آپ کی دو بیویاں اُمیہ اور راحیل تھیں۔ اس دور میں دو بہنوں کا ایک ساتھ نکاح میں رہنا جائز تھا۔ قرآن میں ان کے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام اور دوسرے بیٹے بن یامین کا ذکر آیا ہے (مزید معلوم کے لیے دیکھیئے شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا صفحہ ۴۳۸)۔

۵۳؎ حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام عبرانی میں اسرائیل ہے، یہ اسرا (عبد) اور ایل (اللہ) دو لفظوں سے مرکب ہے اور عربی میں اس کا ترجمہ (عبداللہ) کیا جاتا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وہ اسحاق خاندان جو اُن کی نسل سے ہے اسی لیے ’’بنی اسرائیل‘‘ کہلاتا ہے۔ آج بھی یہود و نصاریٰ کے قدیم خاندان اسی نسبت کے ساتھ منسوب ہیں، قرآن میں سورۃ آل عمران کی آیت میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام بھی اسرائیل آیا ہے۔ ترجمہ ’’ہر قسم کا کھانا، بنی اسرائیل کے لیے حلال تھا سوائے اُن چیزوں کے جنھیں اسرائیل نے توریت میں نازل ہونے سے پہلے اپنے اُوپر حرام کر رکھا تھا (جز ۳ سورۃ آل عمران آیت ۹۲)۔

۵۴؎ ایس ایم بانو، ’’اُردو مکتوب نگاری ایک جائزہ‘‘، ص۴۵۔

۵۵؎ حافظ محمد اسحاق دہلوی، ’’داستانِ یوسف علیہ السلام‘‘، دارالاشاعت، کراچی، اپریل ۱۹۸۰، ص۳۱۰۔

۵۶؎ ایس نسیم بانو، ’’اُردو مکتوب نگاری ایک جائزہ ۱۸۰۰ء۔ ۱۹۵۰ء‘‘، ص ۴۴۔

۵۷؎ (۱) آتش نمرود گلزار ہو گئی، سورۃ الانبیاء آیت ۶۸۔ ۸۰ اور سورۃ الصافات آیت ۹۸۔ ۹۹
(۲) سورۃ یوسف (۳) حضرت اسماعیل ذبیح اللہ، سورۃ الاصافات آیت ۱۰۰۔ ۱۱۳۔

۵۸؎ حافظ محمد اسحاق دہلوی، ’’داستانِ یوسف‘‘، ص ۳۱۴۔

۵۹؎ ایضاً

۶۰؎ حافظ محمد اسحاق دہلوی، ’’داستانِ یوسف‘‘، ص ۳۱۵۔

۶۱؎ ایف ایس خیر اللہ، مؤلف، قاموس الکتاب، لغاتِ بائبل‘‘، بار اوّل، مسیحی اشاعت خانہ لاہور، ۱۹۸۴ء، ص ۱۲۳۔

۶۲؎ ایف ایس خیر اللہ، مؤلف، قاموس الکتاب، لغات بائبل‘‘، بار اوّل، مسیحی اشاعت خانہ لاہور، ۱۹۸۴ء، ص ۱۲۱۔

۶۳؎ ایضاً

اور پیپرس (Payprus): ایک سرکنڈہ نما پودا (بُردی، ناگرموتھا) جس سے زمانہ قدیم میں ایک قسم کا کاغذ تیار کیا جاتا تھا پھر ان پر لکھے گئے۔ خطوط، حکم نامے، فرامین اور دستاویز پیپرس کہلانے لگے۔

۶۴؎ طُومار (Scroll) کا مطلب مرغولہ، گول کر کے لکھی ہوئی کوئی تحریر، کاغذ کا پلندہ، لپٹا کاغذ، مرغول، بل دینا، پلندہ، خط، کتاب وغیرہ ہے۔

۶۵؎ wax Myrtle Trees. https://www.fast.growing.trees.com>wa

۶۶؎ wax insect.http://www.britannica.com>Science>c

۶۷؎ Deaf sea scrolls-wikipedia/https://en.wikipedia.org>wiki>Dead
اور دیکھیے یرمیاہ: باب ۳۶، آیات ۲، ۴، ۱۴، ۲۳، ۳۲، حزقی ایل باب ۲، آیت ۹، اور پولس رسول کا دوسرا خط باب ۴، آیت ۱۳۔

۶۸؎ ایف، ایس خیر اللہ مؤلف، ’’قاموس الکتاب، لغاتِ بائبل‘‘، بار اوّل، مسیحی اشاعت خانہ، لاہور، ص ۶۱۶۔

۶۹؎ مزید معلوم وتفصیلات کے لیے دیکھیے ’’کتب خانے‘‘ مشمولہ ’’قاموس الکتاب‘‘، ص ۷۰۷۔

۷۰؎ تخکس: یہ نام طوکِکس بھی یونانی میں بولا جاتا ہے یہ آسیہ شہر کا ایک باشندہ تھا اور دپولس رسول کے ہمراہ یروشلیم جانے والوں میں شامل تھا۔

۷۱؎ تروآس: یہ نام ایک علاقے اور شہر دونوں کے لیے استعمال ہوتا تھا، یہ ایشیاء کوچک کے شمال، مغربی علاقے میں رومی آسیہ کا حصّہ تھا اس شہر کا پورا نام سکندریہ تروآس ہے جو قدیم شہر (TROY) ٹرائے سے تقریباً دس میل کے فاصلے پر ہے۔ قیصر اوگوستس کے زمانے میں یہ اچھی آبادی تھی، یہ مکدونیہ اور آسیّہ کے درمیان ایک بندرگاہ بھی تھی جہاں اکثر بحری جہاز ٹھہرتے تھے۔

۷۲؎ کرپس تر آس کا باشندہ تھا پولس مکتوب نگار غالباً اسی کا مہمان تھا۔

۷۳؎ رق کے طومار کا مطلب ہے ہرن کی کھال کی جھلّی پر لکھے ہوئے مخطوطے اور دیکھیے پوُلس رسول کا دوسرا خط بہ نام تیمیتھیس، مشمولہ، ’’انجیل مقدس‘‘ ص ۵۳۸۔

۷۴؎ کتاب ’’یرمیاہ‘‘ باب ۳۶، ص ۹۶۸، ۹۶۹۔

۷۵؎ مزید معلومات وتفصیلات کے لیے دیکھیے کتاب عزرا، ۶: ۱۱ اور مکابین ۲: ۱۳۔

۷۶؎ ایف ایس خیر اللہ، ’’قاموس الکتاب‘‘، ص ۱۰۸۱ء۔

۷۷؎ ایف ایس خیر اللہ، ’’قاموس الکتاب‘‘ ’’کتب خانے‘‘، ص ۷۰۷۔

۷۸ Codex Acquire of mansuscripts pages held together by stiching the earliest from of book, replacing the scrolls and wax tablets of earlier time

۷۹ ایف ایس خیر اللہ، ''قاموس الکتاب''، ص ۱۲۶۔

www.bibal.researcher.com>codexB

codex vaticanus.https://wikipedia.org>wiki>code

۸۰ ایف ایس خیر اللہ، ''قاموس الکتاب''''، ص ۱۲۶۔

www.codex.sinaticus.org>wiki>code، اور دیکھئے ''انجیل برناباس'' (اردو) مترجم مولانا محمد حلیم انصاری، ادارہ اسلامیہ کراچی۔

۸۱ ایف ایس خیر اللہ، ''قاموس الکتاب''''، ص ۱۲۷۔

۸۲ ایف ایس خیر اللہ، ''قاموس الکتاب''''، ص ۱۲۶۔

wikipedia>wiki>codex.Alexanderinus

https:/en.m.wikipedia.org>wiki>codex

۸۳ ایف ایس خیر اللہ، ''قاموس الکتاب''، ص ۱۲۳۔

۸۴ ایف ایس خیر اللہ، ''قاموس الکتاب''، ص ۱۲۶۔

www.codex.Ephraemi.org>wiki>code

۸۵ www.codex.Ephraemi.org>wiki>code

۸۶ ایف ایس خیر اللہ، ''قاموس الکتاب''، ص ۱۲۶۔

www.codex.Bazae.org>wiki>code

۸۷ حواریوں سے متعلق قرآنی حوالے، سورۃ آل عمران آیت ۵۲۔۵۳، سورۃ المائدہ آیت ۱۱۱۔۱۱۵، سورۃ الصّف ۱۷۔۱۸۔

۸۸ متی کی انجیل، مشمولہ ''انجیل مقدس'' نیا عہد نامہ، پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور، ۲۰۱۶ء، ص ۵۳۔

۸۹ ایضاً، ص ۲۳۔ اور ''مرقس کی انجیل''، مشمولہ ''انجیل مقدس''، ص ۹۰۔

۹۰ بابو یوسف بچن، ''مقدس پطرس رسول'' باراول، مکتبہ عنا دیم، گجراں والا، فروری ۲۰۱۱ء، ص ۲۵۔۲۹

۹۱ بابو یوسف بچن، ''مقدس پطرس رسول'' باراول، مکتبہ عنا دیم، گجراں والا، فروری ۲۰۱۱ء، ص ۲۶۔

۹۲ سورۃ آل عمران آیت ۵۵، سورۃ النساء آیت ۱۵۷۔۱۵۸ اور سید قاسم محمود مدیر: ''اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ص ۱۰۸ تا ۱۱۰۔

اللہ رب العزت نے قرآن میں واضح طور پر سورۃ النساء آیت ۱۵۷ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اِس دنیا سے اٹھائے جانے سے متعلق فرمایا ہے کہ، ترجمہ: ''اور یہ کہنے کے سبب کہ ہم نے مریم علیہ السلام کے بیٹے عیسیٰؑ مسیح کو جو خدا کے پیغمبر (کہلاتے) تھے کو قتل کر دیا ہے (خدا نے ان کو ملعون کر دیا) اور انھوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا اور نہ انھیں سولی پر چڑھایا بلکہ ان کو ان کی سی صورت معلوم ہوئی اور جو لوگ ان کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں وہ اُن کے حال سے شک میں پڑے ہوئے ہیں اور پیروی ظن کے سوا اُن کو اس کا مطلق علم نہیں اور انھوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو یقیناً قتل نہیں کیا۔ آیت ۱۵۷ بلکہ خدا نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا۔ اور خدا غالب اور حکمت والا ہے۔ آیت ۱۵۸۔

۹۳ اس قسم کی کتابوں کی تعداد مورخین نے چونتیس لکھی ہے۔

اس میں ’یہودیہ‘ واحد کتاب ہے جو سریانی زبان میں لکھی گئی تھی باقی دیگر تمام کتابیں یونانی میں درج ذیل ناموں سے موسوم ہیں (۱) طفولیت متّیٰ (۲) پطرس (۳) اول یوحنا (۴) دوم یوحنا (۵) اندریاہ (۶) فلپ (۷) بارتھالوسی (۸) اول توما (۹) دوم توما (۱۰) یعقوب (۱۱) نیقودیس (۱۲) متھی آسن (۱۳) مرقس (مصری) (۱۴) مرقس (عام) (۱۵) برناباس (۱۶) لوقا (۱۷) متّی (۱۸) تھی ڈیئیس (۱۹) پال (۲۰) بسی لیڈس (۲۱) سرتھیس (۲۲) یہودیہ جوڈ (۲۳) مارشین (۲۴) ابیاتی (۲۵) ناصرین (۲۶) ٹائیان (۲۷) ولن لیس (۲۸) سئ تھئیس (۲۹) اپلس (۳۰) انکارٹیٹس (۳۱) ولادت مریم علیہ السلام (۳۲) جوڈرس اور (۳۳) کاملیٹ کی انجیل۔

۹۴ سید قاسم محمود، ’’اسلامی انسائیکلو پیڈیا‘‘، ص ۲۳۱۔

۹۵ ایضاً

۹۶ عہد نامہ عتیق انتالیس کتابوں پر مشتمل ہے ان میں پہلی پانچ کتابوں کے مجموعے کو تورات کہا جاتا ہے۔ یہ کتابیں ابتداء میں ایک ہی وحدت کی حیثیت رکھتی تھیں لیکن ۲۸۴۔۲۸۵ قبل مسیح میں بہتر علماء یہود نے اس کتاب کا عبرانی زبان سے یونانی میں ترجمہ کیا اور مضامین کے اعتبار سے کتاب کو پانچ حصوں میں تقسیم کردیا، آیات و ابواب کی تقسیم ۱۲۴۲ء میں کارڈینیل ہوگونے کی (مزید معلومات کے لیے اسلامی انسائیکلو پیڈیا ص ۱۱۰۶ ملاحظہ کیجیے۔

۹۷ عہد نامہ قدیم: حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بیشتر تمام انبیاء اور رسولوں کی کتابیں اور صحیفے بالخصوص موسیٰ علیہ السلام سے زکریا علیہ السلام تک عہد قدیم سے موسوم ہوتے ہیں۔ عہد نامہ قدیم کا اطلاق جزوی طور پر عہد نامہ عتیق پر ہوتا ہے۔ عہد نامہ قدیم کی کتابیں اصلاً عبرانی میں لکھی ہوئی ہیں جب کہ عہد نامہ جدید کی کتابیں یونانی میں ہیں، ان کے تراجم لاطینی زبان میں ہوئے ان کتابوں کو (APOCYDHA) بھی کہا جاتا ہے۔

۹۸ انجیل مقدس پرانا عہد نامہ: اس آسمانی کتاب میں ’’قانون‘‘ کے ذیل میں (۱) پیدائش (۲) خروج (۳) احبار (۴) گنتی (۵) استثنا اور ’’تاریخی کتابیں‘‘ (۶) یشوع (۷) قضاۃ (۸) روت (۹) سیموئیل (۱)، (۱۰) سیموئیل (۲) (۱۱) سلاطین (۱) (۲۱) سلاطین (۲) (۱۳) تواریخ (۱) (۱۴) تواریخ (۲) (۱۵) عزرا (۱۶) نحمیاہ (۱۷) آستر (۱۸) ایوب (۱۹) زبور (۲۰) امثال (۲۱) واعظ (۲۲) غزل الغزلات: انبیاء‘‘ (۲۳) ایسعیاہ (۲۴) یرمیاہ (۲۵) منوحہ (۲۶) حزقی ایل (۲۷) دائی ایل (۲۸) یوسیع (۲۹) یوایل (۳۰) عاموس (۳۱) عبدیاہ (۳۲) یوناہ (۳۳) میکاہ (۳۴) ناحوم (۳۵) حنوق (۳۶) صغنیاہ (۳۷) حجی (۳۸) زکریاہ (۳۹) ملاکی شامل ہیں۔

۹۹ نیا عہد نامہ: (۱) متی کی انجیل (۲) مرقس کی انجیل (۳) لوقا کی انجیل (۴) یوحنا کی انجیل (۵) رسولوں کے اعمال + (اکیس خطوط رسولوں کے) = (۲۶) + یوحنا عارف کا مکاشفہ = ۲۷۔

۱۰۰ ایف ایس خیر اللہ، ’’قاموس الکتاب،‘‘ ص ۱۲۱۔

۱۰۱ ایف ایس خیر اللہ، ’’قاموس الکتاب،‘‘ ص ۱۲۳۔

۱۰۲ ایضاً

۱۰۳ ’’تفسیر پاسبانی خطوط تیمیتھیس‘‘ اور ططس کے نام۔ پادری۔ ایم۔ ڈبلو۔ اینگر، مترجم، سیموئیل ڈی چند، مسیح اشاعت خانہ، لاہور۔

۱۰۴ ایف ایس خیر اللہ، ’’قاموس الکتاب‘‘، ص ۱۲۳۔

۱۰۵ سید قاسم محمود ’’اسلامی انسائیکلو پیڈیا‘‘، ص ۲۳۱۔

۱۰۶ ایف ایس خیر اللہ، ’’قاموس الکتاب‘‘، ص ۱۲۳۔

۱۰۷ ڈاکٹر انور سدید، ’’اُردو ادب کی تحریکیں‘‘، ص ۷۱۔

۱۰۸۔ سلیم صادق ’’ثابت قدمی‘‘، مضمون مشمولہ ’’رسولوں کے خطوط‘‘، مقصود نذیر، مکتبہ عنادیم پاکستان، گجراں والا، دسمبر ۲۰۰۹، ص ۱۳۔

۱۰۹۔ کلیسیا، یونانی اکلیسیا (Ekllesia) سے مشتق ہے جس کا مطلب مجلس ہے، ہفتاوی ترجمہ میں یہ عہد عتیق کی جماعت کے لیے بطور مترادف لفظ آیا ہے (قاموس الکتاب ص ۸۰۴)۔

۱۱۰۔ فادر مقصود نذیر، ’’رسولوں کے خطوط، بار اول، مکتبہ عنادیم پاکستان، گوجرانوالہ، دسمبر ۲۰۰۹ء، ص ۲۲۔۲۱۔

۱۱۱۔ فیروز سنز، ’’اردو انسائیکلو پیڈیا‘‘، تیسرا ایڈیشن، مطبوعہ فیروسنز کراچی، جنوری ۱۹۸۴ء، ص ۵۲۹۔

۱۱۲۔ تفصیلات کے لیے دیکھئے کتاب مولانا ظفر علی خان، ’’غلبہ رُوم‘‘، یکتا کتابیں، لاہور، ۲۰۱۴ء۔

۱۱۳۔ رومیو کے نام پولس کا خط، مشمولہ ’’انجیل مقدس‘‘ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور، ۲۰۱۶ء، ص ۳۷۶۔۳۷۸۔

۱۱۴۔ ایضاً، ص ۳۸۱۔۳۸۴۔

۱۱۵۔ گلیتیوں کے نام پولس رسول کا خط، مشمولہ ’’انجیل مقدس‘‘، ص ۴۷۶۔

۱۱۶۔ تھسالنیکیوں کے نام پولس رسول کا خط، مشمولہ ’’انجیل مقدس‘‘، ص ۵۱۳۔

۱۱۷۔ تیمیتھیس کے نام پولس رسول کا خط، مشمولہ، ’’انجیل مقدس‘‘، ص ۵۳۷۔

۱۱۸۔ مقصود نذیر، ’’رسولوں کے خطوط‘‘، ص ۲۴۔

۱۱۹۔ مقصود نذیر، ’’رسولوں کے خطوط‘‘، ص ۲۵۔

۱۲۰۔ ڈاکٹر شاداب تبسم ’’اُردو مکتوب نگاری، سرسیّد احمد اور اُن کے رفقاء کے خصوصی حوالے سے‘‘ مکتبہ جامعہ دہلی لمیٹڈِ دہلی، دسمبر ۲۰۱۲، ص ۳۶۔

۱۲۱۔ ڈاکٹر محمد احسن فاروقی، ’’تاریخ ادب انگریزی‘‘، اشاعت دوم، شعبۂ تصنیف وتالیف وترجمہ، کراچی یونیورسٹی، ۲۰۱۰ء، ص ۱۵۴۔۱۵۵۔

۱۲۲۔ خواجہ احمد فاروقی، ’’مکتوبات اُردو کا ادبی وتاریخی ارتقاء‘‘، ص ۱۱۔

۱۲۳۔ ایضاً

۱۲۴۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، ’’مکتوبات سید المرسلین‘‘، طبع اول، میثاق بک کارنر، لاہور، ۲۰۱۴، ص ۴۶۔

۱۲۵۔ ایضاً

۱۲۶۔ ایضاً، ص ۲۷۔

۱۲۷۔ ایضاً، ص ۱۰۵۔

۱۲۸۔ ایضاً، ص ۱۱۴۔

۱۲۹۔ ایضاً، ص ۱۳۴۔

۱۳۰۔ علامہ سید سلمان ندوی، ’’نقوش سلیمانی‘‘، دوسرا ایڈیشن، اردو اکیڈمی، لاہور، ۱۹۶۷، ص ۳۔

۱۳۱۔ پنڈت پنالال جیوتش، ’’مفید عالم جنتری‘‘، کارخانہ مفید عالم جنتری، ۲۰۱۸، جالندھر، انڈیا، ص ۱۰۶۔

۱۳۲۔ ملاحظہ کیجئے، ’’سکھ مت‘‘، فیروسنز اُردو انسائیکلو پیڈیا، ص ۵۹۲۔

۱۳۳۔ عباد اللہ گیانی، ’’گرو گرنتھ اور اُردو‘‘، طبع اول، مرکزی اُردو بورڈ، لاہور، اگست ۱۹۶۶ء ص ۱۰۔۱۱۔۱۲

۱۳۴۔ کتاب (ا) گرو گرنتھ صاحب اور اسلام (تاریخ۔ تعلیم اور اسلامی عناصر)، از ابوالامان امرتسری اور عباد اللہ گیانی کی کتاب ’’گرونگرنتھ اور اُردو‘‘

۱۳۵۔ عباد اللہ گیانی، ’’گرو گرنتھ صاحب اور اُردو‘‘، ص ۲۰۵ تا ۱۳۷۴۔

فہرست اسناد محولہ

۱۔ اقبال، جاوید، سیّد: مرتب: دسمبر ۲۰۱۵ء، ‘‘خط نگاری، مباحث، روایت اور اہمیت’’، ناشر قصر الادب، حیدر آباد۔

۲۔ ‘‘القرآن الکریم’’: س ن، ترجمہ فتح محمد جالندھری، گاباسنز، کراچی۔

۳۔ امامہ، ابو: ۲۰۱۴ء، ‘‘حضرت ابوبکرؓ کے فیصلے’’، ناشر بُک کارنر، جہلم۔

۴۔ امرت سری، ابوالامان: اگست ۱۹۶۰ء، ‘‘گورو گرنتھ صاحب اور اسلام’’ تاریخ تعلیم اور اسلامی عناصر’’، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور۔

۶۔ ‘‘انجیل مقدس’’، نیا عہد نامہ: ۲۰۱۶، پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور، پاکستان۔

۷۔ انصاری، محمد حلیم، مولانا: س ن، ‘‘انجیل برناباس اردو’’، ناشر ادارۂ اسلامیات ادارۂ العارف، کراچی۔

۸۔ اینگر، مرل: ۱۹۹۵ء، ‘‘تفسیر پطرس کے خطوط’’، بار اول، مسیحی اشاعت خانہ، لاہور۔

۹۔ اینگر۔ ڈبلیو۔ این۔ پادری: ۲۰۱۶، ‘‘تفسیر پاسبانی خطوط تیمی تھیس اور ططس کے نام’’، بار سوم، مسیحی اشاعت خانہ، لاہور۔

۱۰۔ بانو نسیم، ایس: س ن، ‘‘اردو مکتوب نگاری ایک جائزہ’’، غیر مطبوعہ، مقالہ برائے پی ایچ ڈی، شعبۂ اردو کرناٹک یونیورسٹی دھارواڑ، انڈیا۔

۱۲۔ بچن، یوسف، بابو: فروری ۲۰۱۱ء، ‘‘مقدس پطرس رسول’’، بار اوّل، مکتبۂ عناویم، گجراں والا۔

۱۳۔ برنی، مظفر حسین، سیّد، مرتب: ۱۹۹۹ء، ‘‘مقدمہ کلیات اقبال’’، جلد اول، اردو اکادمی، دہلی۔

۱۱۔ تبسّم، شاداب، ڈاکٹر: دسمبر ۲۰۱۲ء، ‘‘اردو مکتوب نگاری: سر سیّد اور اُن کے خصوصی حوالے سے’’، مکتبۂ جامعہ لمیٹڈ، نئ دہلی۔

۱۴۔ ‘‘توریت، پرانا عہد نامہ کی پانچ کتب کا مجموعہ’’۔ ۲۰۱۵ء، پبلشر پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور، پاکستان۔

۱۵۔ جالبی، جمیل، ڈاکٹر: ۱۹۹۷ء، ‘‘ارسطو سے ایلیٹ تک’’، طبع ششم نیشنل بک فاؤنڈیشن، کراچی۔

۱۶۔ جیوتش، پنا، لال،: ۲۰۱۸، ‘‘مفید عالم جنتری’’، کارخانہ مفید عالم جنتری، جالندھر، انڈیا۔

۱۷۔ ‘‘حزقی ایل’’، مشمولہ ‘‘کتاب مقدس پرانا عہد نامہ اور نیا عہد نامہ’’ (عہد عتیق اور جدید): ۲۰۱۰، پاکستان بائبل سوسائٹی، لاہور۔

۱۸۔ خیر اللہ، ایف ایس، مؤلف: ۱۹۸۴ء، ‘‘قاموس الکتاب لغاتِ بائبل’’، بار اوّل، مسیحی اشاعت خانہ، لاہور۔

۱۹۔ ‘‘زبور، پرانا عہد نامہ’’: ۲۰۱۴ء، پبلشر پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور، پاکستان۔

۲۰۔ سدید، انور، ڈاکٹر: ۲۰۱۳ء، ‘‘اردو ادب کی تحریکیں’’، اشاعت ہشتم، انجمن ترقی اُردو پاکستان، کراچی۔

۲۱۔ سیوہاری، محمد حفظ الرحمٰن، مولانا: ۲۰۰۴ء، مکتوباتِ سید المرسلین، یعنی بلاغ مبین’’، طبع اوّل، ناشر بُک کارنر، لاہور۔

۲۲۔ سیوہاروی، محمد، حفظ الرحمٰن، مولانا: س ن، ‘‘قصص القرآن’’، مکتبۂ رحمانیہ، لاہور۔

۲۳۔ ‘‘شری مد بھاگوت پران، اردو ترجمہ ۱۹۳۱، وکرم سال ۱۹۶۳، مترجم، منشی سوامی دیال کایستھ سریواستو، منشی نول کشور پریس لکھنو، انڈیا۔

۲۴۔ ظفر علی خاں، مولانا، مؤلف: ۲۰۱۴ء، ‘‘سورۂ روم کی ابتدائی آیات کی تاریخی تفسیر’’، مطبوعہ یکتا کتابیں، لاہور۔

۲۵۔ عثمانی، شبیر احمد، مولانا: ۲۰۰۰، ‘‘تفسیر عثمانی’’، دار الاشاعت، کراچی۔

۲۶۔ ‘‘عذرا’’، مشمولہ ‘‘کتاب مقدس’’، (عہد عتیق اور جدید): ۲۰۱۰ء، پاکستان بائبل سوسائٹی، لاہور۔

۲۷۔ غلام نبی، مولوی: ۲۰۰۹، ‘‘خلاصۃ الانبیاء ترجمہ اردو قصص الانبیاء’’، اشاعت اول، اس پرنٹر، لاہور۔

۲۸۔ فاروق، احمد، خورشید مؤلف: دسمبر ۱۹۶۰ء، ‘‘حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سرکاری خطوط’’، طبع اوّل، ندوۃ المصنفین اردو بازار جامع مسجد، دہلی۔

۲۹۔ فاروق، خورشید، مؤلف: دسمبر ۱۹۵۹ء، ‘‘حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط’’، طبع اوّل، ناشر ندوۃ المصنفین، دہلی۔

۳۰۔ فاروقی، احسن، محمد، ڈاکٹر: ۱۹۸۶ء، ’’تاریخ ادب انگریزی‘‘، اشاعت اوّل، شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ جامعہ کراچی، کراچی۔
۳۱۔ فاروقی، احمد، خواجہ، ڈاکٹر: ۲۰۱۳ء، ’’مکتوبات اردو کا ادبی و تاریخی ارتقاء‘‘، قومی کونسل برائے فروغ اردو، نئی دہلی۔
۳۲۔ فرید آبادی، ہاشمی، سید، مولوی مترجم: ۱۹۹۴ء، ’’مشاہیر یونان و روما (پلوٹارک)‘‘، حصہ پنجم۔
۳۳۔ ’’کتاب مقدس‘‘: ۲۰۱۶ء، پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور، پاکستان۔
۳۴۔ ’’کتاب مقدس‘‘، یعنی پرانا اور نیا عہد نامہ، (عہد عتیق اور عہد جدید): ۲۰۱۰، پاکستان بائبل سوسائٹی، لاہور۔
۳۵۔ کھتری، ڈونلڈ: ۲۰۱۰، ’’عبرانیوں‘‘، بار سوم، مسیحی اشاعت خانہ، لاہور۔
۳۶۔ گیانی، عباد اللہ: اگست ۱۹۶۶ء، ’’گرو گرنتھ اور اردو‘‘، طبع اوّل، مرکزی اردو بورڈ، لاہور۔
۳۷۔ ’’متی کی انجیل نیا عہد نامہ‘‘: ۲۰۱۶، پاکستان بائبل سوسائٹی، لاہور۔
۳۸۔ محمود، خالد: جون ۲۰۰۱ء، ’’اسلام، عیسائیت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام‘‘، طبع ثانی، ندوۃ العلوم، کراچی۔
۳۹۔ محمود، قاسم، سید، مدیر: یکم جنوری ۱۹۹۰ء، ’’علم القرآن‘‘، پارہ (۱)، شاہ کار بک فاؤنڈیشن، کراچی۔
۴۰۔ ’’مرقس کی انجیل‘‘، مشمولہ ’’انجیل مقدس نیا عہد نامہ‘‘: ۲۰۱۶، پاکستان بائبل سوسائٹی، لاہور۔
۴۱۔ نذیر، مقصود: دسمبر ۲۰۰۹ء، ’’رسولوں کے خطوط‘‘، مکتبۂ عنادیم پاکستان، گجراں والا۔
۴۲۔ ندوی، اشرف نجیب سید: س ن، ’’مقدمہ رقعاتِ عالمگیر‘‘، سلسلہ دار المصنفین (۳۵)، مطبع اعظم گڑھ، انڈیا۔
۴۳۔ ندوی، سلیمان سید: ۱۹۶۸ء، ’’نقوش سلیمانی‘‘، دوسرا ایڈیشن، اردو اکیڈمی، لاہور۔
۴۴۔ ندوی، سلمان مولانا، مؤلف: ۲۰۰۰ء، ’’تاریخ ارض القرآن‘‘ جلد اوّل، جلد دوم، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد۔
۴۵۔ نسرین ممتاز بصیر، ڈاکٹر: ۱۹۹۵ء، ’’اردو خط نگاری ایک مطالعہ‘‘، بار اوّل، مطبع شوبی آفیسٹ پریس کوچۂ چیلان دریا گنج، نئی دہلی۔
۴۶۔ نعمانی، شبلی، مولانا: مئی ۱۹۸۵ء، ’’سیرت النبی ﷺ‘‘ دار الاشاعت، کراچی۔
۴۷۔ نعیم احمد، ڈاکٹر: ۲۰۱۸، ’’ازمنہ وسطیٰ کا فلسفہ‘‘، بار اول، ادارہ ثقارت اسلامیہ، لاہور۔

انسائیکلوپیڈیاز:

۱۔ حسن، سبط، سیّد، (جنوری ۱۹۸۴ء)، ’’فیروز سنز اردو انسائیکلوپیڈیا‘‘، تیسرا ایڈیشن، مطبوعہ فیروز سنز لمیٹڈ، کراچی۔
۲۔ محمود، قاسم، سیّد: (س ن)، ’’اسلامی انسائیکلوپیڈیا‘‘، شاہ کار بک فاؤنڈیشن، کراچی۔
۳۔ محمود، قاسم، سید، مدیر: جولائی ۱۹۸۸ء، ’’سائنس انسائیکلوپیڈیا‘‘، سائنس بک فاؤنڈیشن، کراچی۔

لغات:

۱۔ ابو سلیم، عصمت: س ن، ’’المنجد‘‘، مکتبۂ اداریہ، لاہور۔
۲۔ حسن، علی: س ن، ’’حسن اللغات (جامع)‘‘، فارسی، اردو، اورینٹل بک سوسائٹی، لاہور۔
۳۔ خیر اللہ، ایف ایس، مؤلف: ۱۹۸۴ء، ’’قاموس الکتاب، لغات بائبل‘‘، بار اوّل، مسیحی اشاعت خانہ، لاہور۔
۴۔ فیروز الدین، مولوی، الحاج: س ن، ’’فیروز اللغات اردو جامع‘‘، فیروز سنز، کراچی۔

ویب گاہی:

۱۔ waxMyrtle Trees.https://www.test.growing.tress.com>wa

۲۔ waxInsect.https://www.britannicacom>Science>c

۳۔ Dead Sea Scroll/wikipedia//https:en.mwikipedia.org>wiki>Dead

۴۔ https://en.m.wikipedia.org>wiki>Bibel

۵۔ www.codex vaticanus.https://en.m.wikipedia.org>wiki>code

۶۔ www.codex.sinaiticuss.org>wiki>code

۷۔ www.codex.Ephraem,.org>wiki>code

۸۔ www.codex.Bazae.org>wiki>code

۹۔ www.bibel.researcher.com>codexB

۱۰۔ wikipedia>wiki>codex.Alexandrinus

۱۱۔ https://en.m.wikipedia.org>wiki>codex

۱۲۔ https://en.m.wikipedia.org.wiki>Artha

۱۳۔ https://en.m.wikipedia.org>Epiu

۱۴۔ https://en.wikipedia.org>wiki>Euseb

۱۵۔ https://arechive.org>detail>Feroz-ul-L

۱۶۔ Oxford dictionaries https:en.oxford dictionaries.com

۱۷۔ Urdu dictionaries & Translations http://ur.oxfordd dictionaires.com

۱۸۔ https:oxford dictiaonaries.com>arabic

رسائل وجرائد:

۱۔ اقبال، جاوید، سیّد، ڈاکٹر: (۲۰۱۲)، ’’تحقیق (مکتوبات نمبر۲)‘‘، جلد۲۰، شمارہ۱۲، ۱۳، جولائی تادسمبر۹۹۔۱۹۹۸ء، شعبۂ اُردو، سندھ یونیورسٹی، جامشورو۔

۲۔ طفیل، محمد: (نومبر۱۹۵۶ء)، ’’نقوش (مکاتیب نمبر)‘‘، ادارۂ فروغ اردو، لاہور۔

اظہارتشکر:

۱۔ جناب پریم چندراٹھور، عرف پریم جی، راما پیر مندر، سرے گھاٹ حیدرآباد۔

۲۔ جناب پریم سنگھ، جناب حکیم منورسنگھ، ننکانہ صاحب، لاہور۔

۳۔ پروفیسر خالد چنہ، سندھ کالج آف کامرس اینڈ پوسٹ گریجویٹ سینٹر، حیدرآباد۔

۴۔ جناب پادری سلیم اقبال، سینٹ فلپس پروٹیسٹنٹ چرچ، تلک چاڑی حیدرآباد۔

۵۔ پروفیسر فیض اکبرخان، صدرشعبۂ اُردو پوسٹ گریجویٹ اسلامیہ کالج گجراں والا۔

۶۔ پروفیسر ڈاکٹر مجیب اللہ منصوری، گورنمنٹ ڈگری کالج، حیدرآباد۔

۷۔ جناب مہاراج کرشن لال ویراگی، ٹنڈوغلام علی، سندھ۔

ABSTRACT

Dr. Molvi Mohammad Shafi's letters to Dr. Ghulam Mustafa Khan

These letters were written to Dr. Ghulam Mustafa Khan in response to the guidance sought by him, earlier regarding his Ph.D research and, later, about many other literary issues during 1940 and 1960.

These letters have been published many times over from 1955 to 2003 in journals and in books including autobiography of Dr. Ghulam Mustafa Khan as well as written about him, authored by his students. But all these publications lacked explanatory notes that are imperative to compose hand and appreciate the encyclopedia knowledge of the wirter, Dr. Molvi Mohammad Shafi, a scholar par excellence.

This article reproduces those 17 letters along with delectated explanatory notes that provide historical back ground of poets, scholars, historians and rulers dispiestives referred in these letters.

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان

تدوین اور تحشیہ: عابدہ ہما

مولوی محمد شفیع کے چند علمی مکتوبات بنام ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان

اس مقالے کا مقصد ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان کے نام مولوی محمد شفیع کے خطوط معہ حواشی پیش کرنا ہے۔

یہ مکتوبات سب سے پہلے ’’مجلس ارمغانِ علمی‘‘ لاہور میں ۱۹۵۵ء میں شائع ہوئے لیکن ان خطوط کے درست شمار کا علم نہیں، اس کی نشان دہی ڈاکٹر صاحب کے مضامین کے مجموعے ’’سراج البیان‘‘ کی فہرستِ مضامین سے ہوتی ہے۔ اس کے بعد یہ مکتوبات اسی عنوان سے ’’نقوش‘‘ شمارہ ۱۰۱، نومبر ۱۹۶۴ء میں (ص ۵۶ تا ۶۴) میں شائع ہوئے لیکن مقالہ نگار کا نام غلام حسین مصطفیٰ ڈاکٹر تحریر ہے جو کہ ایک گم نام شخصیت ہے۔ غالباً غلط نام کی وجہ سے ہی قارئین نے ان مکتوبات پر توجہ نہیں کی اور ایک لحاظ سے یہ خطوط گم نامی میں رہے۔ ’’نقوش‘‘ میں ان خطوط کی تعداد بارہ (۱۲) ہے۔ ۱۹۹۲ء میں ڈاکٹر صاحب کے مقالات کے مجموعے ’’سراج البیان‘‘ میں بھی یہ خطوط شائع ہوئے یہاں ان کی تعداد سات (۷) ہے۔ یہ مجموعۂ مقالات، گابا سنز، کراچی سے شائع ہوا۔ اس کے بعد یہی خطوط ۲۰۰۳ء میں ’’ہمارے استاد ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان‘‘ مرتبہ رشید احمد خان میں شائع ہوے۔ اس کتاب میں مکتوبات کی تعداد تئیس ہے۔ ان میں سے خط نمبر چار (۴) اور سات (۷) انگریزی میں ہیں جب کہ یہی خط ’’سراج البیان‘‘ میں اردو متن کے ساتھ موجود ہیں ہم نے اس مقالے میں اردو متن کو شامل کیا ہے اور یہ کہ ان خطوط کی اصل تعداد ۲۳ نہیں بلکہ سترہ (۱۷) ہے۔ اس جائزے کے مطابق

یہ مکتوبات متعدد بار شائع ہوئے لیکن تمام اشاعتوں میں کہیں بھی حواشی کا اہتمام نہیں ہے ماسوائے اُن خطوط کہ جو ''سراج البیان'' میں شائع ہوئے اور ان پر ڈاکٹر صاحب نے مختصر حاشیہ تحریر کیے ہیں جسے ہم نے اس مقالے میں اسٹار (☆) کی صورت میں نمایاں کیا ہے جب کہ وہ حواشی جو گنتی میں ہے وہ راقمہ کی کوشش ہے اور یہ کہ ان خطوط میں املا تبدیل نہیں کیا گیا ہے۔ تمام خطوط زمانی ترتیب کے مطابق نقش امل کیے گئے ہیں۔ ان خطوط کی اہمیت اور افادیت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے انھیں حواشی کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔ جس کا مقصد جہاں ایک طرف ان خطوط کی تحقیقی اہمیت کو اُجاگر کرنا ہے تو دوسری جانب ڈاکٹر صاحب کی علمی جستجو کو بھی۔ اس حوالے سے ڈاکٹر مسرور احمد زئی لکھتے ہیں کہ:

> ''یہ تحقیقی مقالہ ڈاکٹر صاحب کا پہلا طویل تاریخی اور غیر معمولی کام ہے جس میں تحقیقی حوالوں کے ساتھ شاعر کی زندگی، اس کی مصروفیات، کلام میں تراکیب ولفظیات، شاعر کی فکر اور رجحان، کلام کی خوبی و خامی کے علاوہ اس کے ممدوحین کے تاریخی واقعات کے ساتھ معاصرین کے کلام سے تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے جو یقیناً محنت طلب، صبر طلب اور دقت طلب کارنامہ ہے۔'' (ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان: حیات اور علمی ادبی خدمات، ص ۲۲۵)

(۱)

ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان (۱۹۱۲ء۔۲۰۰۵ء) تحقیق کے حوالے سے معتبر نام ہے۔ آپ نے بہ کثرت موضوعات پر تحقیقی و تنقیدی مقالات تحریر کیے۔ محقق کے بنیادی اوصاف، علوم وفنون میں مہارت، وسعتِ نظر، مطالعۂ تاریخی وتہذیب اور علم القرآن و حدیث، فارسی، عربی اور انگریزی پر مضبوط گرفت، یہ وہ بنیادی اوصاف تھے جو ڈاکٹر صاحب کی شخصیت میں نمایاں تھے۔ تاریخ ادب کے کئی تاریک گوشے آپ کی تحقیق کے نتیجے میں منور ہوئے۔ تحقیق کے لیے آپ نے جن موضوعات کا انتخاب کیا وہ اپنی مثال آپ تھے۔ ۱۹۳۸ء میں آپ نے سید حسن غزنوی پر پی ایچ ڈی کا تحقیقی مقالہ لکھنے کا ارادہ کیا لیکن ڈاکٹر صاحب کے بہ قول ''اپنے پرائے سب ہی ہمت شکنی کر رہے تھے اس لیے یہ کام التوا میں پڑ گیا۔'' (سراج البیان، ص ۲۴۹)۔ نصف صدی پہلے جب یہ تحقیق منصۂ شہود پر آئی اس وقت وہ سہولیات حاصل نہیں تھیں جس کے تحت سفر کرنا اور مآخذ تک پہنچنا آسان ہو....آپ نے مختلف بیاضوں، لغات اور تذکروں کا مطالعہ کیا۔ لندن اور پیرس سے اُس شاعر کے دیوان حاصل کیے۔ مخطوطات کی قرأت اور تصحیح کے لیے اساتذہ سے مدد حاصل کی....آپ نے شاعر کے کلام کو مختلف نسخوں کی مدد سے تصحیح کر کے اسے ایڈٹ ہی نہیں کیا بلکہ اس دور کی تہذیب وثقافت، علمی و ادبی ماحول، سیاسی اور سماجی حالات، شاعر پر معاصرین کے اثرات، معاصرین پر شاعر کے اثرات، اس کے ممدوحین کی شاہانہ زندگی کے ساتھ اس عہد کے طرزِ حیات کو بیان کرنے کے لیے سخت محنت اور اہتمام سے کام لیا۔ (ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان: حیات اور علمی و ادبی کارنامے، ص ۲۲۵۔۲۲۶) اس قدیم شاعر پر اس کام سے پہلے معمولی حوالے اور مختصر تذکرے کے علاوہ کوئی جامع کام نہیں ملتا۔ اس کام کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ:

> ''سرہنری الیٹ نے غالب کے شاگرد نواب ضیاء الدین سے فرمائش کی تھی کہ مسعود سعد سلمان اور سیّد حسن غزنوی کے کلام سے تاریخی اشارات جمع کیے جائیں لیکن افسوس ہے کہ وہ اس طرف زیادہ توجہ نہیں کر سکے۔''

(چند فارسی شعرا، ص ۲۵۸)

ڈاکٹر صاحب نے ناگ پور یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی اور دل چسپ بات یہ ہے کہ آپ کے مقالے کا کوئی نگراں نہیں تھا۔ (مزید مطالعے کے لیے ملاحظہ ہو: ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان: حیات اور علمی ادبی خدمات) اس مقالے کی تیاری میں جن اصحاب کا تعاون ہمہ وقت رہا ان میں نواب صدر یار جنگ، مولانا حبیب الرحمان خان شروانی اور پرنسپل محمد شفیع قابلِ ذکر ہیں ڈاکٹر صاحب مولوی محمد شفیع کے بارے میں رقم طراز ہیں کہ:

> ''میں نے بہ کثرت علما و فضلا سے خط و کتابت کی لیکن بے دریغ یہ کہنے کو تیار ہوں کہ پرنسپل صاحب موصوف ہی مجھے ایسے بزرگ ملے جنھوں نے ہفتہ عشرہ کے اندر علمی جوابات عنایت کیے۔'' (سراج البیان، ص ۲۴۹)

سراج البیان میں اس حوالے سے مزید لکھتے ہیں کہ:

''پرنسپل صاحب جیسے بزرگوں کی ہمت افزائی اور ذرہ نوازی سے سیّد حسن غزنوی پر میرا تحقیقی مقالہ بعض فضلاً کے نزدیک ایک بیش قیمت علمی اضافہ ہے۔ اس شاعر پر ابھی ایک ایرانی پروفیسر جناب تقی مدرس رضوی نے بھی تقریباً ساٹھ صفحات کا مقالہ لکھا ہے اور وہ بھی تشنہ ہے۔'' (سراج البیان، ص ۲۵۱) آپ ایک اور موقع پر رقم طراز ہیں کہ: ''ان بزرگوں کی ہمت افزائی نے اور میری دقتوں اور پریشانیوں کو حل کرنے میں ایسی مدد فرمائی کہ نہ صرف میری ڈھارس بندھی بلکہ ۱۹۴۶ء میں، میرا مقالہ پایۂ تکمیل کو پہنچا۔'' (سراج البیان، ص ۲۴۹)

(۲)

مولوی محمد شفیع عربی، فارسی، ادب، تاریخ اور فنونِ لطیفہ پر گہری علمی و ادبی بصیرت رکھتے تھے۔ ''متونِ فارسی کی تصحیح و تحشیہ پر بے نظیر محنت نے آپ کے نام کو بین الاقوامی شہرت بخشی، اسلامی و ثقافت کے بارے میں آپ کی معلومات کسی جید عالم دین سے کم نہ تھیں، خطاطی و نقاشی ایسے فنونِ لطیفہ سے آپ کو والہانہ لگاؤ تھا ان فنون کی تاریخ اور مختلف ادوار میں ان کے اسالیب پر آپ کی گہری نظر تھی۔

فارسی، عربی، اردو، پنجابی، سندھی کے نادر و منفرد مخطوطات جمع کرنا آپ کا بے حد محبوب مشغلہ تھا جو کہ آخر دم تک قائم رہا مخطوطوں کی فہرست سازی سے بھی آپ کو بہت دل چسپی تھی چنانچہ آپ ہی نے سب سے پہلے علی گڑھ اور رام پور کے اہم نسخوں کا تعارف کرایا۔

ایک محقق میں جن صفات کا ہونا ضروری ہے وہ ساری صفات آپ کی ذاتِ گرامی میں بدرجہ اتم موجود تھیں یعنی معیاری علمی ذوق، ادب و تاریخ سے والہانہ لگاؤ، دقتِ نظری، کمالِ احتیاط، وسعتِ معلومات، کتب و مخطوطات سے بے پناہ محبت یہ سب ان کی طبیعت میں اس طرح رچی بسی تھیں گویا قدرت کی طرف سے ورثے میں ملی ہوں اور یہ کہ آپ صرف علم ہی سے محبت نہیں کرتے طالب علموں سے بھی محبت کرتے اور اپنے علم کو منتقل کرنے میں دیر نہیں کرتے تھے۔ آپ اُردو تحقیق کے فروغ میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔

کیمبرج یونیورسٹی کے مشہور مستشرق پروفیسر مینورسکی علامہ شفیع کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

> ''وہ برصغیر کی بہت بڑی شخصیت ہیں، وہ فاضل اجل ہیں۔ میرے اپنے بہت سے شاگرد ہیں اور ان میں سے اکثر اپنے فن میں استاد مانے جاتے ہیں اس کے باوجود مجھے ان کے قدموں میں بیٹھنے میں انتہائی افتخار محسوس ہوتا ہے۔''

(مقالات محمد شفیع، جلد چہارم، ص ب)

پیر حسام الدین راشدی رقم طراز ہیں کہ:

> ’’وسط ایشیا کی تاریخِ ادب یا فنونِ لطیفہ پر ہمارے ہاں سب سے اوّل مولانا ہی کی نظر پڑی اور انھوں نے ہی اپنی تحقیق اور تلاش کا موضوع اس کو بنایا۔ تیموریوں کی تاریخ ہو یا اس کی معارف پروری، مولانا ہی کے قلم نے پہلے پہل اس کو اُجاگر کیا۔ اس کی تاریخی اہمیت سے نہ فقط ہمیں متعارف کرایا بلکہ دنیا کے مختلف گوشوں میں جو علما ان موضوعات پر تحقیق کر رہے تھے ان کی عقدہ کشائیاں کیں۔‘‘ (مقالات محمد شفیع، جلد اوّل، ص ۱۰۔۱۱)

آپ ۱۸۸۳ء میں قصور کے علمی خاندان میں پیدا ہوئے۔ تحصیل علم سے طبعی مناسبت تھی ذہن رسا اور دماغ اعلیٰ صلاحیتوں کا مالک تھا۔ ۱۹۰۴ء میں اسلامیہ کالج سے بی۔ اے، ۱۹۰۵ء میں ایف سی کالج سے ایم۔ اے (انگریزی) ۱۹۱۳ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔ اے عربی اور ۱۹۱۹ء میں کیمبرج یونیورسٹی سے ایم۔ اے عربی (بذریعہ تحقیق) کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۱۹ء میں پنجاب یونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر اور پھر اورینٹل کالج کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ یونیورسٹی کی سینٹ اور سینڈیکیٹ کے رکن اورینٹل کالج کے ڈین فیکلٹی بھی رہے۔ ۱۹۴۲ء میں ملازمت سے سبک دوش ہوگئے۔ اس کے باوجود متعدد تعلیمی اداروں کے سرپرست تھے۔

وہ ۱۹۵۰ء سے ۱۹۶۳ء تک اردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ لاہور کے سربراہ رہے۔ انھیں خدمات کی بنا پر حکومتِ پاکستان کی جانب سے ۱۹۵۹ء میں ستارہ پاکستان کا اعزاز دیا گیا اس کے علاوہ خان بہادر کے خطاب سے بھی نوازا گیا۔ آپ کو پروفیسر ایمریطس کا اعزاز بھی دیا گیا ہیں اور ۱۹۵۵ء میں شانِ سپاس بھی۔ مولوی صاحب کا انتقال ۱۴؍ مارچ ۱۹۶۳ء کو لاہور میں ہوا۔

ان تمہیدات کے بعد اب ذیل میں ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان کا مقالہ پیش کیا جاتا ہے:

(۳)

علامہ ڈاکٹر محمد شفیع صاحب[۲] مرحوم (المتوفی ۱۹۶۳ء) اپنے علم و فضل کے لحاظ سے مسلمانانِ عالم کے لیے باعثِ فخر تھے۔ موجودہ دور میں جس قدر تحقیقی اور علمی کام انھوں نے کیا تھا اتنا کسی نے بھی نہیں کیا۔ اپنی اَن تھک محنت اور پیہم کوشش کی وجہ سے وہ جوانوں کو بھی شرما دیتے تھے اور مردہ دلوں کی محفل کو گرما دیتے تھے۔ ۸۰ سال کی طویل عمر کے آخری لمحوں تک وہ اپنے علمی مشاغل میں سرگرم تھے اور دوسروں کو بھی سرگرمِ عمل دیکھنا چاہتے تھے۔ راقم الحروف براہِ راست ان سے مستفیض رہا ہے اور ان کی شفقتوں سے ذاتی طور پر بھی بہرہ مند ہوا ہے۔ ذیل میں ان کے چند مکتوبات جو محفوظ رہ گئے ہیں بہ طور یادگار پیش کیے جاتے ہیں۔

ان مکتوبات سے اندازہ ہوگا کہ مرحوم کو علم سے کس قدر لگن تھی اور وہ اپنے شاگردوں کو کس طرح نوازا کرتے تھے۔ مکتوبات میں کوئی خاص القابات نہیں تھے۔ ’’مکرمی تسلیم‘‘ یا کبھی کبھی ’’عزیز القدر سلمہٗ‘‘ کے مشفقانہ الفاظ ہوا کرتے تھے۔ ایسے اعلیٰ ظرف اور سخت مصروفیات کی وجہ سے ذاتی حالات کبھی بھی تحریر نہ فرماتے تھے اور جواب فوراً دیا کرتے تھے۔ مخطوطات کی غلط قرأت کی تصحیح میں مرحوم کو جو ملکہ حاصل تھا اس کا عشرِ عشیر بھی دوسری جگہ نظر نہیں آتا۔ ایک مرتبہ سیّد حسن غزنوی کے ایک عربی شعر کی تصحیح کے لیے متعدد فضلاّء سے

درخواست کی گئی۔ کہیں سے امید بر نہ آئی۔ وہ شعر انڈیا آفس کے نسخے میں اس طرح تھا۔

مسموت الطرفی بدوبه   ملبارین لدی الالحان

اور برٹش میوزیم کے مخطوطے میں یوں تھا۔

مسمعات الظرفی بدوبهٖ   مسارین الذی الالحان

بالآخر مرحوم سے درخواست کی گئی اور انھوں نے فوراً اس طرح تصحیح فرما دی۔

مسمعات الطیرنی شدوبه   بتباربن لدی الالحان

مرنا سبھی کو ہے لیکن ایسے فضلاء رہی کے متعلق کہا گیا کہ ''موت العالِم موت العالَم'' غالب نے سچ کہا ہے۔

کون ہوتا ہے حریفِ مئے مرد افگنِ عشق   ہے مکرر لبِ ساقی پہ صلا میرے بعد

''مخدومی قبلہ پرنسپل محمد شفیع صاحب مدظلہ میرے ان محسنوں میں سے ہیں جن سے میں نے بہت کچھ سیکھا اور جب تک زندہ رہوں گا ان شاء اللہ ان سے استفادہ کرنے کا متمنی رہوں گا۔ میں نے ۱۹۳۸ء سے ارادہ کیا تھا کہ سید حسن غزنوی پر تحقیقی مقالہ لکھوں لیکن کنگ ایڈورڈ کالج امراوتی (برار) میں (جہاں میں لکچرر تھا) یا ناگ پور یونیورسٹی میں ایسے کام کے مواقع کم تھے اور اپنے پرائے سب ہی ہمت شکنی کر رہے تھے اس لیے یہ کام التوا میں پڑ گیا۔ پھر میرے شفیق بزرگ نواب صدر یار جنگ مولانا محمد حبیب الرحمان خان شروانی مرحوم و مغفور نے میری ہمت افزائی فرمائی اور فاضل اجل قبلہ محمد شفیع صاحب نے میری بعض دقتیں جلد جلد حل فرما دیں اس لیے میری ڈھارس بندھ گئی اور اللہ کا نام لے کر کام کرنا شروع کر دیا جو بحمد اللہ سنہ ۱۹۴۶ء میں پورا ہو کر رہا۔''

(۴)

خطوط

(۱)

کمارہٹی۔ ضلع شملہ

۲۰، جولائی ۱۹۴۰ء

جناب مکرمی! تسلیم

مجھ کو امید ہے کہ آپ نے سیّد حسن غزنویؒ کے دیوان کے اچھے اچھے نسخے جمع کر لیے ہوں گے۔ میں نے ان کا دیوان نہیں دیکھا۔ کیا آپ اس دیوان کو مرتب کرنا چاہتے ہیں؟ یا اصل موضوع آپ کا سلطان بہرام شاہ کے عہد کی تاریخ ہے معلوم نہیں سوائے دیوانِ حسنؒ کے اس عہد کے لیے کوئی اور مواد بھی آپ کے پاس سوائے مشہور تاریخوں کے ہے یا نہیں۔ ان تاریخوں میں تو اتنا مواد نہیں کہ اس سے کتاب مرتب ہو سکے۔

باحلیم کے متعلق آپ Islamic Culture of April 1938 ملاحظہ فرماویں۔ مضمون کا عنوان ہے: Fresh Light on the Ghaznavids قصیدہ میرے سامنے نہیں ہے تو میں کیا کہوں؟ لیکن آپ اس مضمون اور قصیدے کو ملا کر پڑھیں شاید مفید ہو ورنہ قصیدہ سارا سامنے ہو تو کچھ عرض کروں۔

لاہور میں کوئی قلعہ عہد غزنوی کا موجود نہیں۔ موجودہ قلعہ عہدِ اکبری کی یادگار ہے۔ ممکن ہے اس کا محل قدیم ہو مگر یقینی نہیں۔

پشتوارہ لغت میں: =۱۔ آن مقدارِ بار کہ بہ پشت توان کشید

=۲۔ پشتیبان وآں چوبسیت کہ بجہت استحکام دیوار یک سرِ آں را بدیوار و سرِ دیگر را برزمین نصب کنند و چوبِ پشتِ در۔

=۳۔ پشت و پناہ

=۴۔ گاؤ تکیہ (فرہنگ آنندراج)

غرض با پشتوارہ سے مراد یہ ہے کہ اس کی دیواروں کو پشتی بانوں سے محکم اور مضبوط کیا گیا تھا۔ ان چیزوں کو آج لاہور میں کیسے ڈھونڈا جا سکتا ہے؟

پنجاب کا مفصل نقشہ تو Survey of India کا نقشہ ہے مگر سوالک اور اُچ ہر نقشے میں ملے گا۔ کوئی اچھی سی اٹلس دیکھ لیں۔ منشی گلاب سنگھ اینڈ سنز کے ہاں سے تین چار روپے میں پنجاب کا دیواری نقشہ ملتا ہے مگر اس کو کیا کیجیے گا، اٹلس آپ کو کام دے گی۔ سوالک کے متعلق بہت جھگڑا ہے اس کے قدیم اور موجودہ استعمال میں فرق ہے۔ حافظ محمود شیرانی[3] نے اس کے متعلق اورینٹل کالج میگزین[4] میں کچھ لکھا تھا۔ اس کا حوالہ زبانی نہیں دے سکتا۔ میں یہاں پہاڑ پر بیٹھا ہوں اور شیرانی کالج[5] کے بند ہونے کی وجہ سے معلوم نہیں کہاں ہیں۔

افغانستان اور پنجاب دونوں کے لیے Bartholomews Hand Atlas شاید آپ کا کام دے جائے۔ مفصل ترین نقشہ افغانستان کا بھی Survey of India والا نقشہ ہے۔ رسالہ کابل کے سالانہ نمبروں میں بھی متعدد دفعہ افغانستان کا نقشہ چھپا ہے۔

بہرام شاہ[6] کی قبر اگر لاہور میں ہے تو کسی کو معلوم نہیں۔ میں نے کبھی نہیں سنا کہ فلاں قبر بہرام شاہ کی ہے۔ والسلام!

دستخط: محمد شفیع

قصیدہ:

" اجل زان خدنگ ۰ ۰ ۰ ۰ ۰ ۰ ۰ سوے جان خصم تو رہبر گرفتہ؟
ز پیلان چون کوہ تازان بہیجا؟
تو برخنگ دولت چو خورشید تاباں؟
(رہ آن جہان گرفتہ میں کوئی لفظ رہ گیا ہے)
بانصاف دجال باخر گرفتہ (نصاف الخ)
بحمد اللہ اکنون نہ بینم الخ (نہ بہ بینم الخ)

بمنزل گہ شیر آھونشستہ	(یا کوئی اور ایسا ہی لفظ)
گیائے نوان	(نہ کیائے نوان) بمعنی گیا ہے
چوز د پیرہن	(بظاہر چو زر یا شاید چو زو)
بحمد اللہ اکنون نہ بینم	(بجای بہ بینم)
بدان پاے وسر	(بجای بران پاے وسر)
چو خورشید جامی کہ گوئی حبابش	(بجاے حیاتش)۔ دوسرا مصرعہ غیر واضح
بہ تیر تو اور دو خنجر گرفتہ	(بجاے خنجر)
نہالی چنان	(بجائے نہال جہاں)
ہم ام نہروان تا قہستان	(بجای تا قہاں)''

(۲)

کمارھٹی۔ ضلع شملہ
۲۷، اگست ۱۹۴۰ء

مکرمی! تسلیم

عنایت نامہ ملا۔ ہمارے ہاں کالج میں سروے آف انڈیا کا نقشۂ افغانستان ہے۔ آپ جن مقامات کو دیکھنا چاہتے ہیں ان کی فہرست مجھ کو بھیج دیں، میں واپسی پر ان شاء اللہ دیکھوں گا۔

'آداب الحرب'[۱] اب تک نہیں چھپی۔ اس کا کچھ حصہ (بعض اقتباسات) میں نے اورینٹل کالج میگزین لاہور میں چھاپے تھے اور مس اقبال شفیع نے غزنویوں کے متعلق تمام اقتباسات (جن کا ترجمہ آپ نے Islamic Culture میں ملاحظہ کیا ہے) اسی میگزین میں چھپوائے تھے۔ گویا ساٹھ ستر صفحے اس طرح سے چھپ گئے۔ شاید کہ اس سے زیادہ ہوں۔ برٹش میوزیم والے نسخے کا عکس پنجاب یونیورسٹی لائبریری کی ملکیت ہے۔ انھی کے پاس موجود ہیں۔ 'شجرۂ انساب'[۲] ناپید ہے۔ مجھ کو معلوم نہیں وہ کیا ہوا البتہ Sir Dension Ross نے تاریخ مبارک شاہی[۳] کے نام سے اسی مصنف کی ایک تالیف کے بعض اجزاء چھاپے تھے۔ اس میں اقوام اتراک کا ذکر کیا تھا۔ پہلے انھوں نے 'عجب نامہ' میں اس پر مضمون لکھا تھا پھر اس رسالے کے بعض اجزا اور ترجمہ چھاپا تھا۔ اس میں سیّد حسن غزنوی کا ذکر نہ تھا۔

والسلام!

دستخط: محمد شفیع

(۳)

مورخہ ۱۳، ستمبر ۱۹۴۰ء

مکرمی! تسلیم

رشید الدین وطواط کے رسائل (خطوط) مصر میں دو حصوں میں طبع ہو چکے ہیں۔ کمیاب ہیں۔ میرے کتاب خانے میں ایک نسخہ ہے مجھ کو یاد نہیں کہ ہمارے ہاں پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں یہ نسخہ ہے یا نہیں۔ وطواط کا حال صاحب دیبۃ القصر نے مفصل دیا ہے۔ ہالینڈ میں اس کا نسخہ ہے۔ فوٹو منگوا کر میں نے اورینٹل کالج میگزین میں اکثر حصہ چھپوایا۔ اس میں بھی بعض خطوط کے اقتباسات دیے ہیں مگر یہ سب کے سب خطوط مطبوعہ رسائل میں موجود ہیں۔ اگر گیلان اور کرمان افغانستان میں ہیں تو مجھ کو معلوم نہیں۔ آپ کس طرح سے یہ نتیجہ نکال رہے ہیں کہ وہ افغانستان میں ہیں۔ آبِ گرم، قندھار کی طرف کوئی جگہ سرحد ہندوستان پر تھی جس کا ذکر کتاب الحرب والشجاء میں ہے۔ رخج نہیں خج ہے جو سیستان کا ایک شہر تھا۔

محمد شفیع

(۴)

انگریزی خط کا اردو ترجمہ

مکرمی، تسلیم　　　　مورخہ ۷ اپریل ۱۹۴۳ء

آپ کا خط ملا۔ ‘‘شیرِ عَلَم’’ کے متعلق جو اشعار آپ نے نقل کیے ہیں وہ استعارے نہیں ہیں بلکہ حقیقت میں ‘‘علم’’ پر شیر بنا ہوتا تھا۔ دیکھیں۔ دیوان مسعود سعد سلمان (مرتبۂ رشید یاسمی، تہران، ۱۳۱۸۔ صفحہ ۵۶۳):

خشتِ او بس کہ کتد شیران کم
شیرِ کردون بماند و شیرِ علم

مسلمانوں کے ‘‘علم’’ کے متعلق دیکھیں:

Hasting's Encyclopaedia of Religion and Ethics XII, 145 S.V. Symbolism (Muslim).

محمد شفیع

(۵)

مکرمی، تسلیم　　　　مورخہ ۶ مئی ۱۹۴۳ء

میں آپ کو شیرِ علم کے متعلق لکھ چکا ہوں۔ آپ کسروی کا مضمون ‘‘تاریخچۂ شیر و خورشید’’ ارمغان (تہران کا ماہنامہ =XI 542 Sqq.) دیکھیں۔ یہ ماہ نامہ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں ہے۔

محمد شفیع

(۶)

مکرمی! تسلیم

عنایت نامہ ملا۔ کرَمان کے متعلق یاقوت نے معجم البلدان[1] طبع یورپ ج۴ ص۲۶۶ پر لکھا ہے: "**کَرمَان ایضاً مدینه بین غزنه دبلاد الهند من اعمال غزنه بینهما اربعة ایام اونحوها.**"

فہرست اعلام میں غزنوی بادشاہوں کے متعلق وہی ماخذ دیکھیے جو مشہور ہیں۔ طبقاتِ ناصری[2] آپ کے سامنے ہے۔ راورٹی کے حواشی بھی دیکھیے یعنی ترجمۂ طبقات ج۱ ص ۶۷ تا ۱۱۵۔ ابن اثیر[3] بھی دیکھیے اور ماخذوں میں Barthold J.A.S Turkistan, Gibb Trust Publication بھی مفید ہے۔ Bengal 1886 LV. 1st Part میں ایک مضمون The Decline of the Jawanis بھی شاید کچھ مفید ہو۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج۲ ص۱۶۳ پر دیکھیے۔

"وزراء کے لیے وہ کتابیں دیکھیے جو وزرا کے حالات پر ہیں۔ سلطان سنجر کے لیے Encyclopadia of Islam اور راحۃ الصور راوندی اور ایسے ہی اور مآخذ دیکھیے۔ محمود بن بغرا خان غالبًا ایلک خانی (آل افراسیاب) سے ہے۔ ان کا شجرہ اور سنین Zambour کی کتاب Manuel de Genalogie کے ص۲۰۶ پر دیکھیے۔"

علماء کے حالات طبقات کی کتابوں میں شاید ملیں۔ مثلاً "طبقات الشافعیۃ الکبریٰ"[4] وغیرہ میں۔ اگر ان میں سے بعض شافعی تھے۔ اگر کوئی حنفی تھے تو طبقاتِ حنیفہ میں دیکھنے چاہئیں۔ تاریخ بیہق[5] علی زید بیہقی[6] کی بھی شاید مفید ہو۔ رسالوں کے لیے کالج والوں کو لکھ رہا ہوں میں ان شاء اللہ ۲۷، کو لاہور واپس جا رہا ہوں۔ وطواط والا مضمون شاید آپ کو مفید نہ ہو، اس لیے کہ آپ کو تو صرف وہ نام چاہئیں جن کی تلاش میں آپ ہیں۔ ہر مضمون میں خطوں کے اقتباسات ادبِ عربی کے نقطۂ نظر سے دیئے گئے ہیں۔

والسلام　محمد شفیع

(۷)

انگریزی خط کا اردو ترجمہ

جنابِ من! تسلیم

نزہت القلوب[1] ص۱۰: سقسین و بلغار ۳۲ درجہ مکہ مکرمہ سے ۷۵۰ فرسنگ کے فاصلے پر۔

ص۲۱: ایران کے حدود شمال میں:۔ سند، کابل، صغانیان، ماوراء النہر "خوارزم تا حدود سقسین و بلغار" (ملاحظہ کیجیے زیرِ تحریر مقالے کا آخری صفحہ)

ص۲۳۹: بحرِ خزر (Caspian Sea) کے متعلق کہا ہے: "بر طرفِ شرقِ ایں دریا خوارزم و سقسین و بلغار است و بر شمال دشتِ خزر و بر غرب الان کوہ و کوہ لگزی واران و بر جنوب جیلان و مازندران۔"

ص۲۵۹: سقسین و بلغار دو شہر کوچک است از اقلیم ۶، صحاری وولایاتِ بسیار بداں منسوب است۔ اکثر مو ینہ از

آنجا آوردند معجم البلدان، یاقوت ۴: ۶۷

منقشلاغ حدود خوارزم میں ایک مضبوط قلعہ ہے جو حدود خوارزم کے آخر میں ہے۔ وہ خوارزم سقسین اور نواحی روس کے درمیان واقع ہے اور اس بحر سے قریب ہے جس میں جیحوں گرتا ہے یعنی بحرِ طبرستان۔

حاصل اُوپر کی عبارتوں کا یہ ہے کہ ایک شہر جس کو سقسین کہتے تھے وہ 67 E. Long and 53 N Lat پر دریائے یبق (ارال) کے کنارے تھا۔ Sprumer Menke, Historical Atlas میں علاقہ سقسین اسی نواح میں دکھایا ہوا ہے (بارھویں صدی عیسوی) دیکھیں اس کی منسلکہ نقل۔ پندرھویں صدی عیسوی میں یہ وجوہ ہیں۔ حملہ ہائے مغول میں وہ موجود تھا چنگیز خان نے اس کو فتح کیا۔ گزیدہ ۱: ۵۷۲)

اس کے محلِ وقوع کے متعلق اختلاف ہے بعض مصنفین نے اس کو Drieper بعض نے Volga کے کنارے بھی اس کا محلِ وقع متعین کیا ہے۔

بظاہر نقشے والا محل زیادہ قرینِ قیاس ہے یہ علاقہ تقریباً وہاں ہوگا جہاں اب Overberg کا علاقہ ہے۔

حدود العالم[2] کے ایڈیٹر نے صفحہ ۴۵۳ پر ایک نوٹ لکھا ہے جس میں سقسین کو اتل شہر کے مترادف قرار دیا ہے۔ اس شہر کا محلّ وقوع استرخان سے اوپر اور دریائے والگا (اتل) کے دہانے پر تھا۔

بہر حال ''سقسین'' کا ہندوستان سے کوئی علاقہ نہیں۔

(۸)

اورینٹل کالج لاہور

مکرمی! تسلیم

خط ملا۔ ارسلان[1] بے شک آلِ داؤد سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کی ماں داؤد سلجوقی کی پڑ پوتی تھی یا یوں کہنا چاہیے کہ مہدِ عراق[2] (زوجہ مسعود ثالث) داؤد کی پڑ پوتی تھی۔ بظاہر ارسلان اسی کے بطن سے تھا مگر یہ تاریخ میں دیکھنا چاہیے۔[3] بمبئی ایڈیشن مسعود سعد سلمان[4] کا دیوان پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں ہے۔

والسلام! محمد شفیع

داؤد طغرل بک[5]

الپ ارسلان[6]

ملک ارسلان

مہدِ عراق (زوجۂ مسعود ثالث ابنِ ابراہیم غزنوی)

سنجر [7]　　ملک ارسلان　　بہرام شاہ

مسعود کی بیوی مہدِ عراق، ملک شاہ بن الپ ارسلان بن داؤد کی بیٹی ہے پس ارسلان ماں کی طرف سے آلِ داؤد سے متعلق ہے۔

(۹)

University - of - the Punjab
Department of Urdu Encyclopedia of Islam
K.B.M Mohammad Shafi (M.A. (P) M.A (CANTAB), Chairman Editorial Board.
Urdu Encyclopedia of Islam, University of the Punjab, Lahore.
No. 103/Contr. University Buildings, Lahore. 26-01-1955 *

مکرمی! وعلیکم السلام

۲۰، جنوری کا عنایت نامہ موصول ہوا۔ مہربانی سے ذیل کے مضامین پر اس طرز کے مقالے لکھیے جیسے لائیڈن انسائیکلوپیڈیا میں فارسی شعراء پر موجود ہیں:

۱۔ اریب صابر[۱]   ۲۔ سوزنی[۲]   ۳۔ عماری غزنوی[۳]   ۴۔ عماری شہریاری[۴]   ۵۔ نجیب الدین جربادقانی[۵]

ذیل کے مقالے، لائیڈن انسائیکلوپیڈیا میں موجود ہیں ان کی نظرِ ثانی مطلوب ہے۔

۱۔ ملک ارسلان   ۲۔ نسائی   ۳۔ عبدالواسع جبلی[۶]   ۴۔ معزی

امید ہے کہ آپ کے پاس لائیڈن انسائیکلوپیڈیا موجود ہے جو آرٹیکل آپ رکھتے جائیں وہ بھیجتے جائیں۔ لیکن مجھ کو اپنی پہلی فرصت میں اطلاع★ ضرور دیجیے کہ آپ مندرجہ بالا مقالے جلد لکھیں گے۔

والسلام! محمد شفیع

(۱۰)

یکم اگست ۱۹۵۹ء

عزیز القدر خان صاحب!

۲۷، جولائی کا عنایت نامہ موصول ہوا۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا کوئی فارسی دیوان کتبِ ماخذ میں مذکور نہیں۔ نول کشور نے رطب و یابس ہر قسم کی کتابیں شائع کیں۔ اس میں یہ دیوان بھی ہوگا۔ اس کا نسخہ میرے سامنے نہیں ہے اس لیے یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ دیوان کس کا ہے۔ اُردو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کا پہلا اور دوسرا فیسیکیول چھپ گیا ہے اور تیسرا زیرِ طبع ہے۔ ان کے ملنے کا پتہ یہ ہے:

''یونیورسٹی سیلز ڈپو پنجاب یونیورسٹی لاہور''

قیمت فی فیسیکیول یونیورسٹی نے پانچ روپے رکھی ہے۔   والسلام! مخلص

دستخط (محمد شفیع)

(۱۱)

۳۱، اگست ۱۹۵۹ء

مکرمی!

آپ نے اگلے دن ''دیوانِ محیی'' ★★ کے متعلق دریافت فرمایا تھا۔ یہ دیوان نول کشور نے ایک مرتبہ بلا تاریخ اور ایک مرتبہ ۱۸۶۹ء میں چھپوایا تھا (جو میرے سامنے ہے) شاید اور ایڈیشن بھی ہوں۔ اس کے قلمی نسخہ کا حال ریو فہرست نسخ فارسیہ در برٹش میوزیم ص ۶۹۶ پر ملاحظہ فرمائیں۔ اس نسخہ میں بھی (مطبوعہ نسخوں کی طرح) شیخ محی الدین عبدالقادر گیلانیؒ (م ۵۶۱ھ) کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ شپرنگر: فہرست اودھ ص ۵۰۱ پر بھی ایک نسخہ کا حال دیا گیا ہے مگر وہ برٹش میوزیم کے نسخہ کے ساتھ نہیں ملتا اور ۱۸۶۹ء کا مطبوعہ نسخہ ہے اس کا آغاز یہ ہے:

بے حجابانہ درآ از درِ کاشانۂ ما　　　که کسے نیست بجز دردِ تو درخانۂ ما

فہرست شپرنگر والے نسخہ کا آغاز بھی یہی ہے۔ شپرنگر نے ایک اور نسخہ کا ذکر بھی کیا ہے جو ایشیاٹک سوسائٹی میں ہے جس کا آغاز اور ہے اور شاعر کا تخلص قادری ___ مگر برٹش میوزیم کے نسخہ کا آغاز یہ ہے:

اے تمنای جمالت جانِ جانہا سوختہ　　　آتشِ سودای عشقت خانمانہا سوختہ

یہ غزل ۱۸۶۹ء کی طباعت میں سرے سے ہے ہی نہیں۔ غرض یہ معلوم ہوتا ہے کہ دو تین شاید علیحدہ علیحدہ دیوان حضرت شیخؒ کی طرف منسوب کر دیے گئے ہیں۔ ایہ قیاس ہے صحیح فیصلہ ان نسخوں کو دیکھنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔

''ریو'' نے ٹھیک لکھا ہے کہ وہ حضرت شیخؒ کے معتبر مصنفات کی فہرست میں کوئی دیوان مذکور نہیں۔ یہ محیی غالباً کوئی اور شاعر ہے۔ محیی لاری صاحبؒ فتوح الحرمین کو بھی نول کشور کے اڈیشن (۱۲۹۲ء) میں حضرت شیخؒ ہی کی طرف منسوب کر دیا گیا تھا (ریو: فہرست مذکور ص ۶۵۵)

دیوان مطبوعہ کی زبان اور تخیل ساتویں صدی کی زبان اور حضرت شیخؒ کا تخیل نہیں معلوم ہوتا۔ دنیا کو قلندر خانۂ عشق کہا ہے (۴۴) قلندروں کا ذکر غالباً شیخؒ کے زمانے کے بعد کا ہے۔ بنگ خوری کا ذکر بھی ص ۶ و ۱۳ پر آیا ہے۔

بنگ کا رواج غالباً شیخؒ کے زمانے میں نہ تھا۔ خطط مقریزی (منقول در ڈیساس: کتاب الانیس المفید ۱:۱۱۶) پر ہے کہ عراق میں بنگ کا رواج ۶۲۸ھ سے شروع ہوا۔ اس سے پہلے ''لم یکن یعرف اکلها اهل العراق۔'' خراسان میں شیخ حیدر سرِ سلسلۂ حیدریہ (متوفی ۶۱۸ھ) نے بنگ نوشی کا رواج ۶۰۸ھ کے قریب اپنے متبعین میں شایع کیا۔ پھر سنہ مذکورہ ۶۲۸ھ میں عراق میں اس کا رواج ہوا۔ بعض نے کہا ہے کہ سب سے پہلے پیر رتن (حاجی رتن مدفون بٹھندہ) نے ہندوستان میں بنگ کا استعمال شروع کیا۔ وہاں سے بنگ ۶۲۸ھ میں یمن میں، وہاں سے فارس، وہاں سے عراق، روم و شام و مصر میں پہنچی۔ بہرحال مقریزی کے بیان سے ظاہر ہے کہ شیخؒ

کے زمانے میں اس کا رواج عراق میں ابھی نہ ہوا تھا۔ PARA ص ۲۲ پر ایک شعر کا مضمون ہے کہ ''لافِ سخن مزن ہنوزت خدمتِ استاد باید کرد۔''

شیخ سے کہا توقع ہے کہ وہ فارسی شعر گوئی کی مشق استاد کی رہنمائی میں کر رہے ہوں گے؟

ص ۵۸ پر معشوق سے کہہ رہے ہیں:

میل دائم جانب زندانِ بازاری کنی

یہ شیخ کا کلام ہو سکتا ہے؟ مصنف دیوان (دیوان ص ۱۰، ۱۱، ۲۲) میں اپنی ''آخرِ عمر'' اور پیری کا ذکر کر رہا ہے۔ دیوان مطبوعہ ص ۳۵ پر ہے:

بارِ امانت گراں بندۂ توئی ناتواں　　بارِ ترامی کشم محیی گیلانِ خویش

اس شعر کے باوجود حضرت شیخ کی طرف اس انتساب کو صحیح ماننا بہت مشکل ہے۔ تذکروں میں محیی شاملو ایک محیی ہمزمانِ شاہ طہماسپ میر محیی، محیی شیرازی وغیرہ کا ذکر آیا ہے مگر محیی گیلانی ان میں نظر سے نہیں گزرا۔ تعجب ہے صاحب صبح گلشن سے کہ مطبوعہ دیوان کی پہلی غزل کے چند شعر جناب شیخ کے ترجمے میں ص ۳۹۰ پر دیے ہیں گویا وہ دیوان کو آپؒ کی طرف صحیح طور پر منسوب مان رہے ہیں۔ والسلام!

مخلص:

دستخط (محمد شفیع)

مکرر یہ کہ ممکن ہے یہ سطور میں پریس میں دے دوں آپ کے ذکر کے بغیر۔

(۱۲)

۷، ستمبر ۱۹۵۹ء

مکرمی!

آپ کا عنایت نامہ ابھی پہنچا۔ سندھ میں روزانہ اخبار ''مہران'' کے نام سے سندھی میں شایع ہوتا ہے۔ انھوں نے مجھ سے اپنے سالانہ نمبر کے لیے مضمون مانگا ہے۔ کوئی مضمون تیار نہیں نہ تیار کرنے کی فرصت ہے۔ دفع الوقتی کے خیال سے میں چاہتا ہوں کہ یہ خط جو دیوان کے متعلق ہے انھیں بھیج دوں بشرطیکہ انھیں یہ مطلوب ہو۔

آپ نے جو حوالے دیے ہیں وہ اکثر قابل توجہ ہیں لیکن میری ایڈیشن میں ان میں سے متعدد نظر سے نہیں گزرے، دوبارہ دیکھوں گا، شاید پہلی قرأت میں نظر نہ پڑے ہوں۔

تخلص کا مسئلہ ذرا ٹیڑھا ہے۔ سنائی[۱]، انوری[۲] وغیرہ غزلوں میں اکثر تخلص لا رہے ہیں۔ ہاں یہ بات غور طلب ضرور ہے کہ یہ غزلیں کہاں تک ان شعراء کی طرف درست طور پر منسوب ہیں۔

جناب شیخ عباسی دور میں تھے اور سیاہ پوشی عباسیوں کے یہاں رائج تھی۔

جن الفاظ کا آپ نے ذکر کیا ہے ان کا تتبّع اگر ہو سکے تو مفید مطلب ہے لیکن یہ کام عجلت کے نہیں ہیں۔ ان الفاظ کو لٹریچر میں تلاش کرنا پڑے گا مثلاً ''تابوت'' ہی کو لے لیجیے یہ کلیاتِ سعدی میں موجود ہے اور فرہنگِ آنندراج میں اس سے معنیِ معلوم میں استناد کیا گیا ہے اگرچہ ''کلیات'' طبع ایران میں اس قصیدے کے منسوب بہ شیخ سعدیؒ[۳] بتایا گیا ہے۔ یعنی اس کا سعدیؒ کے کلام سے ہونا محقق نہیں۔ بہرحال ان الفاظ کا تتبع کیجیے شاید کوئی مفید مطلب نتائج حاصل کر سکیں۔

والسلام!

مخلص: دستخط (محمد شفیع)

(۱۳)

۲۲/ستمبر ۱۹۵۹ء

مکرمی!

میں نے ایک خط میں وہ وجوہات بیان کیے تھے جن کی بنا پر میں مطبوعہ دیوان حضرت غوثِ اعظمؒ کو ان کی طرف صحیح طور پر منسوب نہیں مانتا۔ میں نے اس کی نقل رکھی تھی مگر وہ اب نہیں ملتی۔ اگر ممکن ہو تو وہ خط چند دن کے لیے میرے پاس واپس بھیج دیں۔ بعد مراجعت اسے واپس کر دیا جائے گا۔ اس زحمت دہی کے لیے معافی چاہتا ہوں۔ والسلام!

مخلص: دستخط (محمد شفیع)

(۱۴)

۵/اکتوبر ۱۹۵۹ء

عزیز القدر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب سلّمہٗ!

''دیوان محیی'' کے متعلق کاغذ موصول ہو گیا، شکریہ! بعد مراجعت وہ واپس کر رہا ہوں۔ مقریزی[۱] نے خراسان اور فارس کے رواج کا اعتراف کیا ہے مگر شاید عراق کا نہیں۔ صاحب زادہ ★فضل اللہ فاروقی کے حسبِ حال لائبریری میں دو سو کی ایک آسامی خالی ہے جو چھ چھ ماہ کے بعد قابلِ تجدید ہوتی ہے۔ میں ان کی عرضی وائس چانسلر صاحب کو بھیج تو رہا ہوں۔ اگر صاحبِ موصوف نے توجہ فرمائی تو اطلاع دوں گا۔ آپ کو ان پر اور ان کی اہلیتوں پر پورا اعتماد ہے؟ اگر وہ لاہور آنے کے صرفہ کے متحمل ہو سکیں اور مجھے مل لیں تو میں وثوق کے ساتھ ان کے متعلق کچھ کہہ سکوں۔

''میخانہ''[۲] اب کلیتہً نایاب ہے۔ اس کا دوسرا ایڈیشن ایران میں بھی مطلوب ہے۔ اگر سو نسخے نکل سکیں تو طباعتِ ثانیہ کا بندوبست کروں۔ مطلع سعدین[۳] کی جلد اوّل بھی اب نایاب ہے۔ صرف جلد دوم ملتی ہے۔ والسلام!

مخلص: دستخط (محمد شفیع)

(۱۵)

۳۱، اکتوبر ۱۹۵۹ء

عزیز القدر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان سلّمہٗ !

مبارک باد کا بہت بہت شکریہ۔ آپ ہی لوگوں کی دعاؤں سے یہ اعزاز ★★ مجھے ملا ہے۔ آپ کی ترقیٔ درجات کے لیے دعا ہے۔

آپ کا عنایت نامہ اس سے پہلے بھی موصول ہوا تھا۔ مقریزی نے واضح طور پر لکھا ہے کہ خراسان میں حشیش کا استعمال تھا عراق میں نہیں تھا اس لیے باطنیوں کی بھنگ خوری سے انکار نہیں۔ صرف یہی کہا گیا ہے کہ جہاں حضرت شیخ★ تھے اس کا رواج نہ تھا۔

دعواتِ صالحہ

مخلص دستخط (محمد شفیع)

(۱۶)

۱۰/ دسمبر ۱۹۵۹ء

عزیز القدر ڈاکٹر صاحب سلمہٗ !

۷/ دسمبر کا عنایت نامہ موصول ہوا۔ بہت بہت شکریہ!

''میخانہ'' کی طباعت موجودہ حالات میں ذرا مشکل ہے بجز اس صورت کے کہ اسے بجنسہٖ سابق ایڈیشن کے مطابق چھاپ دیا جائے لیکن میرا دل نہیں مانتا کیونکہ زائد مواد فراہم ہو چکا ہے۔ اگر آپ یہاں کہیں قریب ہوتے تو آپ یہ کام سرانجام دیتے۔ مطلع السعدین کی جلد اول حد سے زیادہ نایاب ہے۔ دائرہ معارف کے کام نے یہ تمام مشاغل روک دیے ہیں۔ اب آئندہ دیکھیں کوئی صورت پیدا ہوتی ہے یا نہیں۔

فاروقی صاحب★ کو تاکید لکھیں کہ کارِ مفروضہ محنت اور ہوشمندی سے سرانجام دیں۔ ان کی کامیابی کا دارومدار کام پر ہے۔

والسلام!

مخلص دستخط (محمد شفیع)

(۱۷)

۲، جولائی ۱۹۶۰ء

مکرمی!

مئی کے وسط میں آپ کا ایک عنایت نامہ ملا تھا۔ اب وہ کاغذ پھر میرے سامنے آیا ہے، یاد نہیں پڑتا کہ اس کا جواب دے چکا ہوں یا نہیں۔ اس لیے مکرر لکھتا ہوں۔ مولوی محمد مسعود احمد صاحب تشریف لائے تھے، ان سے ان کے مقالے کے متعلق مفصل گفتگو ہوئی بلکہ دلی جانے کے بعد بھی انھوں نے دو ایک خط لکھے ہیں اور بعض مسائل دریافت کیے ہیں۔

دیوانِ محیی پر مقالہ ابھی تک شروع نہیں ہوا۔ ’’مہران‘‘ والوں کی فرمائش پر انھیں بھیجنا چاہتا تھا مگر ان کی طرف سے تقاضا نہ آیا اور یوں اس کے سندھی میں چھپنے سے مجھے خاص دلچسپی بھی نہیں اس لیے وہ ابھی تک پڑا ہے۔ خصوصاً اس لیے کہ اس کی صورت سوال و جواب کی تھی۔

دیوان احمد جام★ کی نسبت جناب احمد سے ممکن ہے مشتبہ ہو لیکن ظہیر[۱] کے متعلق ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ایک تو اس کا دیوان ہی مختصر ہے دوسرا یہ کہ پرانی کتابوں میں ظہیر کے جو اشعار اتفاقاً آ گئے ہیں وہ دیوان میں ملتے ہیں۔ آپ دیوان کے اشعار کا تذکروں سے مقابلہ کر دیکھیے۔ مثلاً مجمع الفصحا، لباب الالباب، دولت شاہ سے اور جو تذکرے آپ کو میسر آ جائیں ان سے۔

میں نے ایک دفعہ پوچھا تھا کہ حیدر آباد سے قریب ہی کوئی جگہ سید پور[۲] بھی ہے کہ نہیں؟ آپ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اگر ہو سکے تو توجہ فرمائیں۔

والسلام

مخلص (دستخط محمد شفیع)

حواشی: الف

خط نمبر ۷

★ بعد کے سارے خط اسی لیٹر فارم پر لکھے گئے۔

★★ ڈاکٹر صاحب کے ارشاد کی تعمیل میں ۱۵ مضامین انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے لیے بھیجنے کا موقع حاصل ہوا۔

خط نمبر ۹

★ دیوانِ محی گیلانی کو حضرت عبدالقادر جیلانیؒ نے منسوب کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو اسی کے لیے لکھا تھا۔ راقم الحروف نے پھر ایک صاحب سے ان کے ایم۔ اے کے لیے اسی موضوع پر مقالہ لکھوایا تھا۔

خط نمبر ۱۲

★ میرے دوست ہیں جن کی ملازمت کے لیے ڈاکٹر صاحب نے کوشش فرمائی تھی۔

خط نمبر ۱۳

★ ڈاکٹر صاحب کو حکومت پاکستان کی طرف سے اعزاز ملنے پر یہ خط لکھا گیا تھا۔

★★ حضرت شیخؒ سے مراد عبدالقادر جیلانیؒ ہیں جن سے دیوانِ محی منسوب کر دیا گیا ہے۔

خط نمبر ۱۴

★ میرے دوست فضل اللہ فاروقی صاحب کو ڈاکٹر صاحب نے پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں مقرر کرا دیا تھا۔

خط نمبر ۱۵

★★ راقم الحروف کو یقین ہے کہ حضرت احمد جامؒ اور ظہیر فاریابی سے منسوب شدہ غزلیات کا مطبوعہ دیوان بعد والے ہم نام شاعروں کا کلام ہے اسی لیے یہ استفسار کیا گیا تھا۔

حواشی: ب

خط نمبر ۱:

۱؎ **سید حسن غزنوی:** شاعر کا نام حسن تھا اور حسینی سید ہونے کے سبب شاعر کے القاب مختلف تذکروں میں مختلف ہیں ''تاج الدین'' دو جگہ ہے اشرف الدین لقب ہے۔ وطن کے متعلق سب تذکرے متفق ہیں کہ وہ غزنین کا تھا۔ شاعر کے سال ولادت کے متعلق سب تاریخیں اور تذکرے خاموش ہیں۔۔۔ ایک اندازے کے مطابق وہ ۱۰۷۸ء تک ضرور پیدا ہو چکے ہوں گے یہ گمان ہے قطعی فیصلہ نہیں۔ تمۂ صوان الحکمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کہ سید اشرف حسن غزنوی کے استاد محمد بن مسعود غزنوی تھے جو فلسفی ادیب اور مہندس تھے۔ حسن غزنوی کا صرف کلیات ہی ملتا ہے بقیہ تصانیف نہیں ملتی اس پر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس نے اپنے استاد سے صرف ادب کی تعلیم حاصل کی۔ شاعر کا کلام دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ سنائی کا ہم عصر تھا۔ حسن غزنوی کی مقبولیت کا ایک سبب بہرام شاہ کے ایک سکے پر اس کا شعر کندہ ہے۔ ترین قیاس ہے کہ شاعر کا انتقال ۵۵۶ھ ۱۱۶۱ھ میں ہوا۔ (مزید مطالعے کے لیے ملاحظہ ہو ''سید حسن غزنوی حیات اور ادبی کارنامے'' از ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان، ادارۂ یادگارِ شیفتہ، لاہور)

۲؎ **دیوانِ حسن، سید حسن غزنوی کا دیوان:** ڈاکٹر صاحب کا یہ مقالہ دو حصوں پر مشتمل تھا۔ ڈاکٹر مسرور احمد زئی اپنے پی ایچ ڈی مقالے میں لکھتے ہیں کہ: ''یہ مقالہ ۱۹۴۶ء میں مکمل ہوا۔ مقالے کے دو حصے تھے، ایک شاعر سے متعلق تھا جو اردو میں تھا اور دوسرا شاعر کے ممدوح بہرام شاہ سے متعلق تھا اور وہ انگریزی میں تھا۔۔۔ آپ کو شاعر سے متعلق اردو حصے پر پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی گئی۔'' (ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان: حیات اور علمی و ادبی کارنامے، ڈاکٹر مسرور احمد زئی، ادارۂ انوارِ ادب، حیدر آباد، ۲۰۰۶ء)

۳؎ **حافظ محمود شیرانی** (۱۸۸۸ء۔۱۹۴۶ء) ٹونک میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۹۹ء میں اورینٹل کالج لاہور سے منشی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ قانون کی تعلیم کے لیے لندن چلے گئے۔ وہاں سر ٹامس آرنلڈ نے انھیں اپنا ریسرچ کے کام کے لیے مددگار بنا لیا۔ لندن سے واپسی پر اسلامیہ اورینٹل کالج لاہور میں پروفیسر مقرر ہوئے۔

قلمی کتابیں اور تاریخی سکے جمع کرنا ان کا مشغلہ تھا۔ وہ خطاطی، مصوری اور نقاشی سے بھی دل چسپی رکھتے تھے، انھیں فارسی اور اردو زبان و ادب پر عبور حاصل تھا۔ انھوں نے قابوس نامہ اور فردوسی کے شاہ نامہ پر کئی مضامین لکھے ان کی ''تنقید شعر العجم''، شبلی کی ''شعر العجم'' کی تاریخی غلطیوں کی نشاندہی کرتی ہے۔ قدرت اللہ قاسم کے تذکرہ ''مجموعہ نغز'' کو مبسوط مقدمے کے ساتھ شائع کیا۔ ''پنجاب میں اُردو'' کے بعد آپ کو ماہرِ لسانیات بھی سمجھا جانے لگا۔ آپ کے مقالات دو جلدوں میں ''مقالاتِ شیرانی'' کے نام سے مجلس ترقی ادب لاہور نے ۱۹۶۶ء میں شائع کیے۔ (انسائیکلو پیڈیا ادبیاتِ عالم، اسلام آباد، اکادمی ادبیات، ص ۴۷)

۴ علوم مشرقیہ کی تحقیق کا ماہ وار جریدہ اورینٹل کالج میگزین، فروری ۱۹۳۵ء میں لاہور سے جاری ہوا۔ پروفیسر محمد شفیع اس کے مدیر اوّل تھے۔ اغراض و مقاصد کے تحت لکھا گیا کہ اس پرچے کا مقصد طلبا میں شوق پیدا کرنے کے علاوہ علوم مشرقیہ کی تحریک اور تقویت بھی ہے۔ چنانچہ ایسے مضامین کو فوقیت دینے کا اعلان کیا گیا جن میں مضمون نگاروں نے اپنی ذاتی تحقیق سے نتائج اخذ کیے ہوں۔ اس ضمن میں مفید قلمی رسائل کی اشاعت میں بھی دل چسپی کا اظہار کیا گیا اور جریدے کے اس مزاج کو زمانۂ حال تک قائم رکھنے میں کامیابی حاصل کی گئی۔ (ڈاکٹر انور سدید، ’’پاکستان میں ادبی رسائل کی تاریخ‘‘، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۹۲ء)

۵ پنجاب یونیورسٹی میں حافظ محمود شیرانی کا تقرر بہ حیثیت لیکچرر یکم اکتوبر ۱۹۲۸ء کو ہوا۔ ۵۵ سال ہونے پر ان کی ملازمت ختم ہونے لگی تو ان کی حسن کارکردگی کے صلے میں ان کی مدتِ ملازمت میں دو سال کی توسیع کر دی گئی۔ ۱۵/ اکتوبر ۱۹۴۰ء سے وہ ساڑھے آٹھ ماہ کی فرلو پر روانہ ہوئے۔ فرلو کے ختم ہونے پر ان کا سلسلۂ ملازمت یونیورسٹی بالکل ختم ہوا۔‘‘ (مقالات محمد شفیع، جلد سوم، احمد ربانی، (مرتب) مجلس ترقی ادب، لاہور، ص ۳۴۱)

٦ **بہرام شاہ:** یہ سلطان مسعود سوم کا بیٹا اور ملک ارسلان کا بھائی تھا۔ ملک ارسلان کی تخت نشینی کے وقت تکین آباد میں تھا۔ بہرام شاہ تکین آباد سے کرمان گیا جہاں سلطان سنجر نے اس کی بہت قدر کی پھر ایک لشکرِ جرار کے ساتھ ۸۱۰ھ میں بہرام شاہ کو لے کر خود بھی غزنین کی طرف روانہ ہوا۔ ۲/ شوال ۵۱۰ھ کو سنجر غزنہ میں داخل ہوا اور بہرام شاہ کو تخت نشین کرایا۔ ایک ہزار دینار یومیہ خراج مقرر کیا۔ ملک ارسلان کے ایک بار پھر بہرام شاہ پر حملہ کیا لیکن شکست فاش ہوئی اور قتل ہوا۔ بہرام شاہ کا علم سیاہ تھا۔ علم میں شیر کی تصویر تھی اور ہلال بھی تھا۔ بہرام شاہ کا چتر سیاہ تھا اور تاج سفید تھا۔ علاء الدین حسین جب غور کا حاکم ہوا تو جلد ہی وہ ایک بڑی فوج لے کر غزنہ پر حملہ آور ہوا اور بہرام شاہ کو شکست فاش دی۔ علاء الدین کی ہرات کے مقام پر سنجر سے جنگ ہوئی جس میں اسے شکست ہوئی یوں ۵۴۷ھ میں بہرام شاہ پھر غزنہ واپس آیا۔ بہرام شاہ ۵۴۷ھ کے بعد ۵۵۲ھ تک زندہ رہا۔ (اردو دائرۂ اسلامیہ، جلد ۵، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۱۹۷۱ء، ص ۱۲۵۔ ۱۲۹)

خط نمبر ۲:

۱ **آداب الحرب:** کتاب ’’آداب الحرب والشجاعۃ‘‘ علم حرب پر ایک تصنیف ہے جس کا مصنف شریف محمد بن منصور مقلب بمبارک شاہ معروف بفخر مدبر قریشی ہے۔ شریف محمد نے ’’آداب الحرب‘‘ کو سلطان شمس الدین ایلتمش کے نام معنون کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب ۶۰۷ھ اور ۶۳۳ھ کے درمیان لکھی گئی جو ایلتمش کی حکومت کا زمانہ ہے۔ یہ فنِ حرب پر نہایت اہم اور نادر تصنیف ہے۔[۱] ’’آدابِ الحرب‘‘ کی ایک دوسری روایت ہے جو ’’آدابِ الملوک و کنایہ الملوک‘‘ کے نام سے ہے۰۰۰ اس میں اور ’’آدابِ الحرب‘‘ میں بنیادی فرق یہ ہے کہ آدابِ الحرب میں ۳۴ ابواب ہیں اور آداب الملوک میں چھے ابواب زائد ہیں۰۰۰ ’’آدابِ الملوک‘‘، ’’آداب الحرب‘‘ کا دوسرا ایڈیشن ہے۔ جس میں کافی تجریدِ نظر ہوئی جگہ جگہ عبارتوں میں تبدیلی اور مطالب میں کمی بیشی کی گئی اور چھے ابواب کا اضافہ کر کے اس کا دوسرا عنوان قرار دیا گیا۔[۲] (۱۔ محمد شفیع: مرتب احمد ربانی (ایم۔ اے) مقالات محمد شفیع مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۷۴ء، ص ۲۵۲۔ ۲۔ مضمون: ’’فخرِ مدیر اور اس کی شجرۂ نسب‘‘ از ڈاکٹر نذیر احمد مضمون مشمولہ ’’تحقیق‘‘ شمارہ (۱۰۔ ۱۱)، شعبۂ اُردو، سندھ یونیورسٹی، جام شورو، ص ۱۰۲۔)

۲ **شجرۂ انساب:** فخر مدبر کی دوسری کتاب شجرۂ انساب ہے۔ اس کو دوسرے اور نام ’’بحر الانساب‘‘ سے بھی موسوم کیا گیا ہے۰۰۰ ’’شجرۂ الانساب‘‘ ۶۰۲ء میں مکمل ہوا تو مصنف نے اسے معز الدین محمد بن سام کی خدمت میں پیش کرنا چاہا مگر اس میں کچھ رکاوٹ ہوگئی یہاں تک کہ اس کا انتقال ہوگیا جب قطب الدن ایبک تخت نشین ہوا تو یہ ضخیم کتاب اس کی خدمت میں پیش کی گئی۔ (مزید مطالعے کے لیے ملاحظہ ہو: مضمون بہ عنوان ’’فخرِ مدبر اور اس کا شجرۂ نسب از ڈاکٹر نذیر احمد مشمولہ تحقیق شمارہ (۱۰۔ ۱۱) ص ۱۹۷۔ ۱۹۸۔

۳۔ **تاریخ مبارک شاہی:** تاریخ مبارک شاہی کے مصنف شریف محمد بن منصور مطقب بمبارک شاہ معروف بفخرِ مدبر قریشی ہے۔ اس کتاب کے دیباچے میں مصنف نے اپنا اور اپنے خاندان کا حال مفصل بیان کیا ہے۔ (مقالات محمد شفیع، جلد سوم، احمد ربانی، (مرتب) مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۷۴ء، ص ۳۴۱)

خط نمبر ۳:

۱۔ **رشید الدین وطواط:** رشید الدین وطواط ایک ایرانی شاعر، باشندۂ بلخ اصل نام محمد بن عبد الجلیل العمری، پست، قامت اور حقیر صورت کے باعث اس کا لقب وطواط (ابابیل) پڑ گیا تھا۔ ایسے سلطان سنجر سلجوقی اور خوارزم شاہ اتسنر کے عہد میں عروج نصیب ہوا۔ وہ اتسز کا کاتب اور درباری شاعر تھا۔ ۹۷ برس کی عمر پا کر ۱۱۸۔۱۱۸۲ھ میں وفات پائی۔ منظومات کے علاوہ اس نے کچھ کتابیں نثر میں چھوڑی ہیں ''مطلوبِ کلِ طالب''، ''حدائق السحر''، ''فارسی دیوان''، ''عربی دیوان'' ان میں سے چند ایک ہیں۔ (دائرۃ المعارفِ اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۱۹۸۹ء، ص ۶۵۹۔۶۶۰)

خط نمبر ۶:

۱۔ **معجم البلدان:** دورِ عباسی کے خاتمے پر دنیائے اسلام کے سب سے بڑے جغرافیہ دان یاقوت بن عبداللہ الحمودی نے عالم گیر شہرت حاصل کی یاقوت کا زمانہ ۱۹۷۹ء سے ۱۲۲۹ء تک کا ہے۔ ''معجم البلدان'' (جغرافیائی ڈکشنری) ان کی تصنیف ہے ۔ اس کتاب کا مسودہ موصل میں ۱۲۲۴ء میں مکمل ہوا اور اس کی آخری تدوین ۱۲۲۸ میں حلب میں ہوئی۔ ''معجم البلدان'' میں مقامات کے نام حروف تہجی کی ترتیب سے ہیں جغرافیائی واقفیت کے علاوہ یہ ڈکشنری تاریخ، نیچرل سائنس اور انسانی نسلوں کے علم کا بھی بے نظیر ماخذ ہے۔ (اردو انسائیکلوپیڈیا، مطبوعہ فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۸۴ء، ص ۹۳۶ تا ۹۳۷۔)

۲۔ **طبقاتِ ناصری:** ''طبقاتِ ناصری'' تئیس طبقات پر مشتمل ہے۔ ہیئت کے اعتبار سے عمومی تاریخ ہے یہ تاریخ منہاج الدین جوزجانی نے ۶۵۸ھ میں تحریر کی اور خاندانِ غلاماں کے سلطان ناصر الدین محمود کے نام سے معنون کی ہے۔ (یحییٰ ابن احمد سرہندی: ''تاریخ مبارک شاہی''، ترجمہ ڈاکٹر آفتاب اصغر''، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۲۰۰۴ء، ص ۳۷۔)

۳۔ **ابن اثیر:** (۱۱۶۰۔۱۲۳۲ھ) مورخ، پورا نام عزالدین ابن الاثیر، الجریرہ (الجزائر) میں پیدا ہوئے۔ موصل اور بغداد میں تعلیم حاصل کی اور شام کی سیاحت کے بعد بقایا زندگی موصل کے مضافات میں ہی گزار دی۔ عرب مورخین میں ابن اثیر کا پایہ بہت بلند ہے۔ اُس کی تصانیف میں الکامل فی التاریخ، تاریخ دولۃ الاتا کیہ، اسد الغابۃ فی معروفۃ الصحابۃ اور اللباب بہت مشہور ہے۔ (مقصود ایاز، محمد ناصر (مرتب)، شخصیات کا انسائیکلوپیڈیا، لاہور، ص ۴۹)

۴۔ **طبقات الشافعیۃ الکبری:** اس کتاب کے مولف تاج الدین ابونصر عبدالوہاب بن علی بن علی عبدالکافی رسبکی ہیں یہ کتاب پہلی بار مصر سے ۱۳۲۴ھ کو الحسینی پرنٹنگ سے شائع ہوئی جب کہ دوسری بار نظر ثانی کے بعد پروفیسر محمود الحق الطناحی اور عبدالفتاح محمد ۱۳۸۳ میں دوبار شائع کی۔ (https/ar.m.wikipedia.org)

۵ **تاریخ بیہق:** ''تاریخ بیہق'' امام ابوالحسن علی بن ابی قاسم زید بیہقی کی تصنیف ہے جو فارسی میں ہے۔ مصنف نے کتاب کے شروع میں علاقہ بیہق کے ان بارہ حصوں کی تفصیل دی ہے جو امیر خراساں عبداللہ طاہر کے زمانے میں منقسم ہے کتاب کہ پہلے حصے کا نام ''اعلیٰ الرستاق'' لکھا ہے۔ اس کتاب کا ایک نسخہ برٹش میوزیم میں ہے اور ایک برلن میں۔ (مزید مطالعے کے لیے ملاحظہ ہو: ''احمد ربانی مرتب، مقالاتِ محمد شفیع'' جلد دوم، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۷۲ء کی حواشی، ص ۳۵۱)

۶ **علی زید بیہقی:** امام ابوالحسن علی بن ابی القاسم زید بیہقی قصات بیہق کے ایک مشہور خاندان سے تھے ان کی ولادت ۴۹۹ء میں ہوئی اور ۵۶۵ھ میں وفات پائی ان کی تصانیف کی مکمل فہرست یاقوت نے معجم البلدان میں دی ہے۔ (احمد ربانی: مرتب ''مقالاتِ شفیع'' جلد دوم، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۷۲ء، ص ۳۵۱۔)

خط نمبر ۷:

۱ **نزہت القلوب:** حمد اللہ مستونی: ''نزہت القلوب'' طبع لیسر ینج Le strange لائیڈن، ۱۹۱۳ء کا ۱۹۱۹ء GMXIII (اردو دائرۃ معارفِ اسلامیہ، جلد ۵، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۱۹۷۱ء، ص ج)

۲ **حدود العالم:** حدود العالم The Regious of the world، مترجم منورسکی V. Minor sky لنڈن ۱۹۳۷ء (GMS,XI سلسلۂ جدید۔ (اردو دائرۃ معارفِ اسلامیہ، ج ۱۴/۲، ص ج)

خط نمبر ۸:

۱ **ارسلان:** ابوالملوک سلطان مسعود کا بیٹا ملک ارسلان ۵۰۹ھ میں تخت پر متمکن ہوا۔۔۔ وہ بڑا بہادر، جواں مرد، شجاع اور جنگ جو تھا۔ طبقاتِ ناصری کے مطابق: بادشاہ ہوتے ہی اس نے اپنی سوتیلی والدہ مہدِ عراق سے اچھا برتاؤ نہیں کیا۔ اس لیے سلطان سلجوقی اس کا دشمن بن گیا اور بہرام شاہ کا معاون بن کر غزنہ پہنچ گیا ملک ارسلان نے سلطان سنجر سے جنگ کی شکست کھائی اور ہندوستان کی طرف چلا گیا وہاں بھی خستہ حالی میں رہا۔ ۵۱۱ھ میں انتقال کیا وفات کے وقت پینتیس سال کی عمر تھی۔ (منہاج السراج: طبقاتِ ناصری، جلد اوّل، مترجم غلام رسول مہر، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۷۵ء، ص ۴۳۱)

مسعود سوم غزنوی کی وصیت کے مطابق اس کا بڑا لڑکا شیر زاد تخت نشین ہوا۔ شعرائے معاصرین مثلاً ابوالفرج روئی اور مسعود سعد سلمان کے بعض قصاید سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عسیرزاد اپنے والد کی زندگی میں والی اور سپہ سالار رہ چکا تھا اور ''عضد الدولہ'' اس کا لقب تھا لیکن خود اس کی یک سالہ حکومت کے مطابق کوئی خاص علم نہیں ہے شاید اس لیے کہ اس کے تخت نشین ہوتے ہی بھائیوں کے درمیان جنگ شروع ہو گئی اور ملک ارسلان نے اپنے بھائی شیر زاد کو قتل کر دیا اور دوسرے بھائیوں کو یا تو قید کر دیا یا قتل کر دیا لیکن ایک بھائی بہرام شاہ جو تکین آباد میں اپنے باپ کے ساتھ اس کی وفات سے پہلے تک تھا بھاگ نکلا۔ ملک ارسلان نے جب میدان صاف پایا تو غزنین میں ''والسلطان الاعظم سلطان الدولہ'' کے لقب سے چہار شنبہ ۶ رشوال ۵۰۹ھ کو تخت نشین ہوا۔ ملک ارسلان کے سکوں کیا یک جانب ''السلطان الاعظم'' کندہ تھا اور دوسری طرف ہندی رسم الخط میں ''سرگاؤ'' اور اس کے اوپر ''شری سمنتا دیو'' کندہ تھا۔ سنجر کی فوج نے ملک ارسلان کو بہرام شاہ کے حوالے کر دیا تو اس نے کچھ عرصے تک تو اسے قید میں رکھا لیکن پھر رہا کر دیا ارسلان نے پھر ہاتھ پیر مارنے کی کوشش کی تو بہرام شاہ نے اسے جمادی الاخر ۵۱۲ھ میں قتل کر دیا اور وہیں غزنین میں اپنے والد مسعود سوم کی قبر کے پاس دفن کر دیا۔ (اردو دائرۃ المعارف، جلد ۲۱، لاہور پنجاب، ۱۹۸۷ء، ص ۵۷۱-۵۷۳)

۲ **مہدِ عراق:** مہدِ عراق، چغر بیگ ابوسلیمان داؤد کی لڑکی تھی جو غالباً عراق میں رہنے کی وجہ سے ''مہدِ عراق'' کے لقب سے مشہور ہوئی۔ (ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان، ''چند فارسی شعرا''، المصطفےٰ اکادمی، حیدرآباد، ۱۹۸۹ء، ص ۲۶۲)

۳ طبقاتِ ناصری: جلد اوّل میں ص ۴۳: پر ''مہدِ عراق'' کو ملک ارسلان کی سوتیلی ماں بتایا گیا ہے۔ جب کہ ''چند فارسی شعرا'' میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان ''دیوانِ مسعود سعد سلیمان کے اشعار کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''اگر شاعرانہ مبالغہ نہ ہو۔ بلکہ حقیقت ہو تو بھی یہی خیال ہوتا ہے کہ صرف ملک ارسلان ہی ان دو خاندانوں سے تعلق رکھتا تھا۔۔۔ اس بات کی مزید وضاحت حواشی میں اس طرح کرتے ہیں کہ ''اگر مہدِ عراق ارسلان کی ماں نہ ہوتی تو وہ سنجر کے پاس اسے تحائف کے ساتھ بہرام شاہ کے خلاف کیوں بھیجتا۔ (چند فارسی شعرا، ص ۲۶۲)

۴؎ **مسعود سعد سلیمان:** جب غزنوی حکومت کی شہرت عام تھی مسعود سعد سلمان کی ولادت لاہور میں ہوئی مسعود کا سالِ تولد کا تذکرہ نویس نے نہیں لکھا البتہ محمد قزوینی نے اس کا تولد ۴۳۸ اور ۴۴۰ھ کے مابین بتایا ہے ان کے والد اور دادا دربارِ غزنویہ سے تعلق رکھتے تھے والد کے انتقال کے بعد آپ غزنی دربار سے وابستہ ہوئے۔ سیف الدولہ کے عہد میں مسعود کو ''دیوانِ رسالت'' کا منصب ملا یہ دور بڑا آسودہ تھا۔ اس کے بعد مسعود نے اپنی زندگی کے اٹھارہ سال سیاسی تہمت کی وجہ سے قید و بند میں گزارے مسعود کا فارسی دیوان مشہور صوفی شاعر سنائی نے مرتب کیا۔

(مزید مطالعے کے لیے ملاحظہ ہو دائرۂ معارفِ اسلامیہ، جلد ۲۱، ص ۳ تا ۱۲)

۵؎ **طغرل بیگ:** رکن الدین ابو طالب (دورِ حکومت ۱۰۳۷ء۔۱۰۶۳ء) ایران کے سلجوقی خاندان کا بانی، مشہور فاتح، ترکان غز کی اولاد تھا جو بھیڑ بکریاں چرایا کرتے تھے۔ باپ کا نام میکائیل تھا۔ پہلے سلطان مسعود غزنوی کی حمایت میں لڑتا رہا مگر بعد میں نیشاپور پر قابض ہو گیا اور خراساں کا خود مختار فرماں روا بن گیا (شخصیات کا انسائیکلو پیڈیا، ص ۴۲۷)

۶؎ **الپ ارسلان:** الپ ارسلان ۲/محرم ۴۲۱ھ (۱۰/جنوری ۱۰۳۰ء) کو پیدا ہوا۔ باپ کی وفات پر ۴۵۱ھ میں اس کا تخت نشین بنا کیوں کہ اس کے چچا طغرل بیگ کے کوئی اولادِ نرینہ نہیں تھی اس لیے وہ چچا کا جانشین بھی بن گیا تھا گویا طغرل کی وفات پر الپ ارسلان تمام سلجوقی مقبوضات کا حکمران بن گیا۔ الپ ارسلان نے ۱۴ سال حکومت کی۔ آپ نے ۴۶۵ھ میں شہادت پائی۔ (طبقاتِ ناصری، جلد اوّل، ص ۴۵۱۔۴۵۷)

۷؎ **سنجر:** سلطانِ اعظم معز الدنیا والدین سنجر بن ملک شاہ بہت بڑا اور عالی قدر بادشاہ تھا۔ وہ علاقہ سنجار میں ۴۷۹ھ میں پیدا ہوا اور لگ بھگ باسٹھ سال حکومت کی ۵۵۲ھ کو مرو میں وفات پائی اس وقت سنجر کی عمر تہتر سال سے کچھ اوپر تھی۔ (طبقاتِ ناصری، ص ۴۶۱۔۴۶۹)

بہرام شاہ: یہ سلطان مسعود سوم کا بیٹا اور ملک ارسلان کا بھائی تھا۔ ملک ارسلان کی تخت نشینی کے وقت تکین آباد تھا۔ بہرام شاہ تکین آباد سے کرمان گیا جہاں سلطان سنجر نے اس کی بہت قدر کی پھر ایک لشکر جرار کے ساتھ ۵۱۰ھ میں بہرام شاہ کو لے کر خود بھی غزنین کی طرف روانہ ہوا۔ ۲۰/شوال ۵۱۰ھ کو سنجر غزنہ میں داخل ہوا اور بہرام شاہ کو تخت نشین کرایا۔ ایک ہزار دینار یومیہ خراج مقرر کیا۔ ملک ارسلان کے ایک بار پھر بہرام شاہ پر حملہ کیا لیکن شکست فاش ہوئی اور پھر قتل ہوا۔ بہرام شاہ کا علم سیاہ تھا۔ علم میں شیر کی تصویر تھی اور ھلال بھی تھا۔ بہرام شاہ کا چتر سیاہ تھا اور تاج سفید تھا۔ علاء الدین حسین جب غور کا حاکم ہوا تو جلد ہی وہ ایک بڑی فوج لے کر غزنہ پر حملہ آور ہوا اور بہرام شاہ کو شکست فاش دی۔ علاؤالدین کی ہرات کے مقام پر سنجر سے جنگ ہوئی جس میں اسے شکست ہوئی یوں ۵۴۷ میں بہرام شاہ پھر غزنہ واپس آیا۔ بہرام شاہ ۵۴۷ کے بعد ۵۵۲ تک زندہ رہا۔ (اردو دائرۂ اسلامیہ، جلد ۵، ص ۱۲۵۔۱۲۹)

خط نمبر ۹:

۱؎ **ادیب صابر:** ان کے قصاید میں زیادہ تر سید مجد الدین ابو القاسم علی بن جعفر موسوی (رئیس خراساس) کی مدح پائی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ چند ممدوحین یہ ہیں۔ نصیر الدین محمد بن حسن، علاؤالدین محمد بن حیدر، جمال الدین عبداللہ وغیرہ۔ ادیب کے ہاں ایک قصیدہ آتسز خوارزم شاہ کی مدح میں پایا جاتا ہے لیکن وہاں وطواط کے مقابلے میں ادیب صابر کی کوئی وقعت نہ تھی غالباً اسی وجہ سے اس نے وطواط کی ہجو قبیح لکھی قیاس کے مطابق ادیب کی وفات ۵۴۶ یا ۵۴۷ کے پہے نہ ہوئی ہوگی۔ (مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: ''چند فارسی شعرا''، ص ۲۸۶۔۲۹۲)

۲؎ **سوزنی:** فارسی کے ہجو نگار شاعر سوزنی کے متعلق معلومات محدود ہیں کیوں کہ وہ ایسے عہد سے تعلق رکھتا تھا جسے باھولڈ اسلامی تاریخ کے تاریک ترین صفحات سے تعبیر کرتا ہے۔۔۔۔شاعر کے قیام کے دو مقام تھے سمرقند اور بخارا۔ سوزنی کا قدیم ترین قصیدہ ارسلان خان محمد بن سلیمان کی مدح میں ملتا ہے جو چھٹی صدی ہجری کے پہلے ربع میں بخارا کا حاکم تھا۔ دولت شاہ اور پروفیسر براؤن (ج ۲، ص ۳۴۳) نے شاعر کے انتقال کا سال ۵۶۹ھ/۱۱۷۳ھ لکھا ہے۔ (مزید مطالعے کے لیے ملاحظہ ہو: ''چند فارسی شعرا''، ص ۹۰۔۹۴)

۳۔۴ **عمادی غزنوی یا عمادی شہریار:** دراصل ایک ہی شاعر کے دو مختلف نام ہیں اور ''آتش کدہ آذر'' اور ''مجمع الفصحا'' جیسی کتابوں کی وجہ سے اس تخلص کے دو شاعر سمجھ لیے گئے ہیں۔ ان کا قدیم ترین کلام جو دستیاب ہو سکا ہے وہ سلجوقی سلطان ملک شاہ کے بھائی ملک ارغون کی مدح میں ہے۔ (مزید مطالعے کے لیے ملاحظہ ہو: ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کا مضمون: ''عمادی غزنوی یا عمادی شہریار''، ''تحقیق''، شمارہ ۱۰۔۱۱، ص ۶۰۰)

۵ **نجیب الدین جربادقانی:** نجیب الدین کا تعلق جربادقان سے ہے جو قم اور کاشان کے قریب ہے۔ اس کے کلام میں ارسلان بن طغرل بن محمد کا نام غالباً سب سے قدیم ہے۔ قرین قیاس ہے کہ یہ قصیدہ ارسلان بن طغرل کے آخری عہد میں لکھا گیا ہوگا جب کہ شاعر کم از کم ۲۵ سال کا رہا ہو گا۔ نجیب الدین نے جمال الدین ای ابہ کی مدح میں بکثرت قصیدے لکھے خاص ممدوح نجیب الدین کا جمال الدین تھا جس کے کارناموں سے راحۃ الصدور اور زبدۃ النصرۃ وغیرہ کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔ نجیب الدین کے کلام میں ساٹھ قصیدے، تین ترکیب بند، چند غزلیں اور سات رباعیاں (جن میں ایک ''دوبیتی'' بھی شامل ہے ملتی ہیں۔ برٹش میوزیم والے نسخے میں بھی قریب قریب اتنا ہی کلام ہے۔ قصائد میں نجیب الدین نے خاص کوشش کی ہے اور وہ کم از کم ظہیر فاریابی سے بہتر معلوم ہوتا ہے۔ اس کے کلام میں غزلیات بھی ملتی ہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ''چند فارسی شعرا''، ص ۱۰۶۔۱۲۹)

۶ **عبدالواسع جبلی:** دولت شاہ لکھتا ہے: یہ شاعر غرجستان کے جبال سے آیا تھا اور ہرات ہوتا ہوا غزنین پہنچا۔ جہاں وہ قریب چار سال تک سلطان بہرام شاہ غزنوی کی مدح سرائی کرتا رہا، لیکن بعض تذکروں میں یہ شاعر سنجر کا ہم عصر تھا۔ جبلی نے رشید الدین وطواط کی مدح میں بھی کچھ اشعار لکھے ہیں۔ انڈیا آفس کیٹلاگ (جلد ۲، ص ۲۳۶) میں جبلی کا سالِ وفات ۵۵۵ھ/۱۱۶۰ء ملتا ہے۔ (مزید مطالعے کے لیے ملاحظہ ہو: ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان، ''چند فارسی شعرا ص ۷۷۔۸۹۔ حیدر آباد''، المصطفے اکادمی، ۱۹۸۹ء)

۷ **معزی:** امیر عبداللہ محمد بن عبدالملک ایرانی دربار کا سب سے مشہور شاعر اس کی جائے پیدائش صحیح طور پر معلوم نہیں ہو سکی، زیادہ تر ماخذ اس کی پیدائش نواح ۴۴۰ھ/۱۰۴۸ء، ۱۰۴۹ء بہ مقام سمرقند بتاتے ہیں لیکن نسا اور نیشا پور بھی اس کے مولد سمجھے جاتے ہیں۔ وہ ایک غیر معروف شاعر عبدالملک برہانی کا بیٹا تھا جو سلجوقی سلطان الپ ارسلان کے دربار سے وابستہ تھا۔ معزی کو یزد کے والی امیر علی بن فرامرز نے اس کی ملاقات ملک شاہ سے کرادی اس نے سلطان کو اپنے کلام سے محظوظ کیا بیش بہا انعام کے ساتھ سلطان نے اپنے لقب معز الدنیا والدین کی مناسبت سے اسے معزی کہا اور پھر یہی اس کا تخلص ہوا۔ آخری سلجوقی سلطان سنجر کے عہد میں اس کی قدر و منزلت اور بڑھ گئی اور وہ اس کے دربار کا ملک الشعرا مقرر رہا۔۔۔ معزی نے ۵۴۲ھ میں وفات پائی۔ (دائرۃ معارف اسلامیہ، جلد ۲۱، لاہور پنجاب یونیورسٹی، ص ۳۷۲)

خط نمبر ۱۰:

۱ ''دیوانِ محی'' کی جانب اشارہ ہے۔

خط نمبر ۱۱:

۱ **دیوانِ محی:** ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کا مقالہ ''دیوانِ حضرت عبدالقادر جیلانیؒ'' کے عنوان سے تحقیق شمارہ خاص (۱۰۔۱۱) میں شائع ہوا جس میں انھوں نے یہ مدلل انداز میں ثابت کیا ہے کہ ''دیوانِ محی'' حضرت غوث الاعظم محی الدین عبدالقادر جیلانی کا نہیں ہے۔ یہ دیوان نول کشور نے کان پور سے ۱۸۸۳ء (بار پنجم) شائع کیا تھا۔ (مزید مطالعے کے لیے ملاحظہ ہو: ''تحقیق'' شمارہ ۱۰۔۱۱، سندھ یونیورسٹی، جام شورو، ص ۳۵۹۔۳۶۱)

۲ اس بارے میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان فرماتے ہیں کہ ''میرے استاد پروفیسر ضیاء احمد بدایونی'' نے فرمایا تھا کہ یہ دیوان محی لاری (م ۹۳۳ء) کا ہے۔ (''تحقیق''، شمارہ ۱۰۔۱۱، سندھ یونیورسٹی، جام شورو، ص ۳۶۱)

خط نمبر۱۲:

۱۔ **روزنامہ مہران:** یہ روزنامہ حیدرآباد سندھ سے شائع ہوتا ہے۔ اس کے معروف مدیران میں سیّد سردار علی شاہ اور شمشیر الحیدری مشہور ہیں۔

۲۔ **سنائی:** حکیم سنائی کا نام مجدود تھا اور کنیت ابوالمجد تھی۔ ان کا مولد غزنین تھا۔ ولادت ۴۶۴ھ/۱۰۷۱ء کے قریب ہوئی آپ کی تصانیف میں کارنامۂ بلخ (مثنوی) مثنوی طریق التحقین، غیب نامہ، تجربہ ''العلم'' سیر العباد الی العباد کا کارنامہ، عشق نامہ، عقل نامہ وغیرہ۔ شبلی کے شعر العجم (ج ۱۹) میں لکھا کہ پہلی مرتبہ سنائی ہی نے تصوف کے اسرار کو شاعری میں روشناس کرایا اور اخلاقی شاعری کی بنیاد ڈالی۔ (دائرۃ معارف، جلد ۱۱، ص ۳۱۴۔۳۱۷)

بہرام شاہ کی تعریف میں کئی قصیدے لکھے لیکن طبعیت میں اچانک انقلاب کے باعث درباداری ختم کرکے صرف عرفانی اور اخلاقی مطالب پر شعر کہنے لگے آپ کی مثنوی ''حدیقہ'' فارسی زبان میں پہلی مثنوی ہے جو تصوف کے اہم مطالب کا خزنیہ شمار ہوتی ہے (شخصیات کا انسائیکلوپیڈیا، ص ۳۷۱)

۳۔ **انوری:** اوحد الدین محمد بن علی بن اسحاق (۵۶۴ھ/۱۱۶۸ء) جس کا شمار شاہانِ سلجوقیہ بالخصوص سنجر کے عہد میں فارسی کے عظیم شعرا میں ہوتا ہے۔ انوری کی جائے پیدائش کے بارے میں روایات مختلف ہیں اس سلسلے میں ابیورد، خاوران، بدنہ اور مہند مذکورہ ہوئے ہیں لیکن دولت شاہ لکھتا ہے کہ اس کی اصل ابیورد کی ولایت کے بدنہ گاؤں سے ہے، جو ہند کی طرف واقع ہے۔ یہاں صحرا کو دشتِ خاوران کہا جاتا ہے ۔ انوری کی وفات کے بارے میں تذکرہ نویسوں کی آرا مختلف ہے۔۔۔ ان مختلف سنین کے پیشِ نظر انوری کا سال وفات متعین نہیں کیا جاسکتا۔ انوری نے علمی موضوعات پر بہت سی کتابیں تالیف کیں لیکن سب ضائع ہوچکی ہیں آج صرف اس کی کلیات موجود ہے۔ (چند فارسی شعرا، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان)

۴۔ **سعدی شیرازی:** مصلح الدین لقب اور سعدی تخلص تھا۔ ان کے والد اتابک سعد بن زنگی بادشاہ شیراز کے ملازم تھے سال ولادت معلوم نہیں وفات کی نسبت سب متفق ہیں کہ ۶۹۱ھ میں ہوئی۔ عمر کی مدت عام تذکروں میں ۱۰۲ برس کی لکھی ہے اس حساب سے سال ولادت ۵۸۹ ہوگا۔ آپ کی تصانیف میں ۱۔ قافیہ میم ۲۔ بوستان، گلستان، طیبات، بدائع خواتیم، قصائدِ فارسیہ، مراثی، مثلثات، قصائد بیہ، ترجیحات، مقطعات، مجلس ہزل، ہزلیات، مطائبات، رباعیات، مفردات۔ (مزید مطالعہ کے لیے ملاحظہ ہو: شعر العجم، حصہ دوم، شبلی نعمانی، لاہور، عشرت پبلی شنگ ہاؤس، س ن، ص ۲۲ تا ۳۸۔)

خط نمبر۱۴:

۱۔ **مقریزی:** ابوالعباس تقی الدین احمد بن علی بن عبدالقادر الحسینی مصری، مورخ۔ پیدائش ۷۶۶ھ (۱۳۶۴۔۱۳۶۵ء) میں قاہرہ میں ہوئی وہ ابن الصنغ منفی کے پوتے تھے جنھوں نے اپنے عقائد کے مطابق انھیں تعلیم دلائی لیکن بالغ ہونے پر انھوں نے شافعی مذہب اختیار کرلیا، حنفی مذہب پر حملے کیے۔ بلکہ ظاہریہ مسلک کے رجحان کا اظہار بھی ہوگیا۔ وہ شروع میں قاہرہ کے نائب قاضی مقرر ہوئے اور ترقی کرکے الحاکمیہ کے شیخ جامعہ ہوگئے اور پھر مدرسہ المویدیہ میں استاد مقرر ہوئے ۸۱۱ھ/۱۴۰۸ء میں انھیں القلانیہ کا مہتمم اوقاف مقرر کرکے دمشق میں تبدیل کردیا گیا، جہاں دارالشفاء نوری کا اہتمام بھی ان کے سپرد ہوا اور اس کے علاوہ دمشق کے الاشرافیہ اور الاقبالیہ مدرسوں میں بھی معلم کے طور پر مطمور رہونے کوئی دس برس کے بعد وہ خود قاہرہ واپس آ گئے تاکہ ایک عام شہری کی طرح زندگی بسر کریں اور علمی مشاغل میں منہمک رہیں ۸۳۴ھ/۱۴۳۰ء میں حج کرنے کے بعد وہ پانچ سال تک مکہ مکرمہ میں ہی مقیم رہے اور وہیں طویل علالت کے بعد جمعرات کے روز ۲۷؍رمضان المبارک ۸۴۵ھ بہ مطابق ۹؍فروری ۱۴۴۲ء کو انتقال کیا۔ ان کی تصنیفات میں خِطط، اسلوک لمعرفہ دول الملوک۔

انھوں نے مصر کے بادشاہوں، حکمرانوں اور مشاہیر کے سوانح ۸ جلدوں میں لکھنے کا تہیہ کیا جس کا نام انھوں نے المقضیٰ رکھا لیکن ان میں سے

صرف ۱۶ جلدیں مکمل کر سکے۔ معاصرین کی سوانح کا مجموعۂ درر العقود الفریدۃ فی تراجم الدعیان المضید ۃ تھا اور جسے وہ حروفِ ابجد کے حساب سے مرتب کرنا چاہتے تھے نامکمل رہا۔ انھوں نے مختلف تاریخی مسائل پر کسی علیحدہ علیحدہ مقالے بھی لکھ جو دو جلدوں میں محفوظ ہیں (مزید مطالعے کے لیے ملاحظہ ہو: ''دائرہ المعارف'' جلد ۲۱، پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۸۷ء، ص ۴۴۶)

۲؎ **میخانہ:** ''تذکرۂ میخانہ'' تالیف ملا عبدالنبی فخر الزمانی قزوینی نے اس کا پہلا ایڈیشن ۱۰۲۸ء میں مکمل کیا، اس کے اگلے سال دوسرا ایڈیشن مرتب کیا جس میں ساقی نامہ ملکی قزوینی اور ترجیع بند فغفور کا اضافہ کیا اور بعض مقامات پر بھی کچھ تبدیلیاں کیں۔ میخانہ کے مرتبہ اوّل میں ۲۶ شعرا کے ساقینامہ درج ہیں جو فوت ہو چکے تھے۔ میخانہ کے دوسرے مرتبے ملا عبدالنبی نے اپنے سمیت بیس شعرا کے ساقی نامے دیئے ہیں جو ابھی قیدِ جہات میں تھے۔ (مقالاتِ مولوی شفیع، جلد چہارم، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۷۲ء، ص ۲۹)

۳؎ **مطلع السعدین:** مولانا کمال الدین عبدالرزاق سمرقندی نے یہ کتاب ۸۸۰ء میں مکمل کی اس کا موضوع تاریخ ہے کتاب تہران سے شائع ہوئی۔

خط نمبر ۱۷:

۱؎ **ظہیر:** فارسی کے مشہور شاعر ظہیر فارابی (المتوفی ۵۹۸ھ) سے غزلیات کا ایک دیوان منسوب کر دیا گیا تھا جو نول کشور پریس لکھنؤ سے ۱۹۱۶ء میں شائع ہوا۔۔۔ لیکن غزلیات کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد یہ معلوم ہوا کہ وہ ظہیر فاریابی کا نہیں وہ ظہیر یقیناً بعد کے عہد سے تعلق رکھتا ہو گا۔ (''تحقیق''، شمارہ ۱۰۔۱۱، سندھ یونیورسٹی، جام شورو، ص ۵۷۱۔۵۷۳)

۲؎ غالباً یہ سہد پورہ۔ جو سید پور ہے۔ حیدر آباد سے بدین جاتے ہوئے، بدین سے ۲۰ کلومیٹر پہلے دائیں جانب ہے۔ یا پھر یہ سہد آباد ہے جو حیدر آباد سے ہالا روڈ پر، ہالا سے لگ بھگ ۷ اکلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ لیکن اس کا موجودہ نام سعید پور ہے۔

فہرستِ اسنادِ محوّلہ:

۱۔ خان، مصطفیٰ، غلام، ڈاکٹر: ۱۹۸۹ء، ''چند فارسی شعرا''، المصطفیٰ اکادمی، حیدر آباد۔

۲۔ ________: س ن، ''سید حسن غزنوی حیات اور ادبی کارنامے''، ادارۂ یادگارِ شعبۂ، بہ اشتراک پاکستان رائٹرس کوآپریٹیو سوسائٹی، لاہور۔

۳۔ ________: ۱۹۹۲ء، ''سراج البیان''، گاباسنز، کراچی۔

۴۔ ربانی، احمد مرتب: س ن، ''مقالاتِ محمد شفیع''، جلد اوّل مجلس ترقی ادب، لاہور۔

۵۔ ________: ۱۹۷۲ء، ''مقالاتِ محمد شفیع''، جلد دوم مجلس ترقی ادب، لاہور۔

۶۔ ________: ۱۹۷۴ء، ''مقالاتِ محمد شفیع''، جلد سوم مجلس ترقی ادب، لاہور۔

۷۔ ________: ۱۹۷۶ء، ''مقالاتِ محمد شفیع''، جلد چہارم مجلس ترقی ادب، لاہور۔

۸۔ خان، احمد، رشید: ۲۰۰۳ء، ''ہمارے استاد، پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان''، ادارۂ انوارِ ادب، حیدر آباد۔

۹۔ زئی، احمد، مسرور، ڈاکٹر: ۲۰۰۶ء، ''ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان: حیات اور علمی ادبی کارنامے''، ادارۂ انوارِ ادب، حیدر آباد۔

۱۰۔ مہر، رسول، غلام، مترجم: ۱۹۷۵ء، منہاج القرآن ''طبقاتِ ناصری''، جلد اوّل، اردو سائنس بورڈ، لاہور۔

۱۱۔ نعمانی، علامہ، شبلی: س ن، ''شعر العجم''، حصہ دوم، عشرت پبلی شنگ ہاؤس، لاہور۔

۱۲۔ یحییٰ، ابن، احمد: ۲۰۰۴ء، ''تاریخ مبارک شاہی''، مترجم: آفتاب اصغر، اردو سائنس بورڈ، لاہور۔

ب:

۱۔ اردو، دائرۃ المعارفِ الاسلامیہ: ۱۹۷۱ء، جلد۵، پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔

۲۔ ________________: ۱۹۷۵ء، جلد۱۱، پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔

۳۔ ________________: ۱۹۸۷ء، جلد۲۱، پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔

۴۔ ________________: ۱۹۸۹ء، جلد۲۳، پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔

۵۔ اردو انسائیکلوپیڈیا: ۱۹۸۴ء، مطبوعہ فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور۔

۶۔ انسائیکلوپیڈیا: س ن، ’’ادبیاتِ عالم‘‘، اکادمی ادبیات، اسلام آباد۔

۷۔ مقصود ایاز، محمد ناصر، مرتبین: ۱۹۸۷ء، ’’شخصیات کا انسائیکلوپیڈیا‘‘، شعاعِ ادب، لاہور۔

۸۔ ’’تحقیق‘‘: ۱۹۹۶ء، شمارہ ۱۰۔۱۱، سندھ یونیورسٹی، جام شورو۔

۹۔ https/ar.m.wikipedia.org.

ABSTRACT

Dr.Mukhtaruddin's letters addressed to Dr. Arif Naushi

This article continuum of the 117 letters of Dr. Mukhtaruddin Ahmed address to myself published earlier in Tahqiq (vol: 20 No. 1) in 2012. The four letters presented here written between 2004 &2005 were perchance left out and found later, are published here to complete the record.

عارف نوشاہی

ڈاکٹر مختارالدین احمد کے چند مزید خطوط بنام عارف نوشاہی

[حصہ دوّم: ۲۰۰۴-۲۰۰۵ء]

تعارف:

ڈاکٹر مختارالدین احمد (۱۹۲۴-۲۰۱۰ء) اور راقم السطور کے درمیان مراسلت کا پہلا حصّہ سہ ماہی ''تحقیق''، جام شورو، جلد ۲۰، شمارہ ۲ (جولائی-دسمبر ۲۰۱۲ء)، مکتوبات نمبر (۲)، صفحات ۶۹۷-۸۰۳ میں شایع ہوا تھا۔ اس مراسلت میں کل ۱۱۷ خطوط تھے۔ یہ مراسلت میں نے، ڈاکٹر صاحب کے حین حیات ہی میں مرتّب کر لی تھی اور اس کی اشاعت کی اجازت ان سے لے لی تھی (ملاحظہ ہو ان کا مراسلہ مورخہ ۲۴ جولائی ۲۰۰۹، ''تحقیق''، ص ۷۹۴)۔ تدوین شدہ مراسلت اشاعت کے لیے، ۲۰۰۹ء میں رسالہ ''تحقیق'' کے حوالے کی گئی تھی، لیکن اس مراسلت کے چھپتے چھپتے ڈاکٹر صاحب کا ۲۰۱۰ء میں انتقال ہو گیا۔ جب یہ مراسلت شایع ہوئی تو اس کے ابتدائیہ یا حاشیے میں ڈاکٹر صاحب کے انتقال کی خبر درج نہ ہو سکی۔ اُس وقت میرا خیال تھا کہ یہ ہماری مراسلت کا مکمل متن ہے جو قارئین کی خدمت میں پیش کر دیا گیا ہے۔ لیکن اپریل ۲۰۱۶ء میں مجھے ذاتی کتب خانے کے ایک کونے میں رکھے خطوط کے انبار میں سے اپنے نام ڈاکٹر مختارالدین احمد کے چار خطوط ایسے ملے جو ۲۰۰۴-۲۰۰۵ء میں لکھے گئے اور شایع شدہ مراسلت میں شامل نہیں ہیں۔ سابقہ مراسلت کی تکمیل کی غرض سے اب یہ چاروں خطوط مع ضروری حواشی، یہاں پیش خدمت ہیں۔ میں نے کوشش کی ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے املا کو بحال و برقرار رکھوں۔ تاہم ان کے ہاں یاے معروف اور یاے مجہول کا امتیاز ختم تھا لیکن یہاں ایسے تمام مقامات کو مروّجہ املاء میں بدل دیا گیا ہے۔

ڈاکٹر مختارالدین احمد مرحوم کے ذکر میں ایک اور بات کا اظہار برمحل ہو گا۔ ڈاکٹر صاحب کے تمام مکتوب الیہم جانتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب علی گڑھ میں ''ناظمہ منزل، امیر نشان روڈ'' پر رہتے تھے اور یہی پتا ان کے لیٹر ہیڈ پر چھپا ہوا تھا اور ان کے سب مکتوب الیہم ''ناظمہ منزل'' سے خوب واقف اور مانوس ہیں۔ حتیٰ کہ وہ لوگ بھی جنھوں نے ناظمہ منزل نہیں دیکھی۔ میں ۱۹۸۸ء کے سفرِ علی گڑھ

میں، ڈاکٹر صاحب سے اسی مکان پر ملا تھا اور اس کی تفصیل میرے سفرنامہ ارمغانِ ہندوستان میں موجود ہے۔ کوئی ۲۸ سال بعد، فروری ۲۰۱۶ء میں دوبارہ علی گڑھ جانا ہوا تو ان اٹھائیس سالوں میں علی گڑھ میں بہت کچھ بدل چکا تھا۔ وہاں میرے کئی محترم دوست، جن سے ۱۹۸۸ء میں مل چکا تھا، اللہ کو پیارے ہو چکے تھے۔ ڈاکٹر مختارالدین احمد بھی ان میں شامل ہیں۔ میں نے اپنے حالیہ سفرِ علی گڑھ میں، اپنے راہ نما اور مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ عربی (جہاں مختارالدین احمد بھی کام کرتے رہے) کے موجودہ صدر، پروفیسر ڈاکٹر مسعود انور علوی کاکوروی سے اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ مختارالدین احمد صاحب تو اب دنیا میں نہیں رہے کہ ان سے ملاقات ہو، ان کا مکان ''ناظمہ منزل'' ہی دکھا دیجیے۔ وہ خاموشی سے مجھے امیر نشان روڈ پر لے گئے اور ایک مکان کے سامنے رک گئے اور کہا دیکھ لیجیے یہ ''ناظمہ منزل'' ہے۔ ہائیں یہ کیا، یہ تو مارکیٹ اور فلیٹس ہیں، یہاں ناظمہ منزل کہاں؟۔ مسعود انور صاحب نے بتایا کہ مختارالدین احمد صاحب کی وفات کے بعد ان کے بیٹوں ڈاکٹر طارق مختار اور پرویز مختار نے ناظمہ منزل گرا کر اس کی جگہ یہ سب کچھ تعمیر کروا دیا ہے! میں نے پوچھا ناظمہ منزل کے اندر موجود مختار صاحب کا کتب خانہ کیا ہوا؟۔ کاکوروی صاحب نے بتایا کہ اس کتب خانے کا کچھ حصہ تو مختار صاحب کی زندگی میں ہی فروخت ہو گیا تھا اور کچھ ان کی وفات کے بعد۔ ان خریداروں میں حکیم ظل الرحمان (ابن سینا اکیڈمی علی گڑھ)، ڈاکٹر عابد رضا بیدار (شاید برائے خدا بخش لائبریری پٹنہ)، شعبۂ عربی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، مکتبۂ جامعہ، پروفیسر محمد نعمان خان (شعبۂ عربی دہلی یونیورسٹی) اور امروہہ کا ایک کتب فروش شامل ہیں۔ یہ سب دیکھ کر اور سن کر دل مسوس کر رہ گیا۔ تغیرات زمانہ کس قدر سریع اور تیز ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا وہ مستقر جو برسوں علما، محققین، طلبہ اور کتاب دوستوں کا مرجع رہا، کس طرح اب خرید و فروخت کا مقام بن گیا ہے۔ جن کمروں میں قطار در قطار کتابیں، مخطوطات اور مسودات تھے، اب اس جگہ بھانت بھانت کے لوگ رہیں گے۔ اب یہاں کتابوں کے نہیں دنیاوی مال و متاع کے سوداگر آیا کریں گے۔ فَاعْتَبِرُوْا یَااُولِی الْاَبْصَارِ. (اے عقلمندو، عبرت حاصل کرو) میں نے ڈاکٹر مختارالدین احمد کے اکثر و بیشتر خطوط، جو مختلف لوگوں کے نام لکھے گئے اور شایع ہو چکے ہیں، پڑھے ہیں۔ ان خطوط میں ڈاکٹر صاحب کے ہاں کتابیں جمع کرنے اور دوستوں سے کتابیں منگوانے کا جو شوق اور لجاجت ہے، اگر اس کا نتیجہ یہی ہونا تھا تو بے حد افسوس کی بات ہے۔ یہ کتابیں اگر یک جا ڈاکٹر صاحب کے نام پر کہیں محفوظ ہو جاتیں تو انتشار سے بچ جاتیں اور ڈاکٹر صاحب کا نام بھی زندہ رہتا۔

۱

۲۳/۱۱/۲۰۰۴

مکرّمی پروفیسر عارف نوشاہی صاحب، السلام علیکم

مکتوب گرامی مورخہ ۱۹ اکتوبر [۲۰۰۴] موصول ہوا۔ شکریہ قبول فرمائیے۔ مدت کے بعد آپ کا خط پا کر مسرور ہوا۔ اِس طرف عرصے سے آپ کے حالات و کوائف علمی سے بھی بے خبر رہا۔ حکیم ظلّ الرحمان صاحب سے دیر تک آپ کا ذکر خیر رہا۔

آپ کی تصانیف کی طباعت کی خبر پا کر خوشی ہوئی کہ سلسلۂ تألیف و تصنیف برابر جاری ہے۔ ایرانی مطبوعات کے نسخے تو محدود تعداد ہی میں آپ کے پاس آئے ہوں گے۔ مقالات عارف سے ضرور مستفید ہونا چاہتا ہوں۔ اس کے ساتھ، کمال عترت بھی

اگر بآسانی ممکن ہو۔ مقالات کے آف پرنٹس اگر مل جائیں تو وہ بھی۔ دانش میں آپ جو کچھ لکھتے ہیں وہ میری نظر سے گزرتا ہے۔

رقعات حزین سے میری دل چسپی تو آپ کو معلوم ہے۔ نسخۂ علی گڑھ تو میرے پیش نظر تھا ہی، آپ کے احسان دانش کے کتب خانے کے نسخے کا عکس بھی حاصل ہو گیا تھا، کچھ کام باقی رہ گیا تھا کہ دوسرے موضوعات کی طرف متوجہ ہو گیا۔ آپ کا طبع کردہ اڈیشن بہت دل چسپی اور شوق سے دیکھوں گا۔

میرے پاس دریافت کے سارے شمارے نہیں [ہیں]۔ تحسین فراقی صاحب آف پرنٹس کا بہت اہتمام کرتے ہیں۔ امید ہے ان کے پاس ضرور ہوں گے، وہ بھی بھیج دیجیے گا۔ ممکن ہو تو رسالۂ اردو میں شائع شدہ کلیات اشرف بھی۔

آپ کو یہ اطلاع غلط ملی کہ [ہند و پاکستان کے درمیان] نہ ڈاک آتی جاتی ہے، نہ رسائل و کتب۔ یہ سلسلہ جاری ہے۔ لاہور، اسلام آباد، کراچی سے برابر خطوط، رسائل و کتب آ رہے ہیں۔ جس دن آپ کا خط مجھے ملا، اسی دن مشفق خواجہ صاحب کے بھیجے ہوئے کتابوں کے دو پیکٹ، پانچ پانچ کلو کے موصول ہوئے۔ انھی دنوں اورینٹل کالج میگزین اور رسالۂ تحقیق کے چھ سات شمارے دکتر اورنگ زیب عالمگیر صاحب کے بھیجے ہوئے میرے سامنے رکھے ہوئے ہیں۔ اسلام آباد کے اخبار اردو، لاہور سے فنون، کراچی سے قومی زبان، اور ایک دینی رسالہ، لاہور ہی سے جہان رضا برابر موصول ہو رہے ہیں۔ مکتبۂ نبویہ کی مطبوعات برابر پہنچ رہی ہیں۔ بعض اصحاب کو جو کتابیں میں نے بھیجیں، وہ بھی انھیں موصول ہو گئیں۔

ہندستان سے علمی رابطہ آپ کا اس لیے قائم نہیں رہ سکا کہ آپ نے اسی غلط اطلاع پر بھروسا کر کے نہ خطوط بھیجے، نہ کتابیں۔ دکتر نذیر احمد صاحب بھی آپ کا حال پوچھ رہے تھے۔ سید حسن عباس صاحب کے پاس بھی آپ کا کوئی خط نہیں آیا۔ انھوں نے دو ایک خط میں اس کا ذکر بھی کیا۔ آپ کو معلوم ہو گا وہ اب شعبۂ فارسی بنارس یونیورسٹی میں آ گئے ہیں۔ رسالہ ادراک آپ کے پاس پہنچتا ہو گا۔ تین شمارے نکلے ہیں۔ چوتھا شمارہ [کذا] کا انتظار ہے۔

ادراک (۳) میں میرے مرتّب کردہ نظیر صدیقی کے خطوط شائع ہوئے ہیں اور اس سے پہلے سید محمد حسنین کے خطوط میرے نام اور میرے خطوط ان کے نام چھپے ہیں۔ یہ آپ کی دل چسپی کے نہیں، لیکن پھر بھی دونوں مجموعے بھیج رہا ہوں۔

میرے دو مضامین سید حسن عباس صاحب نے قند پارسی (دہلی) میں چھپوائے ہیں، لیکن افسوس ہے کہ یہ رسالہ لکھنے والوں کو معاوضہ تو دیتا ہے لیکن آف پرنٹس نہیں مہیا کرتا۔

''آئینۂ میراث'' کا خط ملا۔ یہ ڈاکٹر اکبر ایرانی اور جمشید کیان فرکون اصحاب ہیں؟ ان کی اصل دل چسپی کن موضوعات سے ہے اور اب تک یہ لوگ کیا کرتے رہے ہیں؟ بہ ہر حال مجھے تو دل چسپی ہو سکتی ہے تو اس امر سے کہ ویژہ نامہ کا تعلق آپ سے ہے۔ ان کا رسالہ نہیں دیکھا ہے، بلکہ میرا تو خیال ہے ڈاکٹر نذیر احمد صاحب بھی ان دونوں صاحبوں اور ان کے کارناموں سے واقف نہیں ہیں۔ آپ ان کے اور ان کے ادارے کے بارے میں کچھ کہیں تو معلوم ہو۔

آپ تحریر فرمائیں کہ آپ ویژہ نامہ کے لیے کس قسم کے مضامین چاہتے ہیں۔ پان سات موضوعات لکھیں۔ اپنی مصروفیات

کے باوجود کوشش کروں گا کہ جس مجموعۂ مضامین کے آپ مرتّب ہوں، اس میں ضرور شریک ہوں۔

یہ تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ایران کے جس دائرۃ المعارف کے لیے میں نے اسامہ بن منقذ الشیرازی پر مقالہ تیار کر کے بھیجا تھا، وہ سنا ہے کسی ایرانی کے نام سے شائع ہوا! یہ بات باعث حیرت ہے۔ آپ کو لکھا کہ ان صفحات کی زیروکس کاپی مجھے بھیج دیجیے، آپ مصروفیات کے باعث توجہ نہ کر سکے۔ یہ کام اب کر دیجیے۔ میں نے اُن لوگوں کی آسانی کے لیے مضمون، انگریزی کی بجائے عربی میں لکھ کر بھیجا کہ ترجمے میں انھیں آسانی ہو۔ انھوں نے اصل مضمون نگار کا نام حذف کر دیا اور مقالہ فارسی مترجم کے نام سے شائع کر دیا۔ یہ آئینۂ میراث والے میرا خیال ہے دائرۃ المعارف والوں سے مختلف ہوں۔

آقائے محمود اسد اللٰہی (استاد شعبۂ عربی، مشہد یونیورسٹی)، آقای احمد حسینی (یہ اسلام آباد اور دہلی کے سفارت خانوں میں رہ چکے ہیں، آپ شاید واقف ہوں) اور...... [بیاض] اصفہان کے، یہ [کذا: ان] تینوں ایرانی طالب علموں نے میری نگرانی میں، علی گڑھ آ کر عربی میں ڈاکٹریٹ کی ہے۔ یہ میرے بڑے اچھے شاگردوں میں ہیں۔ آقای اسد اللٰہی سے میں نے المقریزی کی کتاب المقفّیٰ اڈٹ کرائی تھی اور اسے دائرۃ المعارف حیدر آباد سے شائع کرا دیا ہے۔ اس کا ایک نسخہ حکیم ظلّ الرحمان کی معرفت انھیں بھجوایا تھا، جو [کذا: جب اسد اللٰہی] مشہد میں صدر شعبۂ اردو [کذا: عربی] تھے۔ حکیم صاحب سے معلوم ہوا کہ وہ متقاعد ہونے کے بعد کہیں اور منتقل ہو گئے ہیں۔ ملاقات دونوں میں نہیں ہوئی، لیکن ٹیلیفون پر گفتگو ہوئی۔ حکیم صاحب نے ان کے بتائے ہوئے پتے پر کتاب رکھ دی تھی، لیکن دو مہینے گزرنے پر بھی ان کا خط نہیں آیا۔ آپ کے ایران میں تعلقات ہیں، کسی طرح ان کا موجودہ پتا حاصل کیجیے۔ احمد حسینی کا بھی۔ وہ حکومت میں ملازم ہیں، کسی اچھے عہدے پر، ان کا آسانی سے پتا مل سکتا ہے۔ شاید آپ بھی ان سے واقف ہوں گے۔ ان سے محمود اسد اللٰہی اور تیسرے ایرانی شاگرد کا بھی پتا مل سکتا ہے جن کا نام میں بھول رہا ہوں۔ احمد حسینی اور اصفہانی اسکالر، دونوں دوست تھے اور ایک ساتھ ایران سے آئے تھے۔ ان کے بارے میں معلومات حاصل کر کے ممنون کریں۔

امید ہے آپ بخیر ہوں گے۔ والسّلام۔

مختار الدین احمد

۲

۲۳/ ۳/ ۲۰۰۵

علی گڑھ

۲۳ مارچ ۲۰۰۵ء

مکرمی ڈاکٹر عارف نوشاہی صاحب، السلام علیکم

مکرمت نامہ مورخہ ۳ مارچ [۲۰۰۵] موصول ہوا۔ تعزیت کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ کیا پوچھتے ہیں مشفق خواجہ کی رحلت کا کس قدر صدمہ ہوا۔ اب بھی دل گرفتہ ہوں۔ ان کی یاد برابر آتی ہے اور ہمیشہ تڑپا جاتی ہے۔ خدا ان کی مغفرت فرمائے اور انھیں جنت الفردوس

میں جگہ دے۔

فہرست آذر اور آپ کی دوسری مطبوعات (کتب و مقالات) کا منتظر ہوں۔ خواجہ صاحب کے خطوط ضرور شائع ہوں گے۔ راشد شیخ صاحب کا خط کراچی سے آیا ہے انھوں نے خطوط منگوائے ہیں، وہ شائع کرنا چاہتے ہیں۔ خدا کرے ان کے پاس مناسب وسائل ہوں۔

ایران میں جس ادارے سے آپ کا تعلق ہے، اس کے بارے میں کچھ تفصیل لکھیے۔ وہ کس طرح کا کام کر رہے ہیں اور کیا شائع کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے ابھی تک اس ادارے کی مطبوعات نہیں دیکھی۔ وہ رسالے کے لیے مضمون چاہتے ہیں یا مختصر فارسی متون شائع کرنا چاہتے ہیں؟ وہ ہندستانی مصنفین کے متون شائع کریں تو یہ بہت اچھا موقع ہے۔ آپ نے ان لوگوں کے [لیے] کیا کتاب تیار کی ہے؟ لکھیے گا۔

آقاے سید حسن عباس آج کل علی گڑھ آئے ہوئے ہیں۔ ہفتہ دو ہفتہ ابھی اور رہیں گے۔ انھوں نے آپ کا گرامی نامہ مورخہ ۲۱ فروری دو چار دن پہلے دیا۔ اب کچھ اس کے بارے میں عرض کرتا ہوں:

ایران سے جو علمی و ادبی تعلقات آپ کے قائم ہوئے ہیں، ان سے فائدہ اٹھایئے اور چھوٹے بڑے فارسی متون ہندستانی مصنفین کے شائع کرایئے۔ خدا کرے آپ کے ایرانی رفقا وسیع الخیال ہوں اور ''در پوچ گویانِ ہند بدنیست'' کہنے والے نہ ہوں۔ آپ نے جو منصوبہ بنایا ہے ممکن ہو تو اس کی ایک عکسی نقل بھیج دیجیے۔ ممکن ہے دو چار کتابوں کا اضافہ میں بھی کر دوں جو میرے پیش نظر ہیں۔

''آئینۂ میراث'' کے اصحاب، ایران سے آئے ہوں تو لکھیے کہ کیا طے پایا۔ رسالے کا کوئی شمارہ شائع ہوا ہو تو بھیجیے۔ دو ایک مضمون آپ کو بھیجوں گا۔

ڈاکٹر نذیر احمد بخیر ہیں، لیکن اپنی اہلیہ کے علاج کی وجہ سے پریشان ہیں۔ خدا انھیں صحت بخشے اور ڈاکٹر صاحب کو پریشانیوں سے نجات دلائے۔ مقالات عارف کا انھوں نے کبھی ذکر نہیں کیا۔ میں اس کے مطالعے کا مشتاق ہوں۔ ممکن ہو تو ایک نسخہ بھجوایئے کہ اس سے مستفید ہو سکوں۔

ایران سے آپ کے تعلقات ہیں۔ میرے ایک شاگرد آقاے محمود اسد اللہی، مشہد یونیورسٹی میں عربی کے استاد اور صدر تھے۔ اب متقاعد ہو کر کہیں چلے گئے ہیں۔ ان سے میں نے اپنی نگرانی میں المقریزی کی نایاب تصنیف کتاب المقفّیٰ کی پہلی جلد اڈٹ کرائی تھی، جس سال انھیں علی گڑھ سے ڈاکٹریٹ تفویض ہوئی، اسے میں نے دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد سے شائع کرا دیا ہے۔ اس کا ایک نسخہ انھیں حکیم سید ظل الرحمان صاحب کے ہاتھ بھجوایا تھا۔ جب وہ ایک کانفرنس میں ایران جا رہے تھے۔ مشہد میں تو وہ نہیں ملے۔ وہ کسی اور مقام پر مقیم ہیں۔ ٹیلیفون پر انھوں نے حکیم صاحب کو بتایا کہ کتاب فلاں صاحب کو دے دیجیے، میں ان سے حاصل کر لوں گا۔ کئی مہینے ہو گئے ان کی رسید تک نہیں آئی۔ کسی سے ان کا موجودہ پتا حاصل کرنے کی کوشش کیجیے۔

نثار احمد فاروقی بڑے محنتی اور مستعد انسان تھے۔ میں انھیں بہت دنوں سے جانتا ہوں۔ بی اے اور شاید ایم اے میں

بھی، میں ان کا ممتحن تھا۔ گوپی چند نارنگ صاحب کا خط آیا تھا کہ میں ان کا خیال رکھوں۔ ان کا پرچہ بہت اچھا تھا۔ انھیں شاید سب سے زیادہ مارکس ملے۔ پی ایچ ڈی کے مقالے کا بھی ممتحن تھا اور ان کا شفوی امتحان لینے بھی دہلی گیا تھا۔ اس وقت سے ان کے میرے تعلقات ہیں۔ خوبیوں کے آدمی تھے۔ تحریر بہت اچھی تھی، تقریر میں بھی بند نہ تھے۔ سوادخط بہت پاکیزہ تھا۔ ان کے کوئی سوا (۱۰۰) خط ضرور میرے پاس ہوں گے۔ قابلِ اشاعت ہیں۔ وہ صاحبِ تصانیف کثیرہ ہیں۔ کئی بہت اچھی کتابیں انھوں نے لکھی ہیں۔ انھوں نے جو متون شائع کیے ہیں وہ آپ کی نظر سے گزرے ہوں گے۔ اگر وہ کچھ دن اور زندہ رہتے تو کچھ اور اچھی کتابیں شائع کرتے۔ خدا مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور ان کی مغفرت فرمائے۔

ڈاکٹر احمد خان صاحب آج کل کیا کر رہے ہیں۔ ان کے علمی مشاغل سے اطلاع دیجیے۔ کیا ان کے قائم کردہ ادارے سے کو[ئی] کتابیں شائع ہوئی ہیں، مطلع کیجیے گا۔

امید ہے آپ بخیر ہوں گے اور علمی کاموں میں بدستور مصروف۔ والسّلام۔

مختار الدین احمد

آپ کا E-mail دو خطوں میں علیحدہ علیحدہ لکھا ہوا ہے۔ آخری اور صحیح کون [سا] ہے؟ لکھیے گا۔

پس نوشت: براہ کرم ذوالفقار مصطفیٰ صاحب کا خط اس پتے پر ڈاک سے بھیج کر ممنون کریں۔

کراچی 75300 گلشن اقبال Block I, A-201

(۳)

۲۶/۹/۲۰۰۵

باسمہ

علی گڑھ

۲۶ اکتوبر ۲۰۰۵ء

مکرّمی عارف نوشاہی صاحب، السلام علیکم

آپ کی کتاب نقدِ عمر موصول ہوئی، ولو متاخراً۔ یہ تو کچھ عرصہ پہلے ہی چھپ گئی تھی، اس کا انتظار تھا۔ سرسری طور پر رات پوری کتاب دیکھ گیا۔ بہت اچھے اور قیمتی مضامین ہیں اور پُر معلومات۔ پڑھ کر مستفید ہوا اور مسرُور۔ آپ کے لیے دل سے دعائیں نکلیں۔ سلسلہ جاری رکھیے۔ مضامین لکھنے ہی کا نہیں، کتابی شکل میں شائع کرنے کا بھی۔ اس طرح مضامین محفوظ ہو جاتے ہیں اور ان سے استفادہ آسان۔ اب فرصت نکال کر آپ کی کتاب عید کے بعد اطمینان سے پڑھوں گا۔ فارسی مقالات کا مجموعہ دیکھنے کا اشتیاق ہے۔

نصر اللہ بن عبدالسلام کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتاب کہیں دیکھی ہے۔ یاد نہیں ہندستان میں یا انگلستان میں؟ اگر یاد آ گئی تو آپ کو اطلاع دوں گا۔

میر عبدالجلیل بلگرامی والا مضمون میں نے بہت شوق سے پڑھا کہ اس کی ایک خاص وجہ ہے۔ فرصت پا کر لکھوں گا۔

''آئینۂ میراث'' سلسلے کی مطبوعات بھیجیے۔...... [الفاظ پڑھے نہیں جا سکے۔ شاید: ''آپ کے نمبر میں''] میری خاص دل چسپی ہے۔ ایک فارسی متن مرتّب کروا رہا ہوں۔ ممکن ہے اشاعت کے لیے آپ ہی کو بھیجوں۔

رقعات حزین (مرتّبہ گستاخ) پر کوئی پچیس سال پہلے میں نے کام شروع کیا تھا۔ اس کی ایک نقل سید حسن عسکری صاحب کو بھیجی تھی۔ خیال تھا کہ شاید وہ شائع کریں۔ اس لیے میں نے اسے چھپوانے کی کوشش نہیں کی۔

فہرست کتاب ہاے چاپ سنگی ممکن ہو تو بھجوائیے۔ فہرست کتب خانۂ قریشی بھی۔ یہ قریشی کون ہیں؟

عرصے سے آپ کا کوئی خط نہیں آیا۔ امید ہے آپ بخیر ہوں گے۔ والسلام

مختار الدین احمد

(۴)

۲۵/۱۲/۲۰۰۵

محترمی! تسلیم

آپ کی کتاب نقد عمر مل گئی تھی۔ آپ کی کتاب میں نے پڑھ لی ہے۔ بہت اچھے اعلیٰ معیار کے مضامین ہیں۔ مجھے ان کے مطالعہ سے بہت خوشی ہوئی۔ یقین ہے کہ اس کے پڑھنے والے اس سے مستفید ہوں گے۔ ریسرچ کرنے والے اصحاب کو ان مضامین کو اپنی تحقیق کا نمونہ بنانا چاہیے۔ ان کے مطالعہ سے انھیں اندازہ ہوگا کہ ریسرچ کے مضامین کس طرح لکھے جاتے ہیں۔

گذشتہ سال دو سال کے دوران جو کتابیں اور مضامین آپ نے لکھے ہوں، ان کے نسخے، آف پرنٹس ضرور بھجوائیے تا کہ ان کے مطالعہ سے میں مسرّت حاصل کر سکوں۔ ''مقالات عارف'' کا شدید انتظار ہے۔

مختار الدین احمد

(مندرجہ بالا خط بذریعہ ای میل موصول ہوا۔)

حواشی:

خط ۱: حکیم ظلّ الرحمان؛ علی گڑھ کی معروف علمی شخصیت۔ انھوں نے اپنے گھر ''تجارہ ہاوس'' کو ابن سینا اکیڈمی میں بدل دیا ہے جہاں ان کا ذاتی کتب اور ایک مختصر سا میوزیم ہے۔ اکثر پاکستان آتے رہتے ہیں۔ ۲۷ اکتوبر ۲۰۰۴ء کو راول پنڈی تشریف لائے تو میری ان سے ملاقات ہوئی تھی۔

مقالات عارف، فارسی ادب اور مخطوطات سے متعلق میرے ۳۲ فارسی مقالات کا مجموعہ جسے تہران سے بنیاد موقوفات دکتر محمود افشار، نے ۲۰۰۲ء میں شایع کیا۔

کمال عترت، تالیف میر مہدی ''عترت'' اکبر آبادی، مقدمہ عارف نوشاہی، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۹ء، عبدالواسع ہانسوی کی غرائب اللغات کے بعد دوسری قدیم اردو فارسی فرہنگ ہے۔

رقعات حزین؛ میں نے علی گڑھ اور لاہور کے نسخوں کی مدد سے مرتب کیے۔ یہ میری مرتبہ کتاب حزین نامہ، مطبوعہ تہران ۲۰۰۵ء میں شامل ہیں۔

دریافت؛ شعبۂ اردو، اوینٹل کالج، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور کا رسالہ جو اس زمانے میں صدر شعبہ ڈاکٹر تحسین فراقی کی ادارت میں شایع ہوتا تھا۔

کلیات اشرف، محمد اشرف منچری (۱۱۵۵-۱۲۲۵ھ) کا اردو کلام، مرتبہ سید شریف احمد شرافت نوشاہی، جسے میں نے انجمن ترقی اردو کے رسالہ ''اردو''، کراچی، ۲۰۰۰ء میں چھپوایا اور پھر اسی طباعت کو کتابی صورت میں ادارۂ معارف نوشاہیہ، اسلام آباد کی طرف سے شایع کیا۔

ڈاکٹر نذیر احمد، سابق صدر شعبہ فارسی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، فارسی ادب کے محقق اور مصنف و مرتبِ کتب کثیرہ۔ فارسی فرہنگوں سے انھیں خاص دل چسپی تھی۔ ۱۱۹ اکتوبر ۲۰۰۸ء کو علی گڑھ میں وفات پائی۔

سید حسن عباس؛ تہران میں میرے قیام ۱۹۸۹-۱۹۹۲ء کے ہمدم اور مخلص دوست۔ انھوں نے تہران یونیورسٹی سے میر غلام علی آزاد بلگرامی کے حالات اور تصانیف پر تحقیق کر کے ڈاکٹریٹ حاصل کی۔ اب شعبۂ فارسی ہندو یونیورسٹی وارانا سی (بنارس) میں پروفیسر ہیں۔

آئینۂ میراث یا ایرانی املا کے مطابق آینہ میراث؛ یہ مرکز پژوہشی میراث مکتوب کا سہ ماہی تحقیقی مجلّہ ہے۔ اُس زمانے میں مرکز کے مدیر ڈاکٹر اکبر ایرانی اور مجلّے کے مدیر جمشید کیانفر چاہتے تھے کہ مجلّے کا ایک خاص برّصغیر نمبر شایع کیا جائے۔ اس خاص نمبر کا مجھے مدیر نامزد کیا گیا۔ اس سلسلے میں مقالات کے حصول کے لیے میں نے اپنے تمام علمی احباب کو خطوط بھجوائے۔ چند ایک نے مثبت جواب دیا، بقیہ نے خاموشی اختیار کی۔ مناسب تعداد میں مقالات جمع نہ ہو سکنے کی وجہ سے یہ بیل منڈھے نہ چڑھی۔

خط۲: مشفق خواجہ؛ اردو ادب کے نامور محقق اور تحقیق پرور، وفات ۲۱ فروری ۲۰۰۵ء کراچی؛ میں نے خواجہ صاحب کی وفات کی تعزیت مختار الدین احمد مرحوم سے کی تھی کیوں کہ خواجہ صاحب ان کی محبوب شخصیت تھے۔

فہرست آذر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور کے ذخیرۂ آذر کے فارسی مخطوطات کی فہرست، جسے سید خضر عباسی نوشاہی نے مرتب اور مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد نے شایع کیا۔

''در پوچ گویانِ ہند بدنیست'' (ہندوستان کے فضول شعرا میں بُرا نہیں ہے)؛ یہ وہ جملہ ہے جو کسی ایرانی تذکرہ نویس (غالبًا محمد علی حزین لاہیجی) نے کسی ہندوستانی شاعر کے بارے میں لکھا ہے۔ دراصل اس کی مدح شبیہ ذمّ ہے۔ حزین، ہندوستانی فارسی گو شاعروں کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔

نثار احمد فاروقی (۱۹۳۴-۲۰۰۴ء)؛ دہلی یونیورسٹی کے صدر شعبہ عربی اور عربی، فارسی، اردو زبان و ادب کے صوفی منش محقق۔ ان سے دو تین ملاقاتیں ہوئی تھیں۔ ایک ملاقات لاہور اور ایک تہران میں بھی ہوئی۔ جب لاہور آئے تو میں انھیں ساتھ لے ڈاکٹر وحید قریشی اور ڈاکٹر خورشید رضوی سے ملوانے گیا تھا۔

ڈاکٹر احمد خان؛ ادارۂ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد کے سابق کتاب دار اور پاکستان میں عربی مخطوطات کے فہرست نویس۔ انھوں نے اپنے گھر (شہزاد ٹاؤن، اسلام آباد) میں عربی مخطوطات پر تحقیق کا ایک ذاتی ادارہ ''مرکز الحمایۃ المخطوطات'' قائم کر رکھا ہے جس کے اہتمام سے پاکستان میں موجود عربی مخطوطات کی فہرستیں شایع ہوئی ہیں۔

۱؎ ڈاکٹر مختار الدین احمد کے نام نثار احمد فاروقی کے ۶۳ خطوط ''تحقیق'' مکتوبات نمبر۲، جلد ۲۰، شمارہ ۲، ۲۰۱۲ء میں شائع ہو گئے ہیں، ص ۵۰۰ تا ۵۶۵، یہ خطوط ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب نے فراہم کیے تھے۔

خط۳: نقد عمر؛ برصغیر میں فارسی ادب سے متعلق میرے اردو مقالات کا مجموعہ، شایع کردہ اورینٹل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۵ء

نصر اللہ بن عبد السلام؛ یہ عالمگیر عہدی کے ایک کاتب تھے جن کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کچھ کتابوں کا تعارف میں نے اپنے ایک مقالہ ''عالمگیری عہد کا ایک لغت شناس کاتب کے مخطوطات کا تعارف'' میں کروایا ہے۔ یہ مقالہ نقد عمر میں شامل ہے۔

میر عبد الجلیل بلگرامی والا مضمون؛ یہ میرے ایک مضمون (مشمولہ نقد عمر) کی طرف اشارہ ہے جس کا عنوان ہے: بلگرام کے ایک علمی خانوادے

کی سندھ میں وقایع نگاری: کلہوڑا عہد میں۔

فہرست کتابہای فارسی چاپ سنگی وکمیاب کتابخانۂ گنج بخش مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد؛ تالیف عارف نوشاہی، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد، کی طرف سے دو جلدوں میں ۱۹۸۶-۸۹ء میں شایع ہوئی۔

فہرست مخطوطات کتب خانہ قریشی (فارسی، عربی، اردو، پنجابی مخطوطات کی فہرست)؛ تألیف عارف نوشاہی، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور، نومبر ۱۹۹۳ء، یہ ڈاکٹر وحید قریشی، لاہور کے مخطوطات کی فہرست ہے۔ یہ مخطوطات غالباً اب پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور کو منتقل ہو چکے ہیں۔

ABSTRACT

Hairat's letters to Jalil Qidwai

This article contains 65 letter's Hairat Shimalawi written to Jalil Qidwai during 1949-1963. These letters contain information about contemporary poets and critical review of their contribution to Urdu literature. These letters are expression of interest in writings of many scholars and research journals published from different places.

ڈاکٹر شاہ انجم

حیرت شملوی کے خطوط بنام جلیل قدوائی

حیرت شملوی (۱۹۰۰ء۔۱۹۶۴ء)[۱] اُردو کے معروف شاعر و ادیب اور مترجم تھے۔ آپ کا اصل نام عبدالمجید خاں اور والد کا نام عبداللطیف خاں تھا۔ آپ کے ادبی نام کا لاحقہ ’’شملوی‘‘ بخوبی پتا دیتا ہے کہ آپ کی مٹّی کہاں کی ہے؟ علی گڑھ، موڑک (راجستھان)، رام پور (یوپی) اور پھر دہلی قیام کرتے ہوئے ۱۹۶۲ء میں پاکستان پہنچے۔ ابتدأ سکھّر میں اپنے اعزّا ء کے ہاں ٹھہرے۔ بعدازاں کراچی میں درگاہ حضرت عبداللہ شاہ غازی واقع کلفٹن پر ایسا قیام کیا کہ پھر بعداز وفات ہی وہاں سے پاپوش نگر کے قبرستان پہنچائے گئے۔

حیرت نے علی گڑھ سے گریجویشن کر کے ہندوستان کی مرکزی حکومت میں سرکاری ملازمت اختیار کی۔ بقول جلیل قدوائی:

> وہ متحدہ ہندوستان کی مرکزی اسمبلی میں ایک شعبے کے نگراں تھے۔ اپنی نجی زندگی میں شملہ کی بزمِ ادب کی روحِ رواں اور اس آل انڈیا مشاعروں کی جان تھے، مگر پھر دیکھتے ہی دیکھتے ایسے بیمار پڑے کہ نچلا دھڑ مفلوج ہوتا چلا گیا۔ مجبوراً قبل از وقت رٹائرمنٹ اور پنشن لینا پڑی۔

حیرت کی زندگی میں ان کا صرف ایک شعری مجموعہ ’’آئینۂ حیرت‘‘ ہی شائع ہو سکا۔ آپ چھوٹی بحر میں غزل کے استاد کہے گئے ہیں۔ جلیل قدوائی (۱۹۰۴ء۔۱۹۹۶ء)[۲] نے ان کی غزل گوئی خصوصاً ان کے مذکورہ وصف ہی کے پیشِ نظر انھیں ’’کلاسیکی غزل گو اور اُستادِ سخن‘‘ قرار دیا ہے[۳]۔ اسی طرح علاّمہ امتیاز علی خاں عرشی رام پوری نے کلامِ حیرت دیکھ کر کہا تھا کہ: ’’میں اب تک آپ کو شاعر جانتا تھا۔ صاحبِ طرز استاد نہیں سمجھتا تھا، ان غزلوں کے مطالعے کے بعد میں نے باور کر لیا ہے کہ آپ اس وقت تمام غزل گویوں کے پیشوا ہیں‘‘[۴]۔

حیرت اور جلیل قدوائی کے دوستانہ روابط کا آغاز ۱۹۳۶ء میں اس وقت ہوا، جب جلیل نے علی گڑھ یونی ورسٹی کے شعبۂ اُردو کو بوجوہ چھوڑ کر حکومتِ ہند کی ملازمت اختیار کی۔

راقِم سطور کے پاس تقریباً تمام دست یاب حیرت۔ جلیل، مراسلت محفوظ ہے[۵]۔ اس سلسلۂ مراسلت کے کچھ منتخب خطوط

’’تحقیق‘‘، جام شورو کے مکتوبات نمبر (۱) میں شائع ہوئے تھے۔ زیرِ نظر اشاعت میں حیرتؔ شملوی کے کچھ اور خطوط پیش کیے جا رہے ہیں۔

خطوط کی تاریخی، علمی، ادبی اور ثقافتی حیثیتیں مسلّمہ ہیں۔ سوانحی تحقیق میں ایسا مسالا کتنا مفید ثابت ہو سکتا ہے؟ یہ امر اہلِ علم سے تو یقیناً پوشیدہ نہیں۔

پیش کردہ خطوط کا متن اصل کے عین مطابق ہے۔ اس ضمن میں حفظِ متن کے اُصولوں کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔ آخر میں ایک صراحت ضروری معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ بعض مقامات پر پُرانے املا کی جگہ املاے جدید کو اختیار کیا گیا ہے۔ مثلاً: بھیجدیں، ٹھہرونگا، آجکل، یکقلم نسبتہً، بیجا وغیرہ

خط کے آخر میں اپنے دست خط کے بعد مکتوب نگار نے جو سطور ایزاد کی ہیں اُن پر راقم نے پس نوشت کی سُرخی کا اضافہ کیا ہے۔ قابلِ وضاحت مقامات پر مختصر حواشی بھی تحریر کیے گئے ہیں۔

حرفِ آخر یہ کہ حیرتؔ کی نثر بھی اُن کی غزل کی طرح پڑھے جانے کے لائق ہے۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا، ملاحظہ کیجیے، لیکن اس سے قبل خطوط کی فہرست پر بھی ایک نظر ڈالتے چلیں:

نمبر شمار	مقامِ تحریر	تاریخِ تحریر	نمبر شمار	مقامِ تحریر	تاریخِ تحریر
۱۔	موڑک (راجستھان)	۹؍نومبر ۱۹۴۹ء	۲۔	موڑک	۲۵؍دسمبر ۱۹۴۹ء
۳۔	موڑک	۵؍ستمبر ۱۹۵۰ء	۴۔	موڑک	۳۱؍اکتوبر ۱۹۵۰ء
۵۔	موڑک	۲؍نومبر ۱۹۵۰ء	۶۔	موڑک	۲۳؍جنوری ۱۹۵۱ء
۷۔	موڑک	۲۹؍مارچ ۱۹۵۱ء	۸۔	رام پور (یوپی)	۱۶؍جنوری ۱۹۵۲ء
۹۔	رام پور	۲۲؍اگست ۱۹۵۲ء	۱۰۔	رام پور	۲۱؍فروری ۱۹۵۳ء
۱۱۔	رام پور	۲۵؍جون ۱۹۵۳ء	۱۲۔	رام پور	۱۳؍جنوری ۱۹۵۴ء
۱۳۔	رام پور	۹؍فروری ۱۹۵۴ء	۱۴۔	رام پور	۹؍اپریل ۱۹۵۴ء
۱۵۔	رام پور	۲۹؍اپریل ۱۹۵۴ء	۱۶۔	رام پور	۲۷؍مئی ۱۹۵۴ء
۱۷۔	رام پور	۱۳؍جنوری ۱۹۵۵ء	۱۸۔	رام پور	۱۷؍جولائی ۱۹۵۵ء
۱۹۔	رام پور	۱۷؍ستمبر ۱۹۵۵ء	۲۰۔	رام پور	۲۵؍مئی ۱۹۵۶ء
۲۱۔	رام پور	۲۰؍جون ۱۹۶۰ء	۲۲۔	رام پور	۱۱؍ستمبر ۱۹۶۰ء
۲۳۔	رام پور	۲۵؍ستمبر ۱۹۶۰ء	۲۴۔	رام پور	۱۴؍اکتوبر ۱۹۶۰ء

۲۵۔	رام پور	۱۴؍نومبر۱۹۶۰ء	۲۶۔	رام پور	۲۴؍نومبر۱۹۶۰ء
۲۷۔	رام پور	۱۹؍دسمبر۱۹۶۰ء	۲۸۔	رام پور	۲۷؍دسمبر۱۹۶۰ء
۲۹۔	رام پور	۱۹؍جنوری۱۹۶۱ء	۳۰۔	رام پور	۱۴؍فروری۱۹۶۱ء
۳۱۔	رام پور	۹؍مارچ۱۹۶۱ء	۳۲۔	رام پور	۱۱؍مارچ۱۹۶۱ء
۳۳۔	رام پور	۳۰؍مارچ۱۹۶۱ء	۳۴۔	رام پور	۱۷؍اپریل۱۹۶۱ء
۳۵۔	رام پور	۲۶؍مئی۱۹۶۱ء	۳۶۔	رام پور	۹؍جولائی۱۹۶۱ء
۳۷۔	رام پور	۱۷؍ستمبر۱۹۶۱ء	۳۸۔	رام پور	۲۳؍اکتوبر۱۹۶۱ء
۳۹۔	رام پور	۷؍نومبر۱۹۶۱ء	۴۰۔	رام پور	۱۸؍جنوری۱۹۶۲ء
۴۱۔	رام پور	یکم فروری۱۹۶۲ء	۴۲۔	رام پور	۲۲؍فروری۱۹۶۲ء
۴۳۔	رام پور	۲۱؍مارچ۱۹۶۲ء	۴۴۔	رام پور	۱۷؍اپریل۱۹۶۲ء
۴۵۔	رام پور	۲؍جون۱۹۶۲ء	۴۶۔	رام پور	۷؍اگست۱۹۶۲ء
۴۷۔	رام پور	۲۱؍اگست۱۹۶۲ء	۴۸۔	رام پور	۲۴؍اگست۱۹۶۲ء
۴۹۔	رام پور	۱۲؍ستمبر۱۹۶۲ء	۵۰۔	رام پور	۲۲؍اکتوبر۱۹۶۲ء
۵۱۔	پرانا سکھر (سندھ)	۱۷؍دسمبر۱۹۶۲ء	۵۲۔	پرانا سکھر	۲۱؍دسمبر۱۹۶۲ء
۵۳۔	پرانا سکھر	۲۵؍دسمبر۱۹۶۲ء	۵۴۔	پرانا سکھر	۲؍جنوری۱۹۶۳ء
۵۵۔	پرانا سکھر	۱۱؍جنوری۱۹۶۳ء	۵۶۔	پرانا سکھر	۲۸؍فروری۱۹۶۲ء
۵۷۔	پرانا سکھر	۱۴؍مارچ۱۹۶۳ء	۵۸۔	کراچی	۱۳؍اپریل۱۹۶۳ء
۵۹۔	کلفٹن، کراچی	۲۶؍اپریل۱۹۶۳ء	۶۰۔	کراچی	یکم مئی۱۹۶۳ء
۶۱۔	کراچی	۶؍مئی۱۹۶۳ء	۶۲۔	کراچی	۱۴؍مئی۱۹۶۳ء
۶۳۔	کراچی	۱۵؍مئی۱۹۶۳ء	۶۴۔	کراچی	۲۴؍مئی۱۹۶۳ء
۶۵۔	کراچی	۱۲؍جون۱۹۶۳ء			

(۱)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

موڑک (راجستھان)

بدھ، ۹؍نومبر ۱۹۴۹ء

برادرگرامی جلیلؔ صاحب! السّلام علیکم

یہ کارڈ محض رسید ہے یعنی یہ کہ ’’قومی زبان‘‘ کے تین پرچے اور ایک پرچہ ’’اُردو ادب‘‘ مل گئے۔ اس نوازش کا دلی شکریہ۔

مگر آیندہ جوابِ خط میں اتنی تاخیر نہ کیا کریں، مجھے تو یہ گمان ہو چلا تھا کہ میرا خط آپ تک نہیں پہنچا۔

رسالہ ’’اردو ادب‘‘ مل جائے تو بھیج دیں لیکن بھیجنے سے پہلے ٹیلیفون پر بدرالدین احمد صاحب سے بھی پوچھ لیں، جب اتنے دن آپ کا خط نہیں آیا تو میں نے یہ فرمائش اُن سے کردی تھی، اس لیے ایسا نہ ہو کہ رسالہ وہ بھی بھیج دیں اور آپ بھی۔

’’ماہِ نو‘‘ آپ نہ بھیجیں، بدرالدین احمد صاحب لکھ چکے ہیں کہ وہ بھجوائیں گے۔

قومی زبان البتّہ آپ بھیجیں اور رسالہ اردو اور ان کے علاوہ کبھی کبھار اپنی نظر سے کوئی اور ادبی تحفہ، ایک پرچہ معاشیات[۱] بھی بھیجیے۔ دیکھیں تو سہی آپ کا یہ خط ۵؍نومبر کا چلا آج ۹؍کو مجھے مل گیا۔ اُمید ہے کہ اس طرف سے یہ کارڈ بھی اسی طرح جلد آپ تک پہنچ جائے گا۔

یکم نومبر کا ’نمکدان‘[۲] اب تک نہیں ملا، شاید اس مرتبہ یہ حضرات حیرتؔ کو بھول گئے۔

ان شاءاللہ آیندہ خط میں دو چار غزلیں بھیجوں گا، اس وقت یہ پانچ شعر ملاحظہ فرمائیں:

مسلسل ہی رہے گی ابتلا کیا　　نہ ہوگا ختم اس کا سلسلہ کیا
یہ کیا سرگوشیاں سی ہو رہی ہیں　　چمن میں کوئی تازہ گل کھلا کیا
اسے اہلِ نظر ہی جانتے ہیں　　کسی کو خاک میں مل کر ملا کیا
اگر ان کا ستم بھی اک کرم ہے　　تو پھر اس کی شکایت کیا گلہ کیا
چلو یہ تو ہوا معلوم حیرتؔ　　کہ ہوتا ہے محبّت کا صلہ کیا

بیمار ہوں اور بدستور معذور و مجبور مگر صحت کی طرف سے مایوس مطلق نہیں یہی اُمید ہے کہ باری تعالیٰ فضل فرمائیں گے۔

طالبِ دعا
عبدالمجید حیرتؔ

[پس نوشت]

زیبا صاحب[۳] اور جعفری صاحب[۴] کیا آپ ہی کے محکمہ سے وابستہ ہیں؟ بہ صورتِ ملاقات عبدالمجید حیرتؔ کا سلام پہنچا دیں، بیگم جلیلؔ سے سلام کہہ دیں، بچّوں کو بہت بہت دعا۔ حیرت

(۲)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

موڑک (راجستھان)

اتوار، ۲۵ر دسمبر، ۱۹۴۹ء

جلیلؔ صاحب مکرّم! السّلام علیکم

خط تو آپ کا کوئی آیا نہیں، ۱۶ر دسمبر کا ''قومی زبان'' البتّہ آپ کی طرف سے ضرور ملا، خیر یہی سہی، میں نے آپ سے رسالہ اردو کے لیے بھی درخواست کی تھی مگر... یہ درخواست بدرالدین احمد صاحب سے بھی کی تھی، مگر...

اس کے علاوہ شاید ایک درخواست، یہ بھی کی تھی کہ Islamic Life ایک تازہ رسالہ کراچی سے نکلا ہے، ممکن ہو تو ایک پرچہ (نمونتہً) اس کا بھی بھیجیں، مگر...

اچھا لیجیے اب وعظ سنیے:

کچھ برا بھی سنو تو غم نہ کرو   اپنی ہمدردیوں کو کم نہ کرو
نہ کرو فکرِ بیش و کم نہ کرو   صبح شادی کو شامِ غم نہ کرو
حق کو باطل کے ساتھ خم نہ کرو   اپنی جانوں پہ یہ ستم نہ کرو
جاہ و حشمت کے آستانوں پر   سرکسی حال میں بھی خم نہ کرو
کام لو صبر و استقامت سے   مشکلیں آپڑیں تو رم نہ کرو
چھوڑنا جن کا بارِ خاطر ہو   ایسے سامان ہی بہم نہ کرو
اب تو اے دوستو خدا کے لیے   ذکرِ بت خانہ و صنم نہ کرو
اپنے ہاتھوں ہی اپنی ناقدری   اے عزیزانِ محترم نہ کرو
ہے اگر فکرِ عاقبت حیرتؔ
گم خدارا رہِ حرم نہ کرو

اربابِ نمکدان، ''نمکدان'' نہیں بھیجتے خیر کچھ مضائقہ نہیں، وجہ ظاہر ہے ان کے مطلب کی میرے پاس کوئی چیز نہیں، دو ترجمے ان کے پاس لٹک رہے ہیں، شاید ان کے نزدیک وہ ترجمے اشاعت کے لیے موزوں نہیں، اللہ اللہ خیر سلاّ۔ قصّہ ختم

نیاز مند بیمار و گنہگار

حیرتؔ

(۳)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

موڑک (راجستھان)
منگل، ۵ر ستمبر ۱۹۵۰ء

جلیلؔ صاحب مکرّم! السّلام علیکم

پچھلا خط ۴ر اگست کو لکھا تھا، نہ رسید آئی نہ معروضات کا جواب۔

۲۔ اس دوران میں سالنامہ[۱] ملا، ادارت سے عسکری صاحب غائب، بہرحال رسالہ ادب و شعر کا دیدہ زیب و دلفریب مرقع تھا۔

۳۔ آپ کے منتخب اشعار میں محشر صاحب بدایونی کا وہ شعر بیاض حیرتؔ میں بھی تھا، دوسرے اشعار معلوم نہیں آپ نے کہاں سے لیے کم از کم ان پرچوں میں تو نہیں تھے، جو یہاں مجھ تک پہنچ جاتے ہیں۔

اگر آپ کی غزل کی تعریف کرتا ہوں تو اس کے یہ معنی ہوں گے، کہ اپنی غزل کی تعریف چاہتا ہوں، اس لیے کچھ نہیں کہتا۔

۴۔ کتابوں سے متعلق اُس سوال کا جواب کب دیجیے گا؟ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل حضرات کے پتے چاہئیں، مرحمت فرمائیں۔

جناب ہاشمی فرید آبادی[۲] جناب وحشت (سید رضا علی)
جناب عندلیب شادانی جناب یاس یگانہ
جناب اثر (لکھنؤی سابق ڈپٹی کلکٹر)[۳]

۵۔ مالک رام صاحب[۴] کو آپ کا سلام لکھ چکا ہوں، ہنوز جواب نہیں آیا، مالک رام صاحب اب اسکندریہ سے بغداد منتقل ہو گئے ہیں۔

۶۔ میں نے وزیر الحسن صاحب عابدی[۵] کا پتا بھی پوچھا تھا، آپ نے توجہ نہیں فرمائی، معلوم ہو تو تحریر فرمائیں یا دریافت فرما کر لکھیں۔

۷۔ میرا حال بدستور ہے لیکن ہمّت پست نہیں اور اُمید کمزور نہیں۔

۸۔ بچّوں کو دعا اور پیار۔

۹۔ ابھی ابھی اسد صاحب کا خط ملا، دفتر شکایت سب سوخت۔

نیاز مند
حیرتؔ

(۴)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

موڑک (راجستھان)

منگل، یکم نومبر ۱۹۵۰ء

جلیلؔ صاحب! مکرّم السّلام علیکم

پچھلا خط ۱۳/ اکتوبر کو لکھا تھا اس میں یہ غزل تھی ’’اس در کے سوا جس کا ٹھکانا ہی نہیں اور‘‘ اُمید ہے کہ یہ خط آپ کی نظر سے گزرا ہوگا۔

۲۔ اکتوبر کا ’’ماہِ نو‘‘ آج یکم نومبر کو ملا، مگر ستمبر کا شمارہ نہیں ملا، منتظر ہوں کہ کب ملے، محرومی گوارا نہیں۔

۳۔ مالک رام صاحب کا دوسرا خط بغداد سے آیا، اب وہ بغداد منتقل ہو گئے ہیں، آپ کا سلام ان تک پہنچا چکا ہوں۔

۴۔ تسلیم کہ وزیر الحسن صاحب عابدی کا پتا آپ کو معلوم نہیں مگر ان کا پتا معلوم کر لینا آپ کے لیے نسبتاً آسان ہے، توجہ فرمائیں۔

۵۔ ’’اردو‘‘ اور ’’قومی زبان‘‘ بلکہ ایک پرچہ معاشیات بھی چاہیے، اگر آپ کرم فرمائیں۔

۶۔ میرے لیے دعا فرمائیں بدستور بیمار ہوں، بچّوں کو دعا اور پیار۔

نیازمند

عبدالمجید حیرتؔ

[پس نوشت]

۷۔ اسدؔ صاحب[۱] ’’آئینۂ حیرت‘‘[۲] پر کچھ لکھ رہے ہیں، اگر چند لفظ آپ بھی لکھ دیں، تو سبحان اللہ۔ آپ نے حسرت پر لکھا کچھ حیرت پر بھی ہو جائے۔

مزید

پچھلے ایک خط میں ’’غزل نما‘‘ کی ضرورت کی طرف اشارہ کیا تھا، ارادہ کر رہا ہوں کہ اکتوبر یا نومبر کے ان رسائل سے جو میرے پاس آئے ہیں خود ایک ’’غزل نما‘‘ تیار کروں اور آپ کے پاس بھیج دوں، اگر یہ چیز آپ کو پسند آئی تو ’’ماہِ نو‘‘ کے لیے ایک اچھا موضوع ہوگا۔[۳]

سہ ماہی ’’نوائے ادب‘‘ بمبئی کیا آپ نے منگوایا؟

حیرتؔ

(۵)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

موڑک (راجستھان)

جمعرات، ۲/ نومبر ۱۹۵۰ء

جلیلؔ صاحب مکرّم! السّلام علیکم

ایک عریضہ پرسوں ہی لکھ چکا ہوں، مگر تاریخ غلط لکھ گیا، اس روز تو ۳۱/ تاریخ تھی۔

صبح وہ خط لکھا شام کو بصیغۂ رجسٹری ''ماہ نو'' ستمبر ملا۔ یہ خط دراصل اسی کی رسید ہے۔

آج آپ کا خط بھی ملا، کسی سے لکھوایا ہوا خط، کچھ مضائقہ نہیں مضمون تو آپ کا تھا۔

''نمکدان'' ہنوز نہیں ملا نہ تازہ ''قومی زبان''، شاید امروز فردا میں ملے۔ ''اردو''[1] کے لیے کسی اور بندۂ خدا کو تکلیف دوں گا۔

آج بغداد سے مالک رام صاحب کا بھی خط آیا ہے۔ بہت مختصر خط، کوئی بات قابلِ ذکر نہیں۔

وزیر الحسن صاحب عابدی کا پتا معلوم ہو جائے تو ضرور مطلع فرمائیں۔

''نواب''[2] صاحب سے پھر ملاقات ہو تو سلام پہنچا دیں آپ کو معلوم ہو تو ''سیٹھ'' صاحب[3] کا پتا بھی لکھیں۔

بچّوں کو دعا اور پیار

احقر
حیرتؔ بیمار

(۶)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

موڑک (راجستھان)
منگل، ۲۳/ جنوری ۱۹۵۱ء

جلیلؔ صاحب مکرّم! السّلام علیکم

ایک مہینے سے زیادہ ہوا آپ کا کوئی خط نہیں ملا، نہ میرے خط کا جواب۔

۲۔ میں نے دفتر کے پتے پر زیبا صاحب[1] اور جعفری صاحب[2] کو خط لکھے تھے مگر جواب ایک صاحب نے بھی نہ دیا، اگر مضائقہ نہ ہو تو دونوں صاحبوں سے ٹیلیفون پر دریافت کریں اور مجھے مطلع۔

۳۔ ''ماہِ نو'' کے لیے میں نے ایک غزل پچھلے دنوں اسد صاحب[3] کی وساطت سے بھیجی تھی، اگر نہ پہنچی ہو تو وہ یہ ہے:

آئینۂ حیرتؔ

جہاں یہ ہو کہ حساب و کتاب کیا ہوگا   برائیوں سے وہاں اِجتناب کیا ہوگا
خدا نہ کردہ بتوں سے اگر سوال کیا   جناب خود ہی سمجھ لیں جواب کیا ہوگا

کرے بھی کوئی تو کس پیشکش پہ ناز کرے — خبر نہیں کہ وہاں انتخاب کیا ہوگا
کسی غریب کے آلام کی خبر سن کر — جو سنگدل ہیں اُنھیں اضطراب کیا ہوگا
شکایتِ غمِ پنہاں بھی کر نہیں سکتے — اب اور اس سے زیادہ عتاب کیا ہوگا
وہ سر زمین جہاں رات ہی نہیں ہوتی — طلوع اس کے لیے آفتاب کیا ہوگا
ہوئے نہ ہم بھی تو پھر بارِ غم اُٹھانے میں — ہمارے بعد کوئی کامیاب کیا ہوگا
جو چاہتا ہی نہیں منزل آشنا ہونا — وہ خضرِ راہ سے بھی فیض یاب کیا ہوگا

یہ ولولہ تو ہے لیکن خبر بھی ہے حیرتؔ
اُلٹ دیا جو کسی نے نقاب کیا ہوگا

۴۔ دسمبر کے ایک نمکدان میں ''اخبار الموڑک''[۴] نکلا تھا کیا آپ کی نظر سے گزرا۔

مجید صاحب لاہوری سے یہ شکایت شاید بے جا نہیں کہ نہ 'نمکدان' بھیجتے ہیں نہ خط کا جواب دیتے ہیں۔ کراچی میں میرے ایک کرم فرما (صدیقی صاحب) نمکدان بھیج دیتے ہیں اگر صدیقی صاحب دسمبر کا نمکدان نہ بھیجتے تو ہمیں یہ بھی نہ معلوم ہوتا کہ ''اخبار الموڑک'' کس پرچے میں چھپا۔

آپ کی طرف سے کوئی تحفہ نہیں یہاں تک کہ ''قومی آواز''[۵] بھی نہیں خیر۔

نواب صدیق علی خاں صاحب سے ملاقات ہو تو سلام پہنچا دیں۔

اُمید ہے آپ اور جملہ اہلِ خانہ بخیریت ہوں گے۔

یہاں تو بدستور بیمار ہیں۔

نیازمند
عبدالمجید حیرتؔ

[پس نوشت]

کسی وقت فرصت نکال لیے اور کتابوں سے متعلق اس سوال پر بھی توجہ فرمایئے، فرصت نکالنے سے نکلے گی ویسے نہیں۔

(۷)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

موڑک (راجستھان)

جمعرات، ۲۹/ مارچ ۱۹۵۱ء

جلیؔل صاحب مکرّم! السّلام علیکم

مؤدّت نامہ ملا، اور ''قومی زبان'' مؤرّخہ ۱۶/ فروری، آپ کی تصویر دیکھی، لیکن اگر نشان لگا نہ ہوتا تو پہچاننا مشکل ہوتا۔

۲۔ ''قومی زبان'' کے لیے آپ زحمت نہ فرمائیں، ہمارے بدرالدین صاحب نے سال بھر کا چندہ اپنی جیب سے دے دیا ہے اور پرچہ جاری کرادیا ہے، خدا اُنھیں جزائے خیر دے کہ انھوں نے اس گنہگار پر اتنا بڑا اکرم کیا، لیکن یہ میری تحریک نہ تھی، بلکہ میں نے تو اُنھیں روکا تھا کہ، میرے لیے ایسی کوئی تکلیف نہ فرمائیں۔

۳۔ مارچ کا ''ماہِ نو'' مل چکا ہے۔ جناب خاور[1] سے میں واقف نہیں، میرے لیے تو یہ نام کچھ نیا سا ہے، معلوم نہیں ''ماہِ نو'' کی ادارت میں یہ تبدیلیاں کیوں ہو رہی ہیں اور کیوں غریب ''قریشی'' اس اعزاز سے سبکدوش کردیے گئے۔

۴۔ کتابوں کے نام ضرور کسی قریبی فرصت میں لکھ دیجیے، بہت دن ہوگئے ہیں۔

جناب زیبؔا[2] اور جناب جعفری[3] سے یہ پوچھ کر تو لکھیے کہ کیا اُنھیں عریضہ نہیں ملا، اگر ملا، تو حیرت ہے کہ انھوں نے جواب سے محروم رکھا۔

۵۔ قومی زبان میں جناب مدیر (شجاع)[4] کی ایک نظم جناب جگر کی مدّاحی میں نظر سے گزری، مگر کتنی مشکل تھی، یہ نظم۔

۶۔ نواب صدیق علی خاں صاحب سے بشرطِ ملاقات سلام کہہ دیں، بچّوں کو بہت بہت دعا۔

نیازمند

عبدالمجید حیرتؔ

(۸)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

رامپور (یوپی)
محلّہ آتش بازاں

بدھ، ۱۶/ جنوری ۱۹۵۲ء

جلیل صاحب مکرم، السلام علیکم

ابھی گیارہ بجے ڈاک سے ماہِ نو ملا جنوری کا شمارہ، مگر وہ نومبر کا رسالہ اب تک نہ ملا، آپ کے وعدے کے باوجود بھی نہیں، اس وقت جنوری کا پرچہ ملا، تو ایک بچی نے بھی تقاضا کیا اور کہا کہ جلیل صاحب نے تو لکھا تھا کہ نومبر کا پرچہ بھجوا رہے ہیں، پھر یہ کیا بات کہ اب تک نہیں آیا، واضح ہو کہ بچیوں کو رسالہ تصویروں کی وجہ سے بہت پسند ہے اور مضامین میں، شہید لیاقت علی خان کا ذکرِ خیر، اس

لیے جلد توجہ فرمائیں۔

آپ کا انتخاب حسرت ان شاء اللہ ضرور بھیجوں گا اور عنقریب، بکس کھلنے کی نوبت نہیں آئی، آج کل سردی بہت تیز ہے کچھ کرنے دھرنے کی ہمّت نہیں ہوتی۔

نگار کا حسرت نمبر مجھے کل ملا، آپ تک بھی پہنچ چکا ہوگا، پورا دفتر ہے اور میرے نزدیک بہت وقیع، اردو ادب کا حسرت نمبر ابھی نہیں نکلا۔ اگر نکلا بھی تو ''نگار'' سے بہتر تو کیا ہوگا۔

ڈاک اگرچہ ''شوکت حسین صاحب بی اے، بی ٹی (علیگ) کے پتے سے بھی آجاتی ہے، محلّہ کھاری کنواں''، رامپور، لیکن بہتر یہ ہے کہ شوکت صاحب کا نام حذف کر دیا جائے، اور محلّہ کھاری کنواں نہیں بلکہ محلّہ آتش بازاں لکھا جائے، میں مہینوں سے اسی محلے میں ہوں اور یہ محلّہ ڈاک خانے سے بہت قریب ہے اس قرب کی بدولت ڈاک بہت جلد مل جاتی ہے۔

گھر میں آداب کہیے اور بچوں کو دعائیں۔

اسدؔ صاحب بدر صاحب اور فیض صاحب جس سے جب ملاقات ہو میرا اسلام کہہ دیں۔ اسدؔ صاحب مہینوں سے خاموش ہیں، معلوم نہیں کیوں؟ جناب خاورؔ نے غزل کے خلاف وہ ''جہاد کیا بند کر دیا''؟

نیازمند

عبدالمجید حیرتؔ

قومی زبان (یکم جنوری) میں آپ کے مجموعۂ کلام کا اشتہار تھا آپ کے خط سے تو یہ ظاہر ہوتا تھا کہ مجموعہ زیرِ ترتیب ہے۔

(۹)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

رامپور (یوپی)

محلّہ آتش بازاں

جمعہ ۲۲؍اگست ۱۹۵۲ء

جلیل صاحب مکرّم، السلام علیکم

مودّت نامہ مورخہ ۱۳ جولائی مل چکا ہے۔ رسید میں تاخیر کی ایک وجہ اس مرتبہ یہ بھی ہے کہ ایک ہفتے سے بہت بری طرح انفلوئنزا میں مبتلا ہوں، طبیعت بے حد مکدر پراگندہ اور مضمحل ہے۔

اس دوران میں جنوری اور اپریل کا ''العلم'' ملا، اور ایک پرچہ خلافِ توقع ''نمکدان''۔

امید ہے کہ آپ اور جملہ اہل خانہ اب اچھے ہوں گے کیا آپ دفتر جانے لگے؟

زیبا صاحب اور جعفری صاحب سے سلام کہیے جعفری صاحب اپنی ہکلی غزل مرحمت فرمائیں، خط لکھنے کی انھیں فرصت کہاں۔

اسدؔ صاحب کا خط آچکا ہے، جواب بھی دے چکا ہوں۔

خاورؔ صاحب نے میرے خط کا جواب نہیں دیا ___ جولائی کا ماہِ نو بھی نہیں بھیجا ___ ایسے بزرگوں کو کوئی لکھے بھی کیا؟

گھر میں آداب، بچوں کو دعا۔

احقر
حیرتؔ

(۱۰)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

رامپور (یوپی)
محلّہ آتش بازاں
سنیچر، ۲۱ فروری ۱۹۵۳ء

جلیل صاحب مکرّم، السلام علیکم

پچھلا عریضہ ۱۶/ جنوری کو لکھا تھا، اب تک جواب سے محروم ہوں کیا عجب کہ آپ پھر کسی طوفانی دورے پر ہوں اور اس میں اتنی فرصت بھی نہ ملی ہو کہ اپنی خیریت کے دو حرف ہی کھینچ دیتے۔

۲۔ آج ''العلم'' ملا ___ جنوری ۱۹۵۳ء کا شمارہ۔

سخنورانِ بدنام'' میں'' امانتؔ کو دیکھا اور انتخابِ مندرجہ سے اپنے لیے علیحدہ ایک انتخاب کرلیا، یہ کوئی ۳۰۔۴۰ شعر ہوں گے، بہت کافی ہیں۔

اسدؔ صاحب نہ معلوم اس قدر کیوں خاموش ہیں، میں نے پھر خط لکھا تھا، جواب ندارد۔

آپ کے نام پچھلے خط میں، میں نے فیض صاحب کے متعلق پوچھا تھا وہ بریلی آئے یہاں تک نہ آئے، شکایت یہ ہے کہ خط نہ یہاں سے لکھا نہ وہاں سے، خیر ملاقات ہو تو میرا سلام کہہ دیں۔

پنشن کا معاملہ بدستور لٹک رہا ہے۔

''ماہِ نو'' سے صرف ۲۵ روپے ہی مل کر رہ گئے۔ یہ جولائی کا ذکر ہے۔ میں نے اس سلسلے میں خاور صاحب کو لکھا تھا کہ

اگر کچھ باقی ہو تو......مگر وہ چپ ہیں خط پی گئے۔

بدرالدین احمد صاحب کا کرم دیکھیے کہ مرے منع کرنے کے باوجود اردو سائنس، سیاسیات اور قومی زبان گرہ سے پیسے دے کر میرے نام جاری کرا دیے۔

گھر میں آداب، بچوں کو دعا

احقر
حیرت

(۱۱)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

رامپور (یو پی)
محلّہ آتش بازاں
جمعرات، ۲۵؍جون ۱۹۵۳ء

جلیل صاحب مکرّم، السلام علیکم

پچھلا خط ۱۶؍مئی کو لکھا تھا، ___ لفافے کا جواب لفافہ، مگر خط تو خط، رسید تک سے محروم رہا آپ بھی جب چپ سادھتے ہیں تو ایسی کہ توبہ، خیر اس خط کی تو رسید'' اور کچھ نہیں، خیریت ہی معلوم ہو جائے۔

اس دوران میں آپ کا وہ ''ریاض'' بھی نہیں ملا، آخر آپ کے حوالے سے انھیں ایک خط لکھ بھیجا۔ مگر اب تک نہ جواب آیا ہے نہ رسالہ۔

وہاں آپ خاموش ہیں، یہاں مدّاح صاحب اور میر مرتضٰی علی صاحب، میر صاحب کو تین خط لکھ چکا ہوں جناب ملاح کو دو، مگر واں ایک خامشی مرے سب کے جواب میں۔

بدرالدین احمد صاحب تو خیر انگلستان گئے مگر آپ تو بدستور پاکستان ہیں۔

پچھلے عریضہ کا جواب دیجیے گا تو بعض جواب طلب مندرجات کا بھی خیال رکھیے گا ایسا نہ ہو کہ خط صرف ''رسید'' ہی ہو کر رہ جائے، احباب خاص کا ہر خط جی چاہتا ہے کہ مفصل ہو مختصر نہیں، لکھنے کے لیے باتیں بہت بشرط یہ کہ کوئی لکھنا چاہے۔

رسالہ ''اردو'' کب نکل رہا ہے ہم تک تو اس ۶؍مہینے میں ایک رسالہ بھی نہیں پہنچا۔

انگریزی سے اردو ترجمے کے لیے کوئی موزوں کتاب (تاریخ سیاست یا ناول) تو تجویز کیجیے لایئے کچھ کام ہی کریں۔

گھر میں آداب، بچوں کو دعا

احقر

عبدالمجید حیرتؔ

فیض صاحب سے ملاقات ہو جائے تو میرا سلام کہہ دیں خط ان دنوں نہ وہ لکھ رہے ہیں نہ میں۔

(۱۲)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

رامپور (یوپی)
محلّہ آتش بازّاں
بدھ، ۱۳/جنوری، ۱۹۵۴ء

برادر مکرّم جلیل صاحب، السلام علیکم

مودت نامہ مورخہ ۳۰/دسمبر پیشِ نظر ہے۔ اس دوران میں آپ کے کرم سے تازہ ''العلم'' بھی مل گیا، مگر اُس میں آپ نہیں تھے، نہ مضمون نہ غزل۔

آج ''ریاض'' کا شوکت نمبر بھی پہنچ گیا، تبصرے سے پہلے آخری صفحے پر آپ کو پایا اور اپنے آپ کو ___ یہ دراصل دوغزلہ تھا پہلی غزل ''فاران'' کو بھیج چکا تھا دوسری نذرِ ''ریاض'' کردی، ''ریاض'' اب برابر مل رہا ہے آپ کی توجہ اور مدیر ''ریاض'' کے کرم، دونوں کا شکریہ۔

''جھنکار'' کے ساتھ ''امروز'' کا تراشہ بھی تھا۔ دونوں ایک ساتھ نتھی رپورٹیں دونوں دلچسپ تھیں، ایک سے ایک زیادہ، مشاعرے کی پوری تصویر سامنے آ گئی۔

مالک رام صاحب کو ہمت کر کے خط لکھ ہی ڈالیے۔

یہ پڑھ کر بڑی مسرت ہوئی کہ آپ کو مولانا سیّد سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے ''خصوصیت'' تھی، احقر نے برسوں ہوئے مولانا کو دہلی میں میر مرتضیٰ علی صاحب کے ہاں دیکھا تھا اور شاید غزل بھی سنائی تھی، اس کے بعد جامع مسجد میں مولانا کو نمازِ جماعت کے بعد کچھ نوافل پڑھتے دیکھا تھا، اِن نوافل میں جاذبِ نظر ارکانِ نماز کی تعدیل تھی، وہ ''تعدیل'' جسے ان آنکھوں نے بس چند خاص نفوس ہی میں دیکھا۔

اس خصوصیت کی بناء پر جو آپ کو مولاناؒ سے تھی کیا ہی اچھا ہوا گر آپ مولانا سے اپنی ملاقاتوں کے تاثرات قلم بند کریں اور انھیں ''ریاض'' میں شایع کرائیں، یہ تاثرات خاصّے کی چیز ہوں گے۔

بیوی صاحب پچھلے مہینے بیمار ہو کر اچھی ہو گئی تھیں، اب پھر بیمار پڑ گئیں، سردی بھی وہ پڑ رہی ہے کہ پناہ بخدا حال بہر حال اب پہلے سے بہتر ہے، بیوی صاحبہ بیمار ہوتی ہیں تو اس بیمار کا حال اور سقیم ہو جاتا ہے چناں چہ ہے:

آپ کے پڑوسی فیض صاحب بہت دن سے خاموش ہیں انھوں نے میرے خط کا بھی جواب نہیں دیا، توجہ دلائیں۔

گھر میں آداب بچوں کو دعا، وہ بچی جو ہسپتال سے اچھی ہو کر آئی ہے اُمید ہے اب بالکل تندرست ہو گی۔

احقر
عبدالمجید حیرتؔ

(۱۴)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

رامپور (یوپی)
محلّہ آتش بازاں
منگل ۹ر فروری ۱۹۵۴ء

برادر مکرم جلیل صاحب، سلام و رحمت

مودت نامہ مورخہ ۲۱ر جنوری ۲۸ جنوری سے آیا ہوا ہے مگر جواب لکھنے کی نوبت آج آئی تاخیر کی ایک وجہ خاص وہی بیوی صاحب کی علالت تھی جس نے پورا جنوری لے لیا اسی سلسلے میں پچھلے ہفتے بیوی صاحب کے تایا صاحب موڑک سے آ گئے اور ایک ہفتہ رہ کر کل واپس موڑک گئے محمود (بیوی صاحب کے تایا زاد بھائی) علی گڑھ سے آ گئے تھے پہلے وہی آئے تھے، اس کے بعد ان کے والد صاحب مختصر یہ کہ گھر میں بیماری بھی رہی ہنگامہ بھی اور آزمائش بھی۔ الحمدللہ کہ اب قدرے سکون ہے اور بیوی صاحب کی طبیعت بھی رو بہ اصلاح، جنوری کی سردی نے بھی ہلا کر رکھ دیا تھا، مگر اب دو تین دن سے موسم بھی نرم ہے اس دوران میں اس گنہگار بیمار کا حال ابتر رہا ''ٹب باتھ'' اور دوسرے معمولات چھوٹ چھوٹ گئے اب پھر از سرِ نو یہ سلسلہ جوڑ رہا ہوں ڈیڑھ مہینے کے بعد آج نہایا ہوں اور اتنے عرصے کے بعد کل سر کے بال کٹوائے تھے۔

آپ کے خط سے آپ کی علالت کا حال معلوم ہوا اُمید ہے کہ اس عریضے کے پہنچنے تک آپ کی صحت و قوت عود کر چکی ہو گی۔

۲۔ ازدواجی رشتے کی صورت آپ کے ساتھ اور ہے احقر کے ساتھ اور یہاں تو ''در گلویم سنت پیغمبر است'' کا مضمون زیادہ ہے مگر اب پہلے سے زیادہ یہ فکر دامن گیر ہے کہ کچھ سہی، ۱۸ر برس کی رفاقت ہے خدا قائم رکھے۔

۳۔ مولانا سیّد سلیمان علیہ الرحمۃ کے متعلق آپ نے یہ نہیں لکھا کہ آپ اُن پر اپنے تاثرات لکھیں گے اور انھیں شائع کرائیں گے، یہ کام تو کرنے کا ہے۔

۴۔ ’’ریاض‘‘ تعجب ہے کہ آپ تک نہیں پہنچتا درآنحالیکہ خود صاحب ’’ریاض‘‘ آپ سے کبھی کبھی ملتے ہیں۔

فروری کا ’’ریاض‘‘ ابھی یہاں نہیں پہنچا مگر آتا ہی ہوگا۔

۵۔ اسؔد صاحب کا خط پورے دو تین مہینے بعد ملا، جواب اسی روز لکھ دیا تھا اب دیکھیے کب توجہ فرماتے ہیں، ملاقات ہو تو کہیے گا کہ خط کے لیے اتنی راہ نہ دکھایا کریں۔

۶۔ کیا آپ نے فیض صاحب تک میرا اسلام پہنچا دیا تھا، ملاقات کا موقع ہو تو وہاں ایک رقعہ ہی بھیج دیں، زود یا بدیر اِن شاء اللہ خط بھی لکھوں گا۔

۷۔ بدرالدین احمد صاحب سے ملاقات پر یا ٹیلیفون پر سلام پہنچا دیں، میرے عریضے کے جواب میں خط تو اُن کا آیا نہیں، اچھا اب رخصت، گھر میں آداب بچوں کو دعا____ اس خط کے بعد ’’ساقی‘‘ (فروری) ’’تجلی‘‘ (دیوبند) اور نمکدان (۲۳؍ فروری سے چالو) کی طرف توجہ کر رہا ہوں۔

احقر
عبدالمجید حیرتؔ

۸۔ احقر کے نام ’’قومی زبان‘‘ اور ’’تاریخ و سیاسیات‘‘ بند ہو رہا ہے۔ انجمن کے دفتر سے جب یہ اطلاع آئی تو میں نے لکھا کہ رسالے بند ہوتے ہیں تو ہو جانے دیجیے یہ کرم ہمارے بدرالدین احمد صاحب کا تھا مگر اس کی بھی حد ہونا چاہیے اور وہ شاید اب آ گئی ہے۔

(۱۴)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

رام پور (یوپی)
محلّہ آتش بازاں
جمعہ ۹؍ اپریل ۱۹۵۴ء

جلیل صاحب مکرم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آج ۹؍ اپریل ہے گزشتہ عریضہ ۱۰؍ مارچ کو لکھا تھا، ابھی اسی کی رسید نہیں آئی، خدا کرے آپ کے یہاں بہ ہمہ وجوہ خیریت ہو، یہ طویل خاموشی موجبِ تشویش ہے۔

احقر کے پاس ’’ریاض‘‘ شوکت علی نمبر کے بعد پھر نہیں آیا، فروری کا شمارہ، (سیّد سلیمان نمبر) یہاں ایک صاحب سے لے

کر پڑھا، اب مارچ بھی گزر چکا مگر ''ریاض'' سے بدستور محروی ہے۔ مدیر ''ریاض'' کی خدمت میں عریضہ لکھا جواب ندارد۔ نہ جواب نہ رسالہ، سمجھ میں نہیں آتا یاالٰہی یہ ماجرا کیا ہے، اگر وہ ''بیزار'' ہیں تو معلوم تو ہو جائے۔

پچھلے مہینے تک عرش صاحب ملسیانی کے کرم سے ''آج کل'' آتا رہا، غزل تو خیر چھوڑیے، کہ ''آج کل'' میں پورا سال ایک نہیں چھپی، مگر اب رسالہ آنا بند ہے، خط کا جواب نہیں، غالباً یہ نوازش بھی ختم ہے، ٹھیک ہے۔

حیرتؔ کے ساتھ کون گزارے تمام، رات

آپ کا ''انتخابِ حسرت'' محمد علی خاں صاحب اثرؔ کے پاس ہے، اپنی رائے اس سے زیادہ اور کیا پیش کروں کہ انتخاب پہلے سے بھی زیادہ چست ہے اور مقدمہ تو خاصے کی چیز ___ حُسن اُس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا۔

آپ کے مرسلہ پتے پر وزیر الحسن صاحب عابدی کو عریضہ لکھ چکا ہوں جواب تو ابھی آیا نہیں۔

مالک رام صاحب کو خط لکھا تھا، اس میں آپ کی طرف سے سلام بھی تھا۔

دلّی کے حاجی شیخ محمد شفیع صاحب کتھوریہ، کو تو آپ بھولے نہ ہوں گے ان کا پتا چلا تو میں نے کراچی عریضہ لکھا، جواب محبت آمیز آیا ___ حضرت مجنوں جبل پوری کو پوچھا تھا کہ کہاں ہیں، مگر جواب کیا دوں خود مجھے ان کا پتا معلوم نہیں، جبل پور لکھ کر ایک دفعہ عریضہ لکھا تھا رسید نہیں آئی، گمان غالب یہ ہے کہ خط اُن تک پہنچا ہی نہ ہوگا۔

اسدؔ صاحب حسبِ معمول خاموش ہیں ___ فیض صاحب کا خط آ گیا۔

آپ یہ سن کر خوش ہوں گے کہ احقر کی بڑی صاحبزادی کا رشتہ بفضلہٖ تعالیٰ طے ہو گیا ہے رشتہ پاکستانی ہے میاں صاحب حکومتِ پاکستان کے ملازم والدین یہیں ہیں تحریک یہیں ہوئی تقریب بھی ان شاءاللہ آخر جولائی میں یہیں ہوگی صاحبزادی بیاہ کر سکھر سے قریب ایک جگہ جائیں گی ___ پھر جب باری تعالیٰ کی مشیت ہوگی ہمارا قدم بھی اُٹھے گا تمہید تو یہ اُٹھ ہی گئی ہے۔

گھر میں آداب! بچوں کو دعا

احقر
عبدالمجید حیرتؔ

(۱۵)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

رامپور (یوپی)
محلّہ آتش بازاں
جمعرات ۲۹؍اپریل ۱۹۵۴ء

برادرمکرم جلیل صاحب، السلام علیکم

خط مورخہ ۲۴؍اپریل آج ۲۹؍کو ملا، مگر یہ تو ماتم تھا باری تعالیٰ آپ کو صبرِ جمیل عطا فرمائیں، اور مرحوم کو مغفرت و رحمت سے نوازیں۔

خط پڑھ کر دل پر ایک چوٹ لگی، بلکہ ذرا دیر ایک وجد کا عالم طاری ہو گیا، اُن کی اِرحلت و مفارقت کا آپ کے قلب پر اتنا اثر، اللہ اکبر، یہ تو قلب کی بڑی معصوم حالت ہے بڑی مبارک حالت، احقر کے والد صاحب کی وفات کو تیس برس ہوئے والدہ کی رحلت کو پچیس والد صاحب کی وفات احقر کے سامنے شملے میں ہوئی، والدہ کی رحلت اپنی غیر حاضری میں انبالہ چھاؤنی، رنج ہمیں بھی ہوا، آنسو ہمارے بھی نکلے اس وقت نوعمر تھے مگر تھے شاید شقی القلب، اُس عمر میں قلب پر اتنا اثر نہ ہوا، جتنا اس عمر میں آپ کے قلب پر دیکھا، کیا ہی اچھا ہو اگر آپ اپنے دکھے ہوئے دل سے اپنے مالک و خالق کو پکاریں اور مرحوم والدین کے لیے آخرت میں مغفرت اور بلندیٔ درجات کی دعائیں مانگیں وہ آپ سے اب اسی کے طالب ہیں اور یہی چیز ان کے کام آنے والی ہے، خود آپ کے لیے آپ کے حیرتؔ کی دلی دعا یہ ہے کہ آپ کو رجوع الی اللہ کی توفیق بیش از بیش نصیب ہو اور آپ کی دنیا اور عاقبت دونوں بخیر ہوں اور آباد۔

شریکِ غم

حیرتؔ

(۱۶)

[پوسٹ کارڈ]

باسمہٖ و بحمدہٖ

رامپور (یوپی)
محلّہ آتش بازاں
جمعرات ۲۷؍مئی ۱۹۵۴ء

برادرمکرم جلیل صاحب، سلام و رحمت

آپ خاموش ہیں اور یہ گنہگار پریشان، خاموشی جائز ہے مگر اتنی طویل نہیں۔

اس دفعہ ''ماہِ نو'' میں آپ کو دیکھا اور داد دی، مگر یہ مضمون کبھی پہلے کا لکھا ہوا ہو گا والد ماجد کی رحلت کے بعد کا تو یقیناً نہ ہو گا۔

مالک رام صاحب کا خط ایک مدّت سے نہیں آیا میں نے یوں نہ لکھا کہ ابھی اُنھیں پر عریضۂ حیرت کا جواب واجب ہے۔

وہ آپ کے وزیر الحسن صاحب عابدی بھی خاموش ہیں، احقر نے دو عریضے لکھے، جواب ندارد۔ معلوم نہیں کیوں، ممکن ہے احقر کو بھلا چکے ہوں، ممکن ہے، سرکار اونچی ہو گئی ہو۔

آپ تو خیر احقر کو یاد رکھتے ہیں اور خط لکھتے رہتے ہیں لیکن وہ جو مہینوں کروٹ نہیں لیتے ان کا نام اسدؔ ہے۔

چند روز ہوئے نواب صدیق علی خاں صاحب اور حاجی اسحاق حاجی ستار سیٹھ یاد آئے، ان حضرات کا پتا معلوم ہو تو لکھیے عریضہ لکھوں گا۔

احقر کو خط بدر الدین احمد صاحب نے بھی نہیں لکھا مصروف ہوں گے، اور عجب نہیں روزہ دار بھی۔

یہ عریضہ آپ کو عید کے قریب ملے گا اُن سب احباب سے سلام کہیے گا جن کا حیرتؔ نیاز مند ہے۔

اس طرف حیرتؔ کے حق میں جناب پھپھوندوی مہینوں سے اسدؔ ملتانی بنے ہوئے ہیں، نہ خط ہے نہ خط کا جواب۔

گھر میں آداب، بچوں کو دعا

احقر
عبدالمجید حیرتؔ

مئی کا ''ریاض'' مل گیا، جعفری صاحب کا شکریہ۔

(۱۷)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

رام پور (یوپی)
محلّہ آتش لوزاں
جمعہ، ۱۳ر جنوری ۱۹۵۵ء

برادرِ مکرم جلیل صاحب۔ سلام و رحمت

حضرت یہ کیا بات ہے کہ آپ ہفتوں سے خاموش ہیں، یہاں تک کہ احقر کے پچھلے عریضے کا جواب تک نہیں۔

طبیعت اس بیمار کی بھی ان دنوں اچھی نہیں رہی، سردی شدید اور ریاحی تکلیف سخت اس پر ذہنی پریشانیاں الگ، ہم سمجھے تھے بیٹی کا رشتہ ہو گیا، مگر مشیت اس کے خلاف نکلی، اب پھر نئے سرے سے قسمت آزمائی کرنا ہوگی، اور یہ وہیں ہوگی یہاں تو دور تک اس کا امکان نہیں، اندریں حالات پاسپورٹ کی درخواست کر دی ہے، مگر زادِ سفر کا سوال سخت ہے، کم از کم پانسو چاہئیں، اب اس کی فکر ہے بہرحال خدا کو منظور ہوگا تو یہ انتظام بھی ہوگا، قصدِ سفر تو فروری ہی میں ہے، ویسے جب حکم خداوندی ہو۔

آپ کو مجنوں صاحب جبلپوری تو یاد ہوں گے؟ احقر نے آخر ان کا پتا چلا لیا۔ مدراس ہیں خط لکھا تھا، فوراً جواب آیا دوسرے خط میں غزل جواب ابھی میرے ذمے ہے۔

حاجی محمد شفیع صاحب کتھوریہ کو دو عریضے لکھ چکا ہوں جواب نہیں آیا، نہ معلوم کیسے ہیں؟

حاجی سیٹھ ستار اور نواب صدیق علی خاں صاحب کو عریضے اِن شاءاللہ وہیں پہنچ کر لکھے جائیں گے۔

جگر صاحب پچھلے دنوں کراچی ہی تھے آپ سے ضرور ملاقات ہوئی ہوگی۔

دہلی میں ۲۶؍کو یومِ جمہوریت ہے اور اسی شب لال قلعے میں مشاعرہ، متوقع شعراء میں ایک نام جگر صاحب کا بھی دیکھا۔

اسؔد صاحب کو خط کل ہی لکھا ہے، ضروری مضمون تھا اس لیے ہوائی ڈاک سے بھیجا۔

گھر میں آداب، بچوں کو دعا

احقر

حیرؔت

(۱۸)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

رامپور (یوپی)
محلّہ آتش بازاں
اتوار، ۱۷؍جولائی ۱۹۵۵ء

برادرم جلیل صاحب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اس دفعہ تو آپ بہت ہی خاموش ہیں کئی مہینے سے خاموش کیا ''بہ کار سرکار'' اتنی مصروفیت ہے کہ......

خاموش تو ہمارے اسؔد صاحب بھی ہیں مگر آپ سے کم، بہرحال ان سے آپ کی خیریت معلوم ہوتی رہی، بلکہ یہ بھی کہ آپ احقر کو خط بھی لکھنے والے ہیں، خیر، اس کی نوبت اگر جب نہیں آئی تو اب سہی۔

اس وقت ''صدق جدید'' (۸؍جولائی ۱۹۵۵ء) سامنے ہے اور اس میں آپ کی کتاب ''تنقیدیں اور خاکے'' پر نہایت معقول تبصرہ، یہی اس وقت اس عریضے کا محرک ہے، خط لکھے بغیر جی نہیں مانا اور ہاں اس دفعہ آپ کو ماہِ نو (جولائی) میں بھی دیکھا...... ''ان پہ غفلت کا تم الزام لگاتے کیوں ہو''۔

بڑی صاحبزادی (بانو بیٹی) ۸؍جولائی کو پاکستان سدھاریں چند روز لاہور میں قیام تھا، اب قصبہ گھوٹکی (سکھر) ہوں گی، وہاں پہنچنے کا ابھی خط نہیں آیا، یہ خلا بہت محسوس ہو رہا ہے۔

اپنے لیے مشیتِ الٰہی کیا ہے؟ ابھی معلوم نہیں، ابھی تو پاسپورٹ ہی لٹک رہا ہے، ۶؍مہینے اسی میں گھل گئے کیوں گھل گئے یہ ایک علاحدہ داستان ہے بہر حال ارادہ مصمم ہے خدا کرے وسائلِ سفر بھی حسبِ مراد میسر آ جائیں۔

حضرت مداح پھپھوندی کی مہر سکوت مدت کے بعد ٹوٹی تھی کہ پھر لگ گئی مداح صاحب نے آپ کو سلام لکھا تھا، ایسے ہی حضرت مجنوں جلبوری نے ''مجنوں صاحب پچھلے دنوں پریشاں خاطر تھے، بیوی بیمار تھیں، فالج زدہ اب معلوم نہیں کیسی ہیں، خط لکھا تھا جواب نہیں آیا۔

معلوم نہیں آپ کو مولوی حامد حسن صاحب قادری بچھرایونی (۴۶/۳، ایسٹ جہانگیر روڈ) کراچی سے ملنے کا موقع ملا یا نہیں، آپ جاتے تو ہمارے اسدؔ صاحب کو بھی لے جاتے۔

آپ شاید کبھی حاجی محمد شفیع صاحب کتھوریہ (۷/رونجارا منزل، AM-4Road) کراچی سے بھی نہیں ملے۔ موقع نکال کر ضرور ملیے۔

اسدؔ صاحب کے تازہ خط سے معلوم ہوا کہ ہمارے بدر الدین احمد صاحب پھر یورپ اور مریکہ گئے ہوئے تھے اب واپس آئے ہیں۔ جبھی عریضۂ حیرتؔ کا جواب نہیں آیا، ملاقات ہو یا ٹیلیفون پر گفتگو تو احقر کا سلام ضرور پہنچادیں۔

حضرات نواب صدیق علی خاں صاحب اور حاجی اسحاق، حاجی ستار سیٹھ کو عریضہ لکھنے کی نوبت اب تک نہیں آئی مگر ان شاء اللہ لکھوں گا ضرور۔

گھر میں آداب، بچوں کو دعا

احقر

عبدالمجید حیرتؔ

(۱۹)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

رامپور (یوپی)
محلّہ آتش بازاں
سنیچر ۱۷؍ستمبر ۱۹۵۵ء

برادر مکرم جلیل صاحب، السلام علیکم

کرم نامہ مورخہ ۲۴ جولائی کا جواب آج پیش کر رہا ہوں، تاخیر ضرور ہوئی مگر بھولا ہرگز نہ تھا۔

آپ ۱۳؍ جون سے تین ماہ کی رخصت پر تھے وہ تو اب ختم ہو چکی ہو گی، مگر کیا مکان کی تعمیر بھی مکمل ہو گئی یا ابھی کچھ باقی ہے؟ کاغذ پر آپ نے اس کا جو نقشہ الفاظ میں کھینچا ہے اس سے مکان دیکھنے کا اشتیاق اور بڑھ گیا، ان شاء اللہ ایک دن اُسے دیکھ بھی لیں گے۔ اور یہ اس لیے کہہ رہا ہوں کہ یوپی سرکار سے آخر کار پاکستان کے لیے ایک پروانۂ راہداری اس گنہگار کو بھی مل گیا ہے۔ ارادۂ سفر ان شاء اللہ آخر اکتوبر یا شروع نومبر تک، خدا کرے جب تک وسائل سفر خاطر خواہ میسر آ جائیں، اور وہاں قیام کے اسباب فراہم، سفر کی پہلی منزل، لاہور دوسری سکھّر، منزِل مقصود کراچی بہ شرط یہ کہ وہاں سر چھپانے کی جگہ مل گئی۔

آپ نے اپنا مکان بنا لیا مبارک ___ معلوم نہیں اس سلسلے میں ہمارے اسدؔ صاحب نے کیا کیا اور بدرالدین صاحب نے کیا، میں نے کبھی پوچھا نہیں اور پوچھنا مناسب بھی نہ سمجھا۔

آپ کے بچے سب پڑھ رہے ہیں ___ اور بھی مبارک بات، وقت آئے گا تو ان شاء اللہ ''برسرِ روزگار'' بھی ہو جائیں گے، ان کے لیے جتنی خدمت آپ کے ہاتھوں مقدر ہے ہو کر رہے گی۔

یہاں اب ایک بچّی کے عقد سے فارغ ہونے کے بعد دوسری بچّی کا مرحلہ سامنے ہے باری تعالیٰ مدد فرمائیں۔ فیصلہ یہ ہے کہ جہاں ایک بچّی وہیں دوسری اور وہیں تیسری اِدھر اُدھر تقسیم تقاضائے عقل نہیں۔

''ماہِ نو'' میاں اکبر علی (خلف اکبر مولانا عرشی) سے لے کر پڑھ لیتا ہوں، آپ کی غزل ہوتی ہے تو اسے نسبتاً زیادہ ذوق و شوق سے پڑھتا ہوں۔ یہ ''دورِ جام'' ہم تک تو اب آتا نہیں، جب آپ وہاں تھے تو آتا تھا۔

ماہر القادری صاحب کی کتاب ''کاروانِ حجاز'' پر آپ نے اگر تنقید ماجدی دیکھی ہو تو ماہر صاحب کی جوابی تنقید (مطبوعہ ''فاران'' ستمبر) بھی دیکھیے اور ہو سکے تو اس پر اظہارِ خیال فرمائیے۔

نواب صدیق علی خاں صاحب اور سیٹھ صاحب کے متعلق آپ نے جو کچھ لکھا، بالکل صحیح، کیا نواب صاحب وہیں ہیں؟ کیا آپ سے ان سے ملاقات ہوئی؟ حیرت صاحب تو عریضہ لکھنے کا ارادہ ہی کرتے رہے لیکن اب تو از سرِ نو نواب صاحب کا پتا درکار ہے۔

بدرالدین احمد صاحب کا خط آیا تھا، جواب لکھ چکا ہوں، خط اسدؔ صاحب کو بھی لکھا ہے جواب دیکھیے کب دیتے ہیں ___ یہاں بھارت میں جناب پھپھوندوی نے خط لکھنا بالکل ہی بند کر رکھا ہے، مالک رام صاحب کبھی کبھی یاد فرما لیتے ہیں، عرش صاحب ملسیانی الّا ماشاء اللہ

مجنوں صاحب ریٹائر ہو کر وطن آ گئے ہیں، ان کی ''لیلیٰ'' بیمار تھیں اب معلوم نہیں کیا حال ہے؟ ایک خط مجنوں صاحب کو بھی لکھنا ہے آپ کا سلام بھی لکھ دوں گا۔

گھر میں آداب بچوں کو دعا

احقر
حیرتؔ

(۲۰)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

رامپور (یوپی)
محلّہ آتش بازاں
جمعہ ۲۵ رمئی ۱۹۵۶ء

برادر مکرم جلیل صاحب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ مہینوں سے خاموش ہیں اس سے پہلے کسی عریضہٗ حیرتؔ کا جواب نہیں ملا ہمّت پست ہے لیکن اس کے باوجود یہ خط لکھ رہا ہوں، جواب خط کی اُمید کچھ یوں ہی سی ہے۔ خط آ گیا تو مسّرت ہوگی، نہ آیا تو کچھ زیادہ رنج نہ ہوگا۔

اب کوئی دو مہینے سے ہمارے اسدؔ صاحب بھی خاموش ہیں لیکن ان کی خاموشی ایسی نہیں ہوتی جیسی آپ کی میں نے اسدؔ صاحب کو پھر خط لکھا ہے اور اُن سے آپ کی خیریت پوچھی ہے۔

خدا کرے آپ اور جملہ اہلِ خانہ بہ خیریت ہوں۔

کئی ہفتے ہوئے برادر مکرم فیض الرحمٰن صاحب کو بھی خط لکھا تھا، اور آپ کی خیریت اُن سے بھی پوچھی تھی مگر پلٹ کر ان کا جواب ہی نہ آیا ممکن ہے کہ وہ ان دنوں کراچی نہ ہوں۔

عزمِ پاک اب ملتوی ہی رہا یہاں تک کہ بڑی بیٹی کو کراچی سے یہیں بلا لینا پڑا اس دوران میں دوسری بیٹی کا رشتہ بھی طے ہو گیا ہے اور وہ اس طرح کہ احقر کی دوسری بیٹی اور سمدھی صاحب کا دوسرا بیٹا، تقریب دیکھیے کب ہوتی ہے سمدھی صاحب کا ارادہ معلوم نہیں مگر میرا منشا یہی ہے کہ تقریب یہیں ہو اور جولائی تک ہو جائے، ویسے جب اور جہاں مشیتِ الٰہی ہو۔

حاجی صاحب کٹھور یہ کو عریضہ لکھے عرصہ ہوا اب لکھنا ہے۔

اِدھر ہمارے پھپوندوی صاحب ہیں کہ اوّل تو اپنا پتا نہیں چلنے دیتے اور اگر پتا چل جاتا ہے تو عریضہٗ حیرتؔ کا جواب نہیں دیتے۔

گھر میں آداب، بچوں کو دعا

احقر
عبدالمجید حیرتؔ

(۲۱)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

رامپور (یوپی)
محلّہ راج دوراہ متصل مسجد پیلو
پیر، ۲۰؍ جون ۱۹۶۰ء

برادرم مکرم جلیل صاحب، السلام علیکم

کارڈ، مورخہ ۱۱؍ جون پرسوں، ۱۸؍ کو ملا، مگر کافی انتظار کے بعد۔

’’آ ئینۂ حیرت‘‘ (مسودہ) میرے پاس بحمد اللہ محفوظ ہے میں نے اسی کے سلسلے میں یہ تجویز کیا تھا کہ اگر اشاعت کی صورت نکلے تو ابتدائی سو، سوا سو غزلیں پہلے شائع ہوں، اور ایسا پاکستان میں ہو اس کے بعد پھر جب موقع ہو دوسرا حصہ اور پھر تیسرا، بیک وقت سارے کی اشاعت کتابی صورت میں بہت دور کی بات نظر آتی ہے، مجھے تو جزوی اشاعت کے امکانات بھی روشن نظر نہیں آتے دوسری طرف یہ بھی گوارا نہیں کہ عمر بھر کا یہ سرمایہ اس طرح چھپے کہ کچھ دے کر جائے لے کر نہ جائے۔

’’آ ئینۂ حیرتؔ‘‘ پر پیش لفظ اسدؔ مرحوم نے لکھا تھا، وہ میرے پاس محفوظ ہے، ’’تعارف‘‘ جو میں نے خود لکھا تھا، وہ کہیں اسدؔ مرحوم ہی کے کاغذات میں ملے تو ملے۔

وہ سوالنامہ اب پرانی بات ہے۔ ’’آ ئینۂ حیرت‘‘ سے اس کا تعلق کچھ نہیں تھا۔

عروج صاحب زیدی بدایونی کو آپ شاید جانتے ہوں، عروج صاحب سہارنپور (سیلز ٹیکس) سے اب رامپور ہی آ گئے ہیں، مکان لے چکے ہیں، اہل و عیال آنے والے ہیں، عروج صاحب اب تک نادیدہ تھے اب دیدہ ہیں، معقول اور سنجیدہ، یہ ملاقات بھی خوب رہی۔

جون کے ’’نقوش‘‘ میں حضرت جگر مرادآبادی مدظلہٗ پر مالک رام صاحب کا ایک مضمون ہے اور اس میں ابتداء ہی میں آپ کا ذکر یہ مضمون بھی خوب ہے۔

’’ندیم‘‘ (ڈھاکا) آپ نے دیکھا؟ کیسا ہے یہ رسالہ؟

ایڈیٹر صاحب (ارشد کاکوی) کی طرف سے مجھے یہ خلش ہے کہ اُنھوں نے بہت دن ہوئے، رشید احمد صاحب صدیقی پر ’’ادب لطیف‘‘ میں تنقید فرمائی تھی، بھونڈی تنقید۔

بابائے اردو کا آیندہ جشنِ جوبلی کب آ رہا ہے؟

نیازمند
عبدالمجید حیرتؔ

(۲۲)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

رامپور (یوپی)
راج دوارہ (مسجد پیلو)
اتوار، ۱۱؍ستمبر ۱۹۶۰ء

جلیلؔ صاحب! مکرّم السّلام علیکم

اس وقت یکا یک یہ خیال آتے ہی کہ آپ کے پچھلے خط کا جواب نہیں گیا یہ عریضہ لکھنے بیٹھ گیا، اُس خط کا جواب جبھی لکھتا، مگر اس دوران میں پاکستان سے چار برس بعد بڑی بیٹی آ گئیں، ان کے ساتھ ماشاء اللہ تین ننھے ننھے بچے تینوں کی طبیعت ماندہ اس بیمار کے لیے اور آزمائش خیر یہ آزمائش تو یہاں روزمرہ ہیں، آپ بتائیے کہ بیگم جلیل کیسی ہیں؟ اگر آپریشن کی نوبت آئی ہو گی، تو آ چکی ہو گی، اور اب وہ اچھی ہوں گی، آپ نے وہ خط ۴؍اگست کو لکھا تھا، اور اس پر ایک مہینہ گزر چکا۔ اُمید یہی ہے کہ خدائے رحیم و کریم نے فضل فرمایا ہو گا۔

مولوی عبدالحق جوبلی کمیٹی کے سلسلے میں آپ نہ معلوم کتنا وقیع کام کر چکے تھے اس پر میری طرف سے ''صلاح'' صرف اس قدر تھی کہ وہ کام ضائع نہ ہو، رہا اس کام میں آپ کی بدنامی کا اندیشہ تو وہ واقعی کسی طرح گوارا کیے جانے کی چیز نہیں۔

آپ سے اور مدیر ''نقوش'' سے کچھ ایسے روابط نہیں ورنہ مکتوبات عبدالحق پر آپ کا مقدمہ وہاں چھپتا، خیر، اب جب اور جہاں بھی چھپ سکے۔

یہ خط لکھ رہا ہوں اور اس رنج و غم کے ساتھ کہ ہمارے جگر صاحب رحلت فرما گئے، ماتم جگرؔ دور دور ہو گا اور جتنا بھی ہو کم ہو گا۔

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ۔ جگرؔ رند خراباتی تھے جب تھے، اب تو بہ چشمِ حیرت، ولی تھے، آپ ان پر قلم اُٹھایا چاہتے تھے، لیکن اب موضوع کچھ دوسرا رکھیے گا، وہ نہیں جو آپ کے ذہن میں تھا، مگر لکھیے گا کچھ ضرور، آپ نے اُنھیں جتنا قریب سے دیکھا ہے دوسروں نے کم دیکھا ہو گا، ان کی موت معمولی موت نہیں، عروسِ غزل کے ایک نہایت ممتاز جانباز شیدائی اور فدائی کی موت ہے، اردو غزل میں ہمیشہ زندہ رہنے والا نام۔

نیازمند
عبدالمجید حیرتؔ

پسِ نوشت۔ آپ کے ''تذکرے اور تبصرے'' پر اگست کے ''نگار'' میں تبصرہ نکلا ہے، خاصہ معقول تبصرہ، آپ نے بھی دیکھا ہو گا۔

برسات ابھی گئی نہیں مینہ رات خوب برسا اور آج صبح سے برابر برس ہی رہا ہے۔

(۲۳)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

رامپور (یوپی)
راج دوارہ (مسجد پیلو)
اتوار۔ ۲۵/ستمبر ۱۹۶۰ء

برادرم مکرم، السلام علیکم!

آپ کا ۱۷/ستمبر کا خط آپ کی پریشاں خاطری کا مضمون تھا پڑھ کر بڑا دکھ ہوا اس عاجز و بے نوا کے پاس اس دعا کے سوا اور کیا ہے کہ باری تعالیٰ بیگم جلیلؔ کو صحتِ عاجلہ بخشیں، اور آپ کو اس آزمائش سے ثابت قدم اور کامیاب نکالیں، مجھے اس پر اصرار نہیں، کہ آپ مجھے جلد جلد خط لکھتے رہیں، لیکن جس وقت بھی کچھ لکھ سکیں، چوکیں نہیں، معلوم نہیں آپ کے علائق میں کون آپ کا ساتھ دے رہا ہے لیکن حقیقی محبت تو اُسی ذات پاک کی ہے۔

جب کسی کا کوئی نہیں ہوتا
ایک بس اسی کی ذات ہوتی ہے

بالکل سچ کہ جس پر گزرتی ہے وہی جانتا ہے، اور کوئی کسی کا دکھ نہیں اُٹھا سکتا، لیکن کبھی کسی کی مخلص دعا اور جذبۂ اخلاص بھی ایسا ہوتا ہے جیسے زخم کے لیے مرہم۔

خدا آپ کو سکون بخشے اور عافیت اور وہ فراغِ خاطر کہ جگر صاحب پر آپ بھی کچھ لکھ سکیں۔ جگر صاحب کی موت معمولی موت نہیں، ان کا ماتم آج ہی نہیں، مدتوں ہوگا۔

تازہ ''تحریک'' (دہلی) جگر نمبر ہی تھا، اس میں جگر صاحب کی شخصیت پر رشید احمد صاحب صدیقی کے تاثرات تھے اور شاعر پر رشید حسن خاں کا قلم سے نقد و نظر...... معلوم نہیں ''تحریک آپ تک بھی پہنچتا ہے یا نہیں۔

اس وقت ۹/بجے ہیں۔ آج ایک تیز چھینٹا پھر آ گیا۔

نیازمند
عبدالمجید حیرتؔ

(۲۴)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

رامپور (یوپی)

راج دوارہ (مسجد پیلو)
جمعہ، ۱۴/اکتوبر، ۱۹۶۰ء

جلیلؔ صاحب مکرّم! السّلام علیکم

پچھلا عریضہ ۲۵/ستمبر کو لکھا تھا امید تھی کہ اس کا جواب آئے گا لیکن نہیں آیا لامحالہ تشویش ہے، آپ کا خط آئے تو تردد رفع ہو، خدا کرے بیگم جلیل اچھی ہوں اور آپ کو سکونِ خاطر میسر۔

اس دوران میں حالِ حیرتؔ بھی کچھ اچھا نہیں رہا، اور ابھی اچھا ہے بھی نہیں، ریاحی شدائد خدا کی پناہ جان ہمہ اوقات سولی پر، اس دکھ کے ساتھ چند در چند افکار مستزاد بڑی صاحبزادی پاکستان سے آئی ہوئی ہیں ننھے ننھے تین بچے ساتھ دو بچیاں ایک بچہ اور بچہ ایک آزمائش گھر میں ایک غدر، ایک ہلچل، سکونِ خاطر غارت، بہ الفاظِ دیگر اس مسرت کی قیمت بہت گراں۔

۷/اکتوبر تک موسم سخت طوفانی رہا، مگر جب سے عافیت ہے۔ موسم شگفتہ

آپ کے خط کا منتظر
عبدالمجید حیرتؔ

(۲۵)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

رامپور (یوپی)

راج دوارہ (مسجد پیلو)

پیر، ۱۴/نومبر ۱۹۶۰ء

11.A.M

برادر مکرم جلیل صاحب، سلام و رحمت

آپ کا راولپنڈی سے ۲۹/اکتوبر کا لکھا ہوا خط مجھے جبھی ایک ہفتے بعد مل گیا تھا، اور اس سے پہلے کراچی سے ایک کارڈ مگر اس سے قبل میں خود بھی لکھ چکا تھا۔

آپ کے تازہ خط (لفافے) کا جواب آج کسی قدر تاخیر سے پیش کر رہا ہوں، وجہ صرف یہ کہ جب خط ملا، تو خود اپنا حال بہت غیر تھا، بلا کے ریاحی شدائد، بعض اوقات جینے سے جی بیزار، بہر حال می گزرد، دعائے خصوصی کی ضرورت ہے۔

آپ کا خط پڑھا ___ بے اختیار آنکھ سے آنسو نکل پڑے کیا عجب کہ ان لمحات میں دل کی پکار بارگاہ میں قبول ہوگئی ہو،

ویسے بھی جب آپ کا خیال آتا ہے، اور اکثر آتا ہے تو دعا یہی ہوتی ہے کہ باری تعالیٰ آپ کی عزیز ترین متاع[1] کو زندہ رکھیں، اور صحت و سلامتی سے نوازیں، اُنھوں نے جو تکلیف اُٹھائی ہے کسی نے کم اُٹھائی ہوگی، خدا اُنھیں راحت بخشے اور آپ کو ان کی صحت یابی کی مسرت، مگر آپ کے ابتلا کی بھی انتہا ہوگئی، بیمار اس قدر عزیز اور اس قدر نازک اس پر اندیشناک ہوائی سفرِ[2] اور ہمت شکن مصارف، اوّل سے آخر تک نزاکتیں ہی نزاکتیں، خدا کرے آپ کو اس محبت و محنت کا صلہ ملے، جلد ملے اور وافر ملے، مجھے کتنی خوشی ہوگی جب میں یہ سنوں گا کہ بیگم جلیل بفضلہٖ تعالیٰ اچھی ہوگئیں۔

آپ کا خط پڑھنے کے بعد کچھ دیر یہی سوچا کیا کہ آپ اپنی شبانہ روز گردش و سرگردانی میں یہ خط کیسے لکھ گئے، مگر نہیں، یہ اس بات کا ثبوت بھی ہے کہ خدا نے آپ کو اپنے آلام و افکار اس پامردی کے ساتھ برداشت کر لینے کا جوہر بھی بخشا ہے، ایک مضطرب، مگر مضبوط دل، خدا کی بڑی دین ہے، یہ اس کی دین ہے، جسے پروردگار دے۔

طالب دعا و دعا گو

عبدالمجید حیرتؔ

(۲۶)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

رامپور (یوپی)

راج دوارہ (مسجد پیلو)

جمعرات، ۲۴ر نومبر، ۱۹۶۰ء

برادرِ مکرم جلیل صاحب، سلام و رحمت

آپ کا ۱۸ر نومبر کا خط یہاں ۲۲ر کو پہنچا، چاہتا تھا کہ اُسی وقت اس کا جواب بھی لکھ ڈالوں، مگر اپنا حال بہت غیر تھا ___ ناگفتہ بہ ___ ریاحی شدائد کی انتہا، جینے سے جی بیزار، ویسے بھی ایک جان حزیں اور لڑنے کے لیے چند در چند محاذ حالات سخت سہی، نامساعد سہی، لیکن جان تو کچھ اچھی ہو، حال اس وقت بھی اچھا نہیں، مگر خیر، دعا آپ بھی کریں کہ حال بیمار کچھ سنبھل جائے، سنبھلا رہے، اور کچھ وقت اور اپنے علائق کی خدمت میں گزر جائے۔

آپ نے خط لکھا، تفصیل سے لکھا، بہت اچھا کیا، مگر اس خط میں بھی بعض مقامات بڑے دلدوز تھے، مشکل سے پڑھے گئے، پھر آپ تو شاہد تھے آپ کے قلب و جگر کا کیا حال ہوا ہوگا۔

آپ کے اس خط سے کچھ ایسا محسوس ہوا جیسے بیگم جلیل کے ساتھ آپ کی محبت ومحنت کا پھل ملنے ہی والا ہے، خدا کرے یہ پھل جلد ملے، اور وہ وافر ہو، اور دیر پا بھی۔

بڑی خوشی ہوئی یہ پڑھ کر کہ آپ کے بڑے دو صاحبزادے ایک بی اے آنرز ہیں دوسرے برسرِ کار خدا ان سب بیٹے بیٹیوں کو سلامت رکھے اور آپ کو ان کی خوشیاں دکھائے ......بیگم جلیل اچھی ہو جائیں پھر سب حالات معمول پر آ جائیں گے، ان شاء اللہ العزیز۔

برادرِ مکرم اس وقت ہوائی ڈاک کے لیے زائد ٹکٹ نہیں تھا منگواتا تو خدا جانے کب آ پاتا، اس لیے یہ عریضہ ہوائی ڈاک کے بغیر ہی سہی۔

طالبِ دعا
عبدالمجید حیرتؔ

(۲۷)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

رامپور (یوپی)
راج دوارہ (مسجد پیلو)
پیر، ۱۹ر دسمبر ۱۹۶۰ء

جلیل صاحب مکرم، السلام علیکم

آپ کا ۴ر دسمبر کا کرم نامہ مجھے ۹ر کو مل گیا تھا، اس کی رسید جبھی لکھتا مگر جب سے حال بہت سخت ہے، بہت ہی سخت، یہ آزار، خدا کی پناہ، دکھ نہیں عذابِ دردناک، مختصر یہ کہ یہ سردیاں رو رو کر گزار رہا ہوں، باری تعالیٰ رحم فرمائیں، اور دردمندانِ حیرت کی دعا قبول۔

الحمدللہ کہ بیگم جلیل روبہ صحت ہیں ان شاء اللہ شفائے کلی پائیں گی، مگر جب ان کی تکلیف کا خیال آتا ہے تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کے بچوں کو بھی صحت بخشے آزمائش کی آپ کے ساتھ بھی انتہا ہو گئی۔

کلامِ غالب (نسخہ قدوائی) جب ملے گا ذوق وشوق سے دیکھوں گا، مولانا عرشی کو بھی دکھاؤں گا یہ آپ کی محبت ہے کہ آپ

بہ ایں آلام وافکار حیرتؔ کو طرح طرح سے یاد رکھتے ہیں خط ضرور لکھیں مگر ضروری نہیں کہ جلد جب فرصت ہو یا موڈ۔

شاید راولپنڈی آپ کو ابھی ایک آدھ مہینہ اور رکنا پڑے، خیر خدا آپ کو اطمینان اور عافیت کے ساتھ واپس کراچی پہنچائے۔

مجنوں صاحب جلپوری نے بھی آپ کے حالات پوچھے تھے میں نے لکھ بھیجے، وہی کچھ حاجی محمد شفیع صاحب کھوریہ کو بھی لکھ بھیجا۔

آج دھوپ نہیں اور دکھ، ___ سردی ابھی تو اور بڑھے گی اس بیمار کے لیے اور آزمائش سردی تو راولپنڈی میں بھی کم نہ پڑتی ہوگی۔

دعا گو و طالبِ دعا

عبدالمجید حیرتؔ

(۲۸)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

رامپور (یوپی)

راج دوارہ (مسجد پیلو)

منگل، ۲۷ر دسمبر ۱۹۶۰ء

جلیل صاحب مکرم، السلام علیکم!

میں ۱۹ر دسمبر کو آپ کو راولپنڈی خط لکھ چکا تھا کہ اگلے دن آپ کا یہ خط ملا کہ آپ واپس کراچی پہنچ گئے، بڑی مسرت کی بات، صحت و سلامتی کے ساتھ اس مراجعت پر میری طرف سے ہدیۂ تبریک قبول فرمائیں خدا کرے آپ کا اب یہ دور مسرت و شادمانی کے ساتھ گزرے تکلیف تو آپ نے واقعی بہت اُٹھائی۔

آپ کے اس ۱۴ر دسمبر والے خط کا جواب جبھی دیتا مگر میرا حال بہت سخت تھا، بیماری کیا ہے ایک عذابِ دردناک ہے، بعض اوقات تو زندگی سے جی چھوٹ چھوٹ جاتا ہے پھر خط لکھنے میں تھوڑا سا توقف یوں بھی رہا کہ آپ کا ''کلامِ غالب'' بھی مل جائے تو

ساتھ کے ساتھ اس کی رسید بھی ہو جائے، مگر یہ کتاب اب تک تو پہنچی نہیں، خدا جانے کہاں رہ گئی، یا رک گئی آتی تو اب تک آ جاتی۔

حضرت جگؔر (نور اللہ مرقدہٗ) پر بعض ادیب وشاعر حضرات کے تاثرات رسالوں میں نکل رہے ہیں، آپ بھی تو کچھ لکھیے۔

مالک رام صاحب نے جو، اب قاہرہ نہیں، بروسلز (بیلجیئم) ہیں، جگر صاحب کی رحلت سے ذرا پہلے ایک طویل مضمون لکھا تھا یہ مضمون ''نقوش'' میں نکلا تھا، آپ نے بھی دیکھا ہوگا۔

حضرتِ لبیب مرحوم کے مجموعے (''آتشِ خنداں'') پر آپ نے ''فاران'' میں تبصرہ دیکھا؟ مرحوم کو آپ خود بھی تو جانتے ہوں گے؟

گھر میں آداب وسلام

طالبِ دعا
عبدالمجید حیرتؔ

(۲۹)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

رامپور (یوپی)
راج دوارہ (مسجد پیلو)
جمعرات، ۱۹/جنوری، ۱۹۶۱ء
۸/بجے شب

جلیل صاحب مکرم، السلام علیکم

آپ کا ۹/جنوری کا مودت نامہ ملا، مگر آپ کا انتخاب غالب ہی نہ ملا، نہ جب نہ اب۔ آپ کے پاس رجسٹری کی رسید ہے اس سے کام لیجیے، ڈاک کے محکمے سے زوردار احتجاج کیجیے بلکہ یہ دعویٰ کہ یا تو کتاب پیدا کریں ورنہ اس کا جرمانہ بھریں، یہ تو بڑا ظلم ہے آپ ہرگز اس پر صبر نہ کریں۔

خدا آپ کو جزائے خیر دے کہ آپ نے اس بیمار کے لیے اتنا درد محسوس کیا کاش خدا بھی حیرت کے دردمندوں کی سنے دواؤں سے کچھ بنتا نہیں، لے دے کر ایک ٹب باتھ کا عمل ہے سو وہ جاری ہے لیکن اس سردی میں ہے وہ بھی ایک آزمائش پانی سے بھرے ٹب میں بیٹھنا کارے دارد، صبح تو اکثر اس کی ہمت ہی نہیں ہوتی۔

مسرت بالائے مسرت یہ پڑھ کر کہ بیگم جلیل اپنے سابقہ مشاغل میں مصروف ہوگئی ہیں، بلکہ ایک اسکول تک چلا رہی ہیں۔[1]
___ مبارک

آپ کو جب فرصت ملے اور نہ ملے تو فرصت نکال کر جگر صاحب مرحوم و مغفور پر لکھیے گا ضرور۔

کیا آپ کو رسالہ ''شعلہ و شبنم'' مل گیا؟ میں نے بھجوایا تھا، اس میں جناب جگؔر پر اس گنہگار کے چند تاثرات تھے۔

نیاز مند
عبدالمجید حیرؔت

[غزل]

ربط ہوگا نہ رفاقت ہوگی   کیا خبر تھی کہ یہ صورت ہوگی
جس کی کچھ قدر نہ قیمت ہوگی   وہ ہماری ہی محبت ہوگی
بے نیازی بھی کسی کی شاید   دوستی ہی کی علامت ہوگی
دوست ایسے بھی ملیں گے جن سے   دوستی وجہِ ندامت ہوگی
دوستی یہ ہے تو اے مشفقِ من   جانے کیا چیز عداوت ہوگی
جس سے سنیے گا جہاں سنیے گا   حزن و حرماں کی حکایت ہوگی
ہے یہی حال اگر آج تو کل   کس کو امید کہ راحت ہوگی
آج دنیا کو وفا سے بڑھ کر   اور کس شے کی ضرورت ہوگی
آہ، وہ مہر و وفا کے پیکر   اب کہاں ان کی زیارت ہوگی
اِس میں ہم بھی ہیں مگر یہ دنیا   ہوگی، جس کے لیے جنت ہوگی
غم تو اس کا ہے کہ ہم سمجھتے تھے   آپ سے مل کر مسرت ہوگی
کیا خبر تھی کہ یہاں آنے میں   اس قدر آپ کو زحمت ہوگی
آج خود اُن کے ہوا خواہوں کو   اُن سے کیا کچھ نہ شکایت ہوگی
شک تو پہلے بھی نہیں تھا لیکن   اب یقین ہے کہ قیامت ہوگی

اب جو حالات نے رُخ بدلا ہے
آپ دیکھیں گے تو حیرؔت ہوگی

رامپور، ۲۰/دسمبر ۱۹۶۱ء[2]

یہ غزل عجب نہیں ''آج کل'' میں آجائے۔

(۳۰)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

رامپور (یوپی)
راج دوارہ (مسجد پیلو)

منگل، ۱۴؍فروری، ۱۹۶۱ء

جلیل صاحب مکرم، السلام علیکم

پچھلا عریضہ ۲۸؍جنوری کو لکھا تھا، رسید نہیں آئی۔ کیا وہ خط آپ کو ملا نہیں؟ ___ خدا کرے آپ اور جملہ اہلِ خانہ بہ عافیت ہوں آپ کا خط آجائے تو اطمینان ہو۔

آپ کے اُس نسخۂ انتخابِ غالب کا کیا رہا، کہاں گم ہوا، کچھ پتا چلا؟ اس انتخابِ غالب کو دیکھنے کا اشتیاق غالب ہے۔

یہ سردی کی لہر خدا کی پناہ، ہوا اب تک سیلی ہے اور برفیلی، اس بیمار پر تو ایک قیامت گزر گئی، اخبارات سے معلوم ہوا کہ اس لہر کا اثر کراچی اور بمبئی پر بھی پڑا۔

جبلپور کی قیامت کا حال اخبارات میں آپ کی نظر سے بھی گزرا ہوگا، حالات وہاں معمولات پر آجائیں، تو مجنوں صاحب سے عریضہ لکھ کر پوچھوں مجنوںؔ صاحب ایک گاؤں موہنی میں مقیم ہیں، اخبارات میں فساد زدہ اور مقامات کے نام تو آئے، مگر یہ نام نہیں آیا، خدا کرے اس ابتلا سے مجنوں صاحب محفوظ رہے ہوں۔

کراچی سے حاجی صاحب کھوریہ مدظلہٗ نے آپ کی خیریت پوچھی تھی لکھ بھیجی۔

گھر میں آداب وسلام، بچوں کو دعا

طالب دعا
عبدالمجید حیرتؔ

ایک غزل اور

کیوں نہ سینے سے لگائیں غم کو　　اک یہی چیز ملی ہے ہم کو
کون پہنچا ہے کسی کے دل تک　　کون سمجھا ہے کسی کے غم کو
ہم پہ اکثر جو گزر جاتا ہے　　دیکھتا کون ہے اُس عالم کو
اس کے باوصف کہ حاضر تھے طبیب　　زخم ترسا ہی کیے مرہم کو

کس قدر ان کو گراں گزرا ہے   اپنا تریاق نہ کہنا سم کو
تازگی پھول کو دی شبنم نے   پھول کچھ دے نہ سکا شبنم کو
مَس جسے کچھ بھی سخن سے ہوگا   مدح ہرگز نہ کہے گا ذم کو
اور تھا کون اُٹھانے والا   جام ہی تو اُٹھایا جم کو
سر سے آگے تو بھلا کیا جاتے   ہاتھ اُٹھتے بھی اگر ماتم کو
وقت کے وقت کوئی کام کی بات   کم ہی سوجھی ہے کسی ہم دم کو
الاماں یہ غم دنیا حیرتؔ
جس سے فرصت ہی نہیں ہے ہم کو

رامپور، ۲۰/جنوری ۱۹۶۱ء

پسِ نوشت ___، کبھی ہمارے مولوی حامد حسن صاحب قادری بچھرایونی مدظلہٗ سے بھی تو ملیے وہ بھی تو ناظم آباد ہی میں ہیں۔

(۳۱)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

رامپور (یوپی)
راج دوارہ (مسجد پیلو)
جمعرات، ۹/مارچ، ۱۹۶۱ء

جلیل صاحب مکرم، السلام علیکم!

اس وقت آپ کا ۱۴/فروری کا کرم نامہ سامنے ہے اِدھر میں اسی ۱۴/کو ایک خط آپ کو لکھ چکا تھا، چناں چہ منتظر رہا کہ اس کا جواب آجائے، مگر اب یہ دیکھ کر کہ جواب اب تک نہیں آیا، یہ عریضہ لکھ رہا ہوں۔

اس سے پہلے عریضے میں یہی لکھا تھا کہ آپ کا انتخاب مجھے نہیں ملا، دوسرا مرحمت ہو۔

آپ نے اچھا کیا وہ غزل روک لی، غزل خاور صاحب چھاپتے بھی نہیں، وہ حیرتؔ ٹائپ غزل کہنے والوں کو پسند نہیں کرتے اور ہمیں بھی یہ خاوری مذاق اور مزاج بھلا نہیں لگتا۔

آپ نے اپنے لیے صرف کتابی صورت میں آنے کی قید کیوں لگا دی؟ جگر صاحب پر مضمون کو جگہ دینے کے لیے وہاں ''فاران'' ہے اور یہاں ''نگار''۔

’’نگار‘‘ تو آپ دیکھتے ہوں گے، تازہ پرچے میں حیرتؔ بقلم سلطان اشرف دیکھیے گا اور اپنی رائے لکھیے گا۔ خاکسار پر ’’آجکل‘‘ دسمبر ۶۰ء میں بھی بقلم دور آفریدی ایک مضمون نکل چکا ہے، یہ دونوں کرم فرما یہیں کے ہیں۔

جبلپور میں قیامت گزر گئی میں نے مجنوں صاحب سے ان کی خیریت پوچھی تو آج اس کا جواب آیا، سلامت ہیں گھر بار بھی سلامت وہ شہر میں رہتے بھی نہیں، قریبی ایک گاؤں (Mohini) میں ہیں، لیکن ہیں بہت گھبرائے ہوئے، آپ کو سلام لکھا ہے۔

کل ایک کرم نامہ حاجی صاحب کٹھوریہ مدظلہٗ کا بھی ملا، اس دفعہ خط لکھنے میں اُنھوں نے ہی سبقت فرمائی۔ ان کا کرم، ان کی محبت ___ کبھی آپ بھی تو ان سے ملیے۔

موسم نرم ہوتا جارہا ہے مگر بیمار کا حال نرم نہیں۔

اب تو سن لے مرا خدا میری

تازہ ’’طلوعِ اسلام‘‘ میں ہم ایسے کم قیمت پنشنروں کے حالِ زار پر جنھیں گرانی کی کوئی رعایت نصیب نہیں اربابِ اقتدار کو توجہ دلائی گئی ہے خدا کرے اس کا کوئی بہتر نتیجہ نکلے اور جلد۔ گھر میں آداب وسلام، بچوں کو دعا

نیازمند
عبدالمجید حیرتؔ

(۳۲)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

رامپور (یوپی)
راج دوارہ (مسجد پیلو)
سنیچر، ۱۱/ مارچ ۱۹۶۱ء

جلیل صاحب مکرم، السلام علیکم

کل صبح جب آپ کے نام ایک عریضہ ڈاک کے سپرد کیا تو دوپہر کو آپ کا خط ملا، اور آپ کا ’’انتخابِ غالب‘‘ شام تک پڑھ بھی ڈالا......رائے یہ ہے:

’’انتخاب چست ہے، مگر کہیں کہیں ایسے اشعار بھی لے لیے گئے ہیں جن کی ضرورت نہ تھی اگر انھیں چھوڑ دیا جاتا تو رنگِ غالب کی ترجمانی پھر بھی ہوجاتی‘‘۔

غم کھانے میں بودا دلِ ناکام بہت ہے، یہ شعر چھوٹ گیا حالاں کہ قابلِ انتخاب تھا، اسی طرح عجب نہیں بعض چیدہ اشعار اور بھی نظر انداز کردیے گئے ہوں۔

من نہ قرآں مغز را برداشتم ___ غالباً مولانا عبدالماجد دریابادی مدظلہٗ نے کہیں لکھا ہے کہ یہ شعر الحاقی ہے مولانا رومؒ کا نہیں۔

کتاب کی قیمت اگر تین روپے ہے تو یقیناً زیادہ ہے۔

غالبؔ کو اپنے فارسی کلام پر زیادہ ناز تھا اور یہ ہے بھی صحیح لیکن صحیح یہ بھی ہے کہ وہ مشہور اردو کی بدولت ہوئے۔

یہ نسخۂ قدوائی مل گیا جی خوش ہو گیا۔ جزاکم اللہ۔ گھر میں آداب وسلام بچوں کو دعا

طالبِ دعا

عبدالمجید حیرتؔ

ایک غزل اور:

بے قیمت بے وقعت نکلے   ہم ایسے بدقسمت نکلے
راہِ وفا کچھ سخت نہیں تھی   ہم ہی مگر کم ہمت نکلے
وہ فتنے جو کچھ بھی نہیں تھے   بڑھ کر ایک قیامت نکلے
دیکھیں کون گلی سے اُس کی   لے کر جان سلامت نکلے
آہ کسی کی وہ اُمیدیں   جن کا حاصل حسرت نکلے
آہ اگر وہ چشمِ کرم بھی   بیش از بیش اذیت نکلے
کیوں وہ بات کہ جس کو سن کر   منہ سے حرفِ شکایت نکلے
کاش کسی کے حق میں کوئی   رحمت نکلے راحت نکلے
شام و سحر گردش ہی گردش   کچھ تو سکوں کی صورت نکلے
صبح تو افسردہ ہی نکلی   شاید شام غنیمت نکلے

آپ کا عالم جو کچھ بھی ہو
ہم تو سراپا حیرتؔ نکلے

(رامپور، ۱۷، فروری ۱۹۶۱ء)

پس نوشت ___ ہفت روزہ ''شہاب'' لاہور میں ''خطوطِ اسدؔ بنام حیرتؔ'' کی ایک قسط نکلنے والی ہے۔ خیال رکھیے گا۔

(۳۳)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

رامپور (یوپی)

راج دوارہ (مسجد پیلو)
جمعرات، ۳۰؍مارچ، ۱۹۶۱ء
2.pm

جلیل صاحب مکرم، السلام علیکم

مودت نامہ، ۲۰؍مارچ مل گیا، جزاکم اللہ۔

کل مخدومی مولوی حامد حسن صاحب قادری بچھرایونی مدظلہٗ کا یہ کرم نامہ ملا، ''جلیل صاحب کا انتخابِ غالب'' میں نے نہیں دیکھا، خود ان کو ہی کبھی نہیں دیکھا، کراچی کے کسی رسالے میں جلیل صاحب کے انتخاب کے متعلق کسی پروفیسر اکا طویل مضمون دیکھا تھا بہت سے اعتراضات ہیں جن میں سے بعض وہی ہیں جو آپ کی تحریر سے بھی مترشح ہیں یعنی ''لن ترانیاں'' اور ترک واخذ کی ناموزونیت اس کے علاوہ جلیل صاحب نے بہت سے اشعار میں بعض الفاظ بدل دیے ہیں، اور یہ حوالہ نہیں دیا کہ یہ دوسرا نسخہ کہاں سے نقل کیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصلاحیں جلیل صاحب کی طبع زاد ہیں، کافی طویل اور دلچسپ مضمون تھا''۔

مگر یہ آپ کے حریف و معترض ہیں کون صاحب، اور انھوں نے کس رسالے میں نزولِ اجلال فرمایا ہے؟ میں بھی دیکھنا چاہتا ہوں، میرے نزدیک اوّل تو آپ سے اس کے جواب کی ضرورت ہی نہیں، یا پھر جواب ہو تو انتہائی متانت اور شرافت کا حامل، معقول اور مدلّل، یعنی جذباتی نہیں، آپ کے انتخاب کی، پذیرائی کے لیے یہی دلیل کافی ہے کہ اربابِ فکر ونظر نے اس کا نوٹس لیا ہے:

تا نہ باشد چیز کے، مردم نہ گویند چیز ہا

غم کھانے میں بودا...... شاید آپ کے نزدیک اس لیے محلِ نظر ہے کہ وہ آپ کا ''حال'' نہیں...... مگر میرا ''حال'' ہے یہاں آپ کو لفظ ''بودا'' کھٹکا مگر مجھے نہیں، بڑا پیارا لفظ ہے، اور اپنی جگہ چست، احقر کا بھی ایک شعر سنیے:

دیکھ لیا تم کو بھی حیرتؔ
تم بھی نکلے بودے دل کے

لیکن بھئی میں نقاد وقاد کچھ نہیں، کسی شعر کے فوری اثر کو دیکھتا ہوں، زیادہ موشگافیاں نہیں کرتا۔

میں نے یہ انتخاب مولانا عرشی مدظلہٗ کی خدمت میں بھیج دیا تھا، کل ہی واپس آیا ہے اس سلسلے میں مولانا نے بھی آپ کو خط لکھا ہے ملا ہوگا۔

ٹائپ گراں قیمت ہے۔ دوسری طرف لوگوں کی جیبیں ہلکی، اس کا خیال بھی تو رکھنا چاہیے۔

آپ نے ''آپ کا عالم جو کچھ بھی ہو'' کو حاصل غزل ٹھہرایا، مگر میکش صاحب اکبرآبادی نے اس شعر کو سراہا۔

صبح تو افسردہ ہی نکلی، شاید شام غنیمت نکلے۔

احقر کے نزدیک دونوں سند

مجنوں صاحب جبلپوری کا پھر کوئی خط نہیں آیا، آج قبلہ حاجی صاحب کتھوزیہ کا کرم نامہ آیا ہے۔ اپنے تبرکاتِ شعری جب موقع ہو ضرور بھیجیں۔

مخلص
حیرتؔ

(۳۴)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

رامپور (یوپی)
راج دوارہ (مسجد پیلو)
پیر ۱۷، اپریل ۱۹۶۱ء

برادر مکرم، السلام علیکم

آپ کا ۴؍اپریل کا کرم نامہ ملا...... رسید حاضر ہے، اور ڈان کا تراشا۔ اس سلسلے میں ’’قومی زبان‘‘ دیکھنا چاہتا ہوں اور وہ ’’سات رنگ‘‘ تراشا دیکھ لیا یہاں تک تو آپ ہی حق بہ جانب ہیں۔

ہمارے مولوی حامد حسن صاحب مدظلہٗ آپ کے انھی ’’پروفیسر‘‘ صاحب سے متاثر نظر آتے ہیں، نسخۂ قدوائی ان کے مطالعے سے گزاریں، اور پھر ان سے ان کی رائے طلب فرمائیں ’’لن ترانیاں‘‘ حاشا کہ یہ لفظ میں نے ہرگز قادری صاحب کو نہیں لکھا، لیکن یہ لفظ اُن کی تحریر میں آیا ہے کچھ اس طرح جیسے میں نے ہی لکھ دیا ہو، میں قادری صاحب کو اس ’’زیادتی‘‘ کی طرف توجہ بھی دلاؤں گا۔

ابھی ابھی میاں اکبر علی یہیں تھے، ان کے ساتھ عابد رضا صاحب بیدار، اور اب تک حیرتؔ کے نادیدہ رشید حسن خاں صاحب شاہجہاں پوری، جواں سال اور اُبھرتے ہوئے ناقد، مجھے تو بہت پسند ہیں ابھی نقوش میں انھوں نے فیض احمد صاحب فیضؔ کی شاعری پر نقد کیا تھا، آپ نے نہ دیکھا ہو تو ضرور دیکھیں، ہاں تو میاں اکبر علی صاحب سے معلوم ہوا کہ مولانا عرشی کا خط آپ تک نہیں پہنچا (Undelivered) ہی واپس آ گیا، اس ریمارکس کے ساتھ کے مکتوب الیہ مذکورہ پتے پر مقیم نہیں، میاں اکبر علی آپ کا پتا مجھ سے نوٹ کر لے گئے ہیں، غالباً اس لیے کہ وہ خط مولانا پھر آپ کے نام بھیجیں۔

وہ ’’ماہِ نو‘‘ تو اب تک ہاتھ نہیں لگا، تاہم آپ کی غزل آپ کے خط میں دیکھ لی، مگر یہ تو چند ہی شعر ہیں، پوری غزل ’’ماہِ نو‘‘ میں دیکھنے میں آئے گی، پہلی غزل کا مطلع، سبحان اللہ، اور دوسری غزل کا مقطع۔[۱]

’’مقدمہ مکتوبات عبدالحق‘‘ خاصے کی چیز ہوگا، مگر دیکھنے کو کیوں کر ملے گا؟ ’’برگِ گل‘‘ اگر رضا لائبریری میں آتا بھی ہوگا تو حیرتؔ تک نہیں آ سکتا، وہاں ضابطے کی پابندی بہت سخت ہے کسی کے ساتھ کوئی رعایت نہیں، مگر یہ کیا خطوط سید ابوتمیم صاحب نے شایع بھی کر دیے[۲] ابوتمیم صاحب جناب ہاشمی فرید آبادی کے بھائی ہیں، یہ صحیح ہے مگر کیا یہ بھی صحیح ہے کہ بابائے اردو اور سیّد ہاشمی کے درمیان

اب وہ اگلا سا اخلاص نہیں اگر نہیں تو انا اللہ آپ بابائے اردو کے مدّاح ہیں، لامحالہ ان نگاہوں میں معتوب جو بابائے اردو سے پھری ہوئی ہیں، مگر آپ ان باتوں کا زیادہ اثر نہ لیں بلکہ خاموش زیادہ رہیں۔

۹/اپریل کا شہاب (لاہور) اور ۱۶/ کا پرچہ ضرور دیکھیں۔ خطوط اسؔد ملتانی بنام حیرتؔ اور سوچ کر بتائیں کہ آیا ایسے خطوط کی اشاعت میں کوئی افادیت بھی ہے یا نہیں۔

نیاز مند
عبدالمجید حیرتؔ

---

(۳۵)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

رامپور (یوپی)
راج دوارہ (مسجد پیلو)
جمعہ (عیدالاضحیٰ) ۲۶/ مئی ۱۹۶۱ء

جلیل صاحب مکرم، السلام علیکم

عید کے دن، خط آپ ہی کے نام، آپ ہی کے ۴/ اپریل والے نوازش نامے کی رسید و جواب۔

مولانا عرشؔی کا خط آپ کو مل گیا، مگر اس کا تاثر؟

بزرگوں سے ملنا خصوصاً اہلِ علم و اہلِ قلم حضرات سے بڑی مبارک بات ہوتی ہے، وجہِ خیر و وجہِ سعادت اس سے انکار آپ کو بھی نہیں، احقر کے نزدیک قادری صاحب قبلہ اسی فہرست میں ہیں، اس لیے جی چاہتا ہے کہ آپ بھی ان سے ملیں بلکہ ملا کریں، جانے آنے کے لیے موٹر کار نہیں، تو بس تو ہے یا رکشا۔

''اردوئے معلّے'' میں بھی دیکھنا چاہتا ہوں ابھی ابھی ''ندیم'' (ڈھاکہ) جنوری مارچ ۱۹۶۱ء میں بابائے اردو کے چند خطوط معین الدین صاحب دردائی کے نام دیکھے آپ نے بھی دیکھے ہوں گے کیا یہ خطوط ''اردوئے معلیٰ'' [اردوے مصفّٰی، مرتبہ: سیّد ابوتمیم برادر سیّد ہاشمی فرید آبادی] سے الگ ہیں، آپ کے ساتھ جناب ہاشمی کا یہ سلوک سمجھ میں نہیں آیا۔

ناطقہ سربگریباں کہ اسے کیا کہیے

مدیر ''نقوش'' اپنا دوسرا مکاتیب نمبر معلوم نہیں کب نکالیں گے، میں نے پوچھا بھی مگر جواب سے محروم رہا، ان کے یہاں ایک بات میں نے بھی محسوس کی کہ اپنی کہتے ہیں دوسرے کی نہیں سنتے۔

مرسلہ اشعار (نظر ہونہ سکے مگر ہونہ سکے) خوب اور بہت خوب غزل پوری ہوگئی ہوتو بھیجیے ،شعر کہہ کر شبہات تو وارد

ہوتے ہی رہتے ہیں مگر وہ دور بھی ہو جاتے ہیں، بہ شرط یہ کہ شبہات کو ''وہم'' نہ بننے دیا جائے۔

''قومی زبان'' یہاں شاؔد صاحب عارفی کے پاس آتا ہے شاؔد صاحب فروغ لائبریری کو دے دیتے ہیں، ان دوستوں کے کرم سے میں بھی دیکھ لیتا ہوں، مگر ابھی وہ پرچہ نہیں ملا، جس میں آپ ہیں۔

قادری صاحب مدظلہٗ کو عریضہ لکھنے والا ہوں، پوچھوں گا کہ انھوں نے وہ ''قومی زبان'' بھی دیکھا، جس میں آپ نے اپنے معترض کا جواب دیا ہے۔

گرمی روز افزوں۔ رات کا پچھلا پہر ہنوز سرد

طالبِ دعا

عبدالمجید حیرؔت

پس نوشت، ''شہاب'' لاہور، ۹ اور ۱۶ اپریل آپ نے دیکھا؟ خطوطِ اسؔد ملتانی بنام حیرت شملوی'' پرچے کہیں سے مل جائیں تو دیکھیے گا۔

(۳۶)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

رامپور (یوپی)
راج دوارہ (مسجد پیلو)
اتوار، ۹؍ جولائی ۱۹۶۱ء
3.30pm

جلیل صاحب مکرم، السلام علیکم

آپ کا لفافہ ۲۱، جون ___ یہ پڑھ کر دکھ ہوا کہ آپ ایک نہیں بہ یک وقت تین چار آزار کا شکار ہیں، خدا کرے یہ شکایتیں عارضی ہوں، باری تعالیٰ آپ کو تادیر تن درست و سلامت رکھیں۔

میں آپ کا خط پڑھ تو آخر تک لیتا ہوں مگر کہیں کہیں پڑھنے میں تکلف بھی ہوتا ہے ایسا بہر حال نہیں ہے کہ مضمون خبط ہو جائے۔

آپ کے خط سے متعلقہ اقتباس مولانا عرشی کی خدمت میں بھیج رہا ہوں، آپ کا خط دوبارہ دیکھا تو یاد آیا، اگر مولانا نے

مجھے کچھ لکھ کر دیا تو آپ تک پہنچا دوں گا۔

قادری صاحب قبلہ سے آپ کی ایک ملاقات تو ہو ہی جانا چاہیے، ''اُردوے مصفّٰی'' کی مفت جلد کے لیے کاوش کی ضرورت نہیں، مل جائے تو اپنے پاس محفوظ رکھیں۔

''قومی زبان'' ۱۶/جون میں آپ کا وہ مضمون دیکھ لیا، آپ بھی کہاں ایسے ''محمد فاضل'' اِسے اُلجھے، یہ ''قومی زبان'' آپ ہی کا بھجوایا ہوا پرچہ تھا۔

مجنوں صاحب کو ابھی خط نہیں لکھا، لکھوں گا تو اس میں آپ کا سلام بھی ہوگا۔

بابائے اردو قبلہ خدا کرے تن درست وسلامت رہیں، اور ابھی اور جئیں، آپ خوش نصیب ہیں کہ آپ ان سے ملے ہیں اور ملتے رہتے ہیں۔

یہ عریضہ ''نگار'' (جگر نمبر، جولائی) پر رکھ کر لکھ رہا ہوں یہ نمبر آپ بھی دیکھیے گا، اور مضائقہ نہ ہو تو اس پر اپنا تاثر بھی لکھیے گا، احقر کے نزدیک تو یہ نگاری تنقید منفی بہت زیادہ ہے مثبت بہت کم۔

اُسی ''قومی زبان'' میں ع ر طارق صاحب نے شان الحق صاحب حقّی کی مزاج پرسی کی ہے۔ حقی صاحب کی یہ شعری ترکیبیں، گوش برآہٹ، خستۂ بمباری، کلیجا بہ کلیجا تو حد درجہ مضحکہ انگیز ہیں، سراسر پوچ نگاری۔

Stick Steel School Stool وغیرہ۔ احقر کے نزدیک ان الفاظ کے تلفظ میں الف کا اضافہ یکسر غلط ہے بات صرف اتنی ہے کہ یوپی والے عموماً ان الفاظ کے صحیح تلفظ پر قادر نہیں لیکن یہ ان کا عجز ہے، الف کا اضافہ ہرگز مستند نہیں۔

دو ڈھائی ہفتے سے گرمی یہاں بھی شدید رہی، رات کی بارش سے کچھ کم ہوئی ہے، مطلع برابر ابر آلود ہے بادل ابھی اور برسے گا (لیجیے بارش پھر آئی)

آم کی یہ فصل بھرپور تھی، یہ آم وہاں تو کہاں ملتا ہوگا؟

طالبِ دعا
عبدالمجید حیرتؔ

پس نوشت، یہ ''حسین ڈی سلوا ٹاؤن'' کیا ترکیب ہے، اس کا انگریزی املا؟[۲]

آپ کی یہ غزل

عشق میں ترے غمِ ہر دو جہاں سے فارغ
ہم نے چاہا تھا کہ ہوجائیں مگر ہو نہ سکے

کیا خوب......اس کے بعد کچھ اور؟

(۳۷)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

رامپور (یوپی)
راج دوارہ (مسجد پیلو)
اتوار، ۱۷/ستمبر ۱۹۶۱ء

جلیل صاحب مکرم، السلام علیکم

نادم ہوں کہ آپ کے مودت نامے کا جواب قدرے تاخیر سے دے رہا ہوں، یہ ۱۸/اگست کا خط تھا اور مجھے ۲۵/ سے پہلے پہلے مل گیا تھا، جب سے اب تک شدائد کچھ بڑھتے ہی رہے چین اب بھی نہیں، بہرحال می گزرد، اس دکھ پر کچھ پڑھنے پڑھانے کا درد سر اور مول لے لیا ہے یہ خدمت چوں کہ سستی ہے اس لیے تعداد ۱۵، ۱۶ تک پہنچ گئی ہے، صبح سے شام تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے پنشن مختصر جس میں ۴/۳ کے شریک میاں صاحبزادے، پھر پنشن پر کوئی الاؤنس نہیں، ویسے کہیں سے کوئی یافت نہیں، یہ محنتِ شاقہ اسی لیے اُٹھا رہا ہوں کہ کسی طرح گھر کے اخراجات پورے کرسکوں۔

بابائے اردو کی مفارقت کا غم آپ کو جس قدر بھی ہو بجا و درست مگر وہ تو گئے خدا کرے اُن کا اردو یونیورسٹی کا خواب پورا ہو جائے، خدا اجر و ثواب دے آپ کے صدرِ مملکت کو جنھوں نے مرحوم کی قدر کی اور انھیں دوسروں کی ناقدریوں کا شکار نہ ہونے دیا۔

اس وفات المناک پر آپ کیا بس یہی لکھ کر رہ گئے کہ ’’جہاں سے اُٹھ گئے بابائے اردو‘‘ یہ تین شعر تو کافی نہیں۔

آپ کا وہ مشاعرہ بھی خوب تھا جس کا انتخاب آپ نے احقر تک پہنچا دیا مگر کہاں تھا یہ مشاعرہ؟ آپ کے مکان پر تو شاید نہیں۔

کبھی زیڈ اے بخاری سے ملاقات ہو اور یاد رہے تو احقر کا سلام کہیے گا۔

آپ کی غزل دل پسند ___ مگر لفظ ’’نشاط‘‘ تو مذکر ہے مؤنث نہیں۔

اب آپ کی صحت کیسی ہے؟ پچھلے خط میں تو آپ نے مجھے کچھ ڈرا دیا تھا۔

کبھی مولوی حامد حسن صاحب قادری مدظلہٗ سے بھی تو ملیے، یادگار زمانہ ہیں یہ لوگ۔ مل لیجیے، وہ بھی خاصے سن رسیدہ ہیں، خدا کرے تا دیر سلامت رہیں، اب جب ملاقات ہو قادری صاحب قبلہ کی خدمت میں میری طرف سے بھی ہدیۂ سلام پہنچائیں۔

آپ ’’فاران‘‘ پڑھ تو ضرور رہے ہوں گے، مگر اس میں آپ کچھ لکھتے نہیں۔

مجنوں صاحب جبلپوری نے آپ کو سلام لکھا ہے۔ اور ہاں حاجی صاحب کتھوریہ سے بھی آپ کبھی ملے نہیں۔

دعا گو و طالبِ دعا
عبدالمجید حیرتؔ

(۳۸)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

رامپور (یو پی)
راج دوارہ (مسجد پیلو)
پیر، ۲۳ر اکتوبر ۱۹۶۱ء

جلیل صاحب مکرم، السلام علیکم

آپ کا ۱۲ر اکتوبر کا کارڈ ۱۹ر کو ملا۔ ڈاک کے اس حسنِ انتظام پر آفرین کہ کراچی سے ایک خط سات دن میں رامپور آ تو گیا اللہ رے یہ دورِ بادو برق۔

آپ کی ادبی مصروفیت بڑی مبارک بات، خصوصاً ریڈیائی تبصرے، ہم خرما و ہم ثواب۔

انجمن کی اردو انگلش ڈکشنری وقت کا تقاضا ہے خدا کرے جامع و مانع چیز ہو، میں تو ایک جلد کیا لے سکوں گا مگر پڑھنے والوں سے کہوں گا کہ ان میں سے کوئی اسے خرید لینے کی ہمت کر جائے، کیا قیمت ہوگی اس کی؟

ریڈیائی لطائف کاش حیرتؔ بھی اس قابل ہوتا کہ سنتا، خود یہ فراغت حاصل نہیں، اور ریڈیو سننے کے لیے کہیں جا بھی نہیں سکتے، اس صورت میں اردو رسالوں ہی سے جو کچھ مل جائے غنیمت۔

آپ نے بتایا تو معلوم ہوا کہ حسین ڈی سلوا کی لِم یہ ہے مگر یہ ترکیب بولنے میں آسان نہیں، اور اردو میں پتا نہیں چلتا کہ لفظ حسین ''زمین'' کے وزن پر ہے یا ''زُبیر'' کے وزن پر۔

''فاران'' نومبر ضرور دیکھوں گا میرے پاس برابر آتا ہے۔ ماہر القادری صاحب کا کرم۔

آپ کے تازہ خط سے یہ گمان ہوتا ہے کہ آپ کی طبیعت اب ماشاءاللہ بحال ہے۔ ہے نا؟

نگار (اکتوبر) میں آپ کے ''کلامِ غالب'' پر تبصرہ تھا، مختصر مگر وزنی، آپ نے خود بھی دیکھ لیا ہوگا۔

مہینہ یاد نہیں رہا مگر ''ماہِ نو'' میں بھی آپ کی یہ غزل تھی۔ ''شعلۂ عشق رہے خاک بسر ہو نہ سکے''۔

اس ''ماہِ نو'' پر ایڈیٹر صرف ظفر قریشی تھے خاور صاحب شاید اس آسمان سے کسی اور اونچے آسمان پر منتقل ہو گئے نظر آتے ہیں۔

خاکسار گھر میں تنہا، بیوی صاحب اور سب موڑک

مخلص

عبدالمجید حیرتؔ

پسِ نوشت۔ حاجی صاحب کتھوریہ سے اگر نہیں مولوی حامد حسن صاحب قادری مدظلہٗ سے تو ملیے غنیمت سمجھیے کہ ایسے بزرگ ہنوز سلامت ہیں، بزرگ ادب و شعر کے اعتبار ہی سے نہیں، اپنی ذات سے بھی بزرگ۔

''نقوش'' کیا آپ دیکھتے بھی نہیں؟

(۳۹)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

رامپور (یوپی)
راج دوارہ (مسجد پیلو)
منگل، ۷؍نومبر ۱۹۶۱ء
۱۱ بجے شب

جلیل صاحب مکرم، السلام علیکم

جنوری ۱۹۶۱ء کا ''فکر ونظر'' مگر نظر سے آج گزرا، اس میں دیوانِ غالب (نسخۂ عرشی) از مالک رام، کا عنوان آپ ضرور دیکھ چکے ہوں گے، خصوصاً یہ عبارت (ص ۱۷۸)

''میں اس سلسلے میں ایک واقعہ بیان کرنا چاہتا ہوں، ۱۹۳۶ء کی بات ہے میں اس زمانے میں دلی میں تھا، جناب جلیل قدوائی ان دنوں مرکزی حکومت کے محکمہ اطلاعات عامہ میں ملازم تھے یہیں ان سے میری ملاقات ہوئی، اور بتدریج ہمارے تعلقات بہت گہرے ہوگئے، آسی مرحوم نے اس سے تھوڑی مدت ہی پہلے یہ کلامِ غالب کے نام سے شایع کیا تھا، ایک دن جلیل صاحب اور میں بیٹھے گپ کررہے تھے کہ اس کلام کا ذکر آ گیا تو انھوں نے فرمایا (روایت بالمعنی) یہ کلام غالب کا نہیں بلکہ آسی کا ہے اس سے متعلق ایک مرتبہ میری گفتگو خود آسی سے ہوئی تھی انھوں نے مجھ سے کہا تھا کون غالب! میں نے خود یہ غزلیں کہہ کے غالب سے منسوب کردی ہیں، غالب کے رنگ میں کہنا کیا مشکل ہے۔

جلیل ثقہ راوی ہیں بہ فضلہٖ تعالیٰ وہ زندہ وسلامت، موجود ہیں، میں چاہتا ہوں کہ وہ اس روایت کی تصدیق کریں۔

تو جلیل صاحب کیا یہ تصدیق (یا تردید) آپ کی طرف سے ہوگئی؟

اور ہاں کیا آپ نے ''انشاء'' (ستمبر) میں نشستند وگفتند وبرخاستند'' پڑھا؟ خصوصاً وہ مضمون جو جناب جوش ملیح آبادی سے شروع ہوتا ہے، اور اُنھیں پر ختم۔ اگر آپ نے اُسے پڑھا ہے تو پھر اُس پر آپ کا تاثر؟

اور پھر اسی ''انشاء'' میں ایک مضمون یہ، حضرت جگر عشق کی بسم اللہ، کیا آپ ایسے مضامین پڑھ کر محظوظ ہوئے، یا بہ الفاظِ رشید احمد صاحب صدیقی ''بدحظ''؟

اردو بورڈ کے نمونہ ''لغاتِ اردو'' پر خاصی لے دے ہورہی ہے آپ کی نظر میں یہ ہنگامہ بھی تو ہوگا، اس پر آپ کا تبصرہ ابھی نظر سے نہیں گزرا۔

تازہ ''فاران'' میں آپ کی بس ایک غزل ہی تھی، اور کچھ نہیں۔

مولانا عرشی کی طرف سے ہدیۂ سلام قبول کیجیے۔

مجنوں صاحب کو پرسوں ہی عریضہ لکھا ہے، عریضے میں آپ کا سلام۔

طالبِ دعا
عبدالمجید حیرتؔ

آپ کی صحت اب کیسی ہے؟ کام کیجیے مگر اپنے آپ کو تھکائیے نہیں۔

(۴۰)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

رامپور (یوپی)
راج دوارہ (مسجد پیلو)
جمعرات، ۱۸؍جنوری ۱۹۶۲ء

جلیل صاحب مکرم، سلام و رحمت

ابھی ابھی آپ کا لفافہ ملا، جواب ہاتھ کے ہاتھ

ماہرالقادری صاحب سے جنگ اور ''سات رنگ'' سے صلح، کیا خوب، ہوسکتا ہے کہ آیندہ ماہر صاحب سے صلح ہو جائے اور ''سات رنگ'' سے جنگ ___، کہ اندازِ جہاں گاہے چنیں گاہے چناں باشد۔

''فکرونظر'' (اپریل ۱۹۶۱ء) کے لیے اگر براہِ راست آپ ہی مدیر ''فکرونظر'' علی گڑھ کو لکھیں تو شاید اثر ہو۔

قبول آپ کی التجا ہو تو ہو
ہماری گزارش تو رد ہوگئی (حیرتؔ)

مالک رام کا پتا:

Mr. Malik Ram Baveja MA
Embassy of India
Brussels, Belgium

اسی طرح ''نگار'' کے لیے بھی آپ ہی کیوں نہ صاحب ''نگار'' کو لکھ دیں، ویسے لکھ میں بھی دوں گا۔

بڑی مسرت کی بات کہ آپ جگر صاحب پر لکھ رہے ہیں، اور دل کھول کر لکھ رہے ہیں۔

’’مہر نیمروز‘‘ کے اُس پرچے کا انتظار رہے گا، ہم تک ’’مہر نیمروز‘‘ ہی پہنچ جایا کرے تو غنیمت یہ رسالہ یہاں کہیں آتا بھی نہیں، ’’ماہِ نو‘‘ کی ضرورت نہیں، دیکھنے کو مل جاتا ہے، اسی طرح ’’سات رنگ‘‘ ___ ’’قومی زبان‘‘ البتہ باقاعدہ نہیں ملتا۔

میں روشؔ صاحب کو عریضہ یہاں لکھتا رہا معلوم ہی نہ تھا کہ وہ وہاں تھے، ہاں جلیلؔ صاحب، روش صاحب سے مجھے بڑا تعلق خاطر ہے وہ بھی احقر کو عزیز رکھتے ہیں، آدمی ہیں بھی تو صاحبِ محبت

آپ کے اسکول کا سالانہ جلسہ کب ہے؟ نواب صدیق علی خاں صاحب سے احقر کا پرتپاک سلام پھر کہہ دیں، اُن سے سیٹھ اسحاق سیٹھ کا پتا بھی پوچھیے گا ایک عریضہ تو لکھ ہی دوں گا حالِ حیرت پر ان حضرات کی وہ توجہات آج بھی یاد ہیں۔

پرسوں فیض الرحمٰن صاحب کا خط ملا۔ ایک افسوسناک خبر یہ کہ ان کے بڑے بھائی سراج الرحمٰن صاحب کی وفات ہوگئی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

دعا گو و طالبِ دعا

عبدالمجید حیرتؔ

پس نوشت، کبھی وقت نکال کر مولوی حامد حسن صاحب قادری مدظلہٗ سے بھی تو ملیے، پچھلے دنوں کچھ بیمار تھے، پیر کہن سال تو ہیں ہی خدا تا دیر سلامت رکھے، قادری صاحب ناظم آباد ہی میں تو ہیں۔

---

(۴۱)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

رامپور (یوپی)
راج دوارہ (مسجد پیلو)
جمعرات، یکم فروری ۱۹۶۲ء
12.15pm

جلیل صاحب مکرم، السلام علیکم

ابھی ابھی ڈاک سے جناب نیاز فتح پوری کا یہ خط ملا۔ ’’قدوائی صاحب کو لکھ دیجیے کہ نگار کا ڈیکلریشن کراچی میں منظور ہوگیا ہے اور جنوری ۱۹۶۲ء ’’اقبال نمبر‘‘ سے اس کی اشاعت وہاں بھی شروع ہوگئی ہے، پتا یہ ہے: ادارہ ادب عالیہ، متصل ڈاک خانہ، گولی مار، کراچی، ۱۸۔ اس پتے پر مراسلہ فرمائیں‘‘۔

مگر نیاز صاحب نے یہ نہیں لکھا کہ آیا وہ آپ کو ''نگار'' کا وہ شمارہ بھی بھیج رہے ہیں یا نہیں جس میں غالبؔ (نسخۂ قدوائی) پر تبصرہ تھا۔ میں نے تو یہی درخواست کی تھی کہ یہ شمارہ آپ کو بھیج دیں، اور اس ضمن میں آپ کا پتا بھی لکھ دیا تھا۔

آج ہی کی ڈاک سے جنوری کا ''سات رنگ'' بھی ملا، اس میں آپ کا مضمون اِسب پڑھ ڈالا، مگر پڑھ کر افسوس ہی ہوا، یہ افسوس کہ کاش حالات یہ رُخ اختیار نہ کرتے اور یہ کہ یہ قضیہ نامرضیہ پریس میں نہ آتا، آپ بھی غالباً سید ہاشمی صاحب سے صرف ایک مرتبہ ملے، اگر استعفیٰ دینے سے پہلے ایک بار اور مل لیتے تو ممکن تھا کہ بات اتنی دور نہ جاتی۔

خدا کرے ماہرالقادری سے آپ کی وہ جنگ بھی صلح سے بدل جائے آپ کی زندگی کے اس قیمتی دور میں آپ کا محاذ پُرسکون ہونا چاہیے نہ کہ جنگی، اس لیے اور بھی کہ ابھی آپ کو نہ معلوم کتنا قلمی کام انجام دینا ہے، ایسا نہ ہو کہ وہ ان چھوٹی موٹی جنگوں کی نذر ہو کر رہ جائے۔

آپ کے پچھلے خط کا جواب دے چکا ہوں اور اس کی رسید کا منتظر بھی ہوں ____ نواب صدیق علی خاں صاحب سے جب ملاقات ہو میرا اسلام پہنچائیں۔ نواب صاحب کا پتا بھی لکھیے اور نواب سے پوچھ کر حاجی سیٹھ اسحاق صاحب کا پتا۔

مولوی حامد حسن صاحب قادری مدظلہٗ سے ملنے کے لیے بھی ضرور کوئی وقت نکالیے، مولوی صاحب قبلہ اب لکھنے سے گھبرانے لگے ہیں، ہاتھ میں رعشے کی شکایت ہے، خدا کرے جاتی رہے اور مولوی صاحب تا دیر تن درست وسلامت رہیں۔

سردی ابھی یہاں چل ہی رہی ہے ایک کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد سردی کی تیسری لہر۔ اس بیمار کا حال اور خراب کل کچھ دھوپ تھی آج وہ بھی نہیں، ایسے موسم میں تکلیف بڑھ جاتی ہے اور تعطل الگ لکھنا پڑھنا سب بند۔

دعا گو

عبدالمجید حیرتؔ

پس نوشت، معلوم نہیں ''تعمیر انسانیت'' لاہور بھی آپ کی نظر سے گزرتا ہے یا نہیں، اس کے دسمبر کے شمارے میں ''اسدؔ ملتانی بنام حیرتؔ'' ایک خط نکلا تھا، دو خطوط اب جنوری کے شمارے میں ہیں، خطوط ابھی اور بھی نکلیں گے۔

(۴۲)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

رامپور (یوپی)

راج دوارہ (مسجد پیپلو)

جمعرات، ۲۲ر فروری ۱۹۶۲ء

جلیل صاحب مکرم، سلام ورحمت

پرسوں کی ڈاک بڑی وزنی رہی، یکا یک ایک پارسل ملا اور پارسل میں قومی زبان، نئی قدریں، سات رنگ، آہنگ اور بیگم جلیل کا تحفۂ خاص ’’ننھی پروین‘‘......کئی دن کے مطالعے کا سامان جزاکم اللہ۔

پہلے آپ کا خط پڑھا یہ عریضہ اسی کا جواب ہے اور رسالوں کی صورت میں آپ کی نوازش کا شکریہ۔

انگریزی کا وہ ایڈریس بھی پڑھ لیا خوب ہے لیکن یہ بات بری طرح کھٹکی کہ آپ ایسے اردو کے رسیا اور ایڈریس بہ زبان انگریزی! ناطقہ سر بگریباں، ارے بھائی مدنی امدنی ہی تو تھے، ماؤنٹ بےٹن تو نہیں تھے، پھر یہ نیاز مندانہ خطاب کیا معنی؟ بابائے اردو اگر زندہ ہوتے تو اس ایڈریس کو دیکھ کر کیا کہتے:

’’نئی قدریں‘‘ اس وقت مولانا عرشی کے پاس ہے، واپس آیا اور آپ کے پاس بھیجا، آہنگ میں سیّد محمد جعفری کو بھی دیکھا، اُن کا پتا؟ خط لکھنے کو جی چاہتا ہے کہیں آپ سے ملیں تو احقر کا سلام پہنچائیں۔

غالب، مولانا ابوالکلام اور نیاز صاحب کی خطوط نویسی پر آپ کی رائے پسند آئی بات ہے بھی وہی جو آپ نے کہی۔

پاکستان آنے کا پروگرام القط نہیں ہے بلکہ اب تو اس ارادے کا پہلا مرحلہ، سب سے بڑا مرحلہ ہوگیا ہے پاکستانی ہائی کمشنر دہلی کے دفتر سے باضابطہ یہ اطلاع آ گئی ہے کہ ایمرجنسی سرٹیفکیٹ منظور، سفر کی مہلت ۳؍ مہینے یعنی ۱۴؍ مئی تک۔ باری تعالیٰ مدد فرمائیں اور اس وقت تک اس بیمار کو اتنی سکت بھی بخش دیں کہ سفر کی مشقت جھیل لے جائے۔

بابائے اردو پر آپ کے مضمون میں ہاشمی صاحب فرید آبادی سے متعلق آپ کا لب ولہجہ بہت پسند آیا...... بڑی اونچی بات، غالب (نسخۂ قدوائی) پر تبصرہ۔ ’’نگار‘‘ اکتوبر ۱۹۶۱ء، صفحہ ۵۲

> ’’جناب جلیل قدوائی غالب کے پرانے چاہنے والوں میں سے ہیں اور ان کی اس غیر معمولی چاہت کا ثبوت یہ ہے کہ انھوں نے اس انتخاب میں نسخۂ حمیدیہ کے ان بعض اشعار کو بھی لیا ہے جن کی طرف مشکل سے کسی کی نگاہِ انتخاب جاسکتی تھی۔
>
> ابتداء میں اُنھوں نے اپنے نظریۂ انتخاب کی وضاحت بھی کردی ہے، جس سے ان کے حسنِ انتخاب اور وسعتِ نظر پر کافی روشنی پڑتی ہے۔
>
> اس انتخاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ غزلوں کی ہیئت کو بدستور قائم رہنے دیا گیا ہے‘‘۔

تعجب ہے اور افسوس بھی کہ ارباب ’’فکر ونظر‘‘ (علی گڑھ) نے نہ مجھے جواب دیا اور نہ آپ کو رسالہ بھیجا۔ یہ اخلاق سمجھ میں نہیں آیا، شاید اس دور کے فکر ونظر کا تقاضا یہی ہے۔

کیا نواب صدیق علی خاں صاحب آپ کے جلسے میں آئے تھے؟

مولوی حامد حسن صاحب قادری مدظلہٗ سے آخر کب ملیے گا؟

مجنوں صاحب کے تازہ خط میں آپ کے لیے سلام آیا تھا۔

حیرتؔ

پسِ نوشت۔ ''تعمیر انسانیت'' اگر آپ چاہیں تو آپ کی نظر سے گزر ضرور سکتا ہے، دسمبر جنوری اور فروری کے پرچے کہیں سے لے لوا کر دیکھ لیں۔

وہ ''نگار'' نہ سہی اُس میں وہ تبصرہ اس عریضے کی پشت پر ملاحظہ فرمائیں، شاید میں نے یہ نقل اس سے پہلے نہیں بھیجی۔

''ننھی پروین'' کے لیے بیگم جلیلؔ کا مکرر شکریہ، کتاب ابھی پڑھی نہیں ہے، پڑھوں''۔

(۴۳)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

رامپور (یوپی)
راج دوارہ متصل مسجد پیلو
بدھ، ۲۱/ مارچ ۱۹۶۲ء
(ہولی)

جلیل صاحب مکرم، سلام و رحمت

کیا آپ کو ''نئی قدریں'' واپس مل گیا، مگر اس پر آپ کو اپنی جیب سے ۱۶/ پیسے دینا پڑے ہوں گے، جن صاحب نے رسالہ پوسٹ کیا، انھوں نے اپنی دانست میں یہی بہتر سمجھا کہ ''بیرنگ'' کر دیں، اگرچہ میں ایسا نہ چاہتا تھا۔

''ماہِ نو'' فروری ۱۹۶۲ء آپ نے دیکھا؟ میں نے اب تک آپ کے دو کرم فرما ایسے دیکھے ہیں جو آپ سے شاید خدا واسطے کا بیر رکھتے ہیں، ایک یہی خاور صاحب، دوسرے خلیل الرحمٰن صاحب اعظمی، مگر دوسرے کو گرا کر اپنے آپ کو اُٹھانا غلط در غلط۔

کراچی میں جناب جوش ملیح آبادی کے اعزاز میں جو تقریبیں ہوئیں کسی میں آپ کا نام نہیں دیکھا، یا ممکن ہے مجھ سے نظر انداز ہو گیا۔

آپ کے اسکول کا پروگرام انگریزی میں کیوں تھا اب معلوم ہوا بہر حال سوچنے والوں کو سوچنا ہوگا کہ ایسی تعلیم دین سے دوری ہے یا قرب۔

باری تعالیٰ مدد فرمائیں، مگر پاکستان آنا کہیں جولائی/ اگست تک ہوگا، قیام اوّل کچھ دن لاہور، پھر ان شاء اللہ سکھر۔ کراچی نہیں۔

مارچ کا ''تہذیب الاخلاق'' دیکھ رہا ہوں دو شمارے پہلے بھی دیکھے مگر یہ پتا نہ چل سکا کہ ایڈیٹر پہلے سیّد ہاشمی تھے اب عشرت رحمانی ہیں یہ کیوں؟

کیا فیض صاحب سے ملاقات نہیں ہو رہی ہے، ان کا خط نہیں آیا، حالاں کہ مجھے خط لکھے کئی ہفتے ہو گئے۔

مخدومی مولوی حامد حسن صاحب قادری، بچھرایونی مدظلہٗ سے آپ غالباً اب تک نہیں مل سکے، مگر ملیے ضرور۔

اور ہاں ماہرالقادری صاحب سے کیا آپ کی ’’جنگ‘‘ ہی رہے گی مگر ’’جنگ‘‘ سے ’’صلح‘‘ بہتر ہے۔ مئی کے ’’فاران‘‘ میں ’’حیرت شملوی، اسد ملتانی کی نظر میں‘‘ دیکھیے گا۔

یہ عریضہ آپ کے ۷؍مارچ کے کرم نامے کی رسید بھی ہے۔

والسلام
عبدالمجید حیرتؔ

(۴۴)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

رامپور (یوپی)
راج دوارہ متصل مسجد پیلو
منگل ۱۷؍اپریل ۱۹۶۲ء

جلیل صاحب مکرم، سلام ورحمت

آپ کا خط ۵؍اپریل، جس کا مجھے انتظار بھی تھا۔

عرشی صاحب پر آپ کے ریڈیائی تبصرے کا ردعمل مجھے بھی معلوم نہیں ملاقات ہوتی تو پوچھتا۔

آپ نے لفظ خاور سے ’ا‘ اور ’و‘ گرایا ہے میں نے صرف ’و‘ بہرحال یہ ذہنیت ہے بڑی تکلیف دہ۔

خلیلؔ اعظمی البتہ اس سطح تک گرے ہوئے نہیں ہیں، مگر سمجھتے وہ بھی ہیں اپنے آپ کو ’بڑی چیز‘‘۔ یہاں استاد رشید رامپوری کا ایک شعر سنیے:

سمجھے تھے وہ اپنے کو بڑی چیز سنور کے
آئینہ جو دیکھا تو اِدھر کے نہ اُدھر کے

دو تین مہینے ہوئے ’’ہماری زبان‘‘ میں آپ کی ایک مطبوعہ تنقیدی کتاب پر خلیلؔ صاحب اعظمی کا تبصرہ نکلا تھا، اس کے لب و لہجہ میں خشونت (خصومت نہ سہی) کچھ زیادہ ہی تھی، ان اعظمی صاحب سے میں واقف نہیں۔ کیا آپ بھی نہیں؟

’’افکار‘‘ کا ’’جوش نمبر‘‘ ابھی دیکھنے میں نہیں آیا، تازہ نمبر اگر مل گیا تو اس میں آپ کا خط ضرور دیکھوں گا، پہلے یہ دیکھ لوں کہ آپ نے ماہرالقادری صاحب پر کیا اظہارِ خیال کیا ہے، پھر کچھ لکھوں، مگر میرے لیے ہے یہ مقام مشکل، مجھے آپ اور ماہرؔ دونوں عزیز ہیں۔

آپ رسالہ ’’جامعہ‘‘ بھی تو دیکھتے ہوں گے تازہ شمارے میں احقر کی ایک غزل نکلی ہے یہ غزل: ’’نویدِ آمدِ فصلِ بہار ہوتا ہے‘‘۔

ساجد میاں کو خدا خدا کرکے Pre-University کے امتحان تک پہنچایا ہے۔ اس سلسلے میں نہ صرف پچھلے سال بلکہ اس سال بھی ساجد میاں کے پرووسٹ بہادر ’’ہز ایکسیلینسی‘‘ آل احمد سرور کے ہاتھوں جو دکھ اُٹھایا ہے ایک الگ داستان ہے۔ ان شاء اللہ کبھی پھر سہی۔

آپ کے نزدیک جلیل صاحب دستورِ ایوبی کیسا رہا؟ اور تکفیر پرویزی کیسی؟ مضائقہ نہ ہو تو آیندہ خط میں یہ مضامین بھی سہی۔

نیاز مند
عبدالمجید حیرتؔ

(۴۵)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

رامپور (یوپی)
راج دوارہ متصل مسجد پیلو
سنیچر، ۲؍جون ۱۹۶۲ء

جلیل صاحب مکرم، السلام علیکم

آپ خاموش ہیں اور خاکسار مضطرب، ڈاک روز خالی جارہی ہے جلد توجہ فرمائیں۔ خدا کرے آپ اور جملہ اہلِ خانہ بہ خیریت ہوں۔

آپ نے ’’افکار‘‘ میں ہمارے ماہرالقادری صاحب کو ناحق دھرگھسیٹا، مگر ایسا ہونا نہ چاہیے تھا نجی اختلافات منظرِ عام سے دور ہی رہنا چاہئیں۔

’’فاران‘‘ کے تبصروں میں ’’دوسرا رُخ‘‘ کچھ اس لیے نہیں ہوتا کہ ماہر صاحب کو کسی کی منقصت کرنا ہوتی ہے حاشا و کلا مگر آپ نے تو ان کی ’’تنقید‘‘ کو ’’تنقیص‘‘ ہی ٹھیرادیا____ آپ سے اُن سے وجہِ کشیدگی معلوم نہیں نہ آپ نے کچھ لکھا نہ انھوں نے۔

جناب بدرالدین احمد کی کوئی خیر، خبر؟ ہم تو ان کی مراسلت کی فہرست میں ہیں ہی نہیں، ان کے حافظے میں ہوں تو ہوں۔

مجنوں صاحب جبلپوری کا سلام قبول فرمائیں۔

’’آئینۂ حیرت‘‘ (حصّہ اوّل) تو کلاً علی اللہ اس وقت کتابت کی منزل میں ہے ان شاء اللہ جولائی میں بازارِ ادب میں ہوگا۔ یہ سارا کام قرض کے بول بوتے پر ہو رہا ہے، خدا کرے کتاب چھپتے ہی اتنی نکل جائے کہ قرض ادا ہو جائے پھر، یا قسمت، یا نصیب۔ صفحات ۱۵۰؍ قیمت دو روپے سے زیادہ نہیں، کاش یہ ممکن ہوتا کہ اسی مجموعے کا ایک ایڈیشن پاکستان میں نکلتا مگر وہاں یہ ہمت کون کرے؟ صاحب ’’نقوش‘‘ طفیل صاحب کو ٹٹولا تھا مگر اُدھر سے کوئی جواب ہی نہ ملا۔

گرمی بلا کی پڑ رہی ہے، رات سے پہلی دو راتیں تو جاگتے ہی گزریں۔

دعا گو

عبدالمجید حیرتؔ

پسِ نوشت تازہ ''قومی زبان'' تو ابھی آیا نہیں، مگر جناب مشفق خواجہ کا ایک کرم نامہ (بلکہ محبت نامہ) آیا ہے جواب عنقریب پیش کروں گا۔

(۴۶)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

رامپور (یوپی)
راج دوارہ متصل مسجد پیلو
منگل، ۷/اگست ۱۹۶۲ء

جلیل صاحب مکرم، سلام ورحمت

آپ کا ۱۱/جون کا خط سامنے ہے، اُس میں ''آئینۂ حیرت'' سے متعلق آپ کا ایک جملہ یہ تھا ''دیوان کے متعلق آیندہ خط میں''، میں جب سے اب تک اس خط کا منتظر رہا لیکن یہ دیکھ کر کہ خط نہیں آ رہا ہے اور نہ معلوم کب آئے، یہ عریضہ لکھ رہا ہوں۔

''آئینۂ حیرت'' جلد اوّل طباعت کی آخری منازل میں ہے، چھپ کر آ جائے تو ایک جلد آپ کی خدمت میں بھی پیش کروں، سارا کام جیسا کہ عرض کر چکا ہوں قرض دام پر ہے، آبرو رکھنا اور برکت عطا فرمانا خدا کے ہاتھ۔

صاحبِ ''نقوش'' کو ٹٹولا تھا کہ شاید وہ اس مجموعے کا ایک پاکستانی ایڈیشن نکالنے کی ہمت کر جائیں مگر وہ ''گول'' ہو گئے، بقول شخصے ''ان تلوں میں تیل کہاں''، تعلق بس اس قدر کہ غزل منگوا لیں، چھاپ دیں اور ''نقوش'' سے نوازتے رہیں۔

مشفق خواجہ کے کرم سے ''قومی زبان'' آنے لگا ہے، یہ تحریک آپ ہی کی تھی۔

عزمِ پاک مصمم ہے مگر دہلی سے پروانۂ راہداری ہنوز نہیں آ پایا۔

عرشی صاحب کا ردِعمل آپ کے ریڈیائی تبصرے پر معلوم نہیں ہو سکا ان سے تو ملاقات کو بھی ترس گئے کبھی آتے تو پوچھتا۔

مجنوںؔ صاحب کا خط آیا ہوا ہے، جواب لکھوں گا تو آپ کا سلام ضرور لکھ دوں گا، بدرالدین صاحب کو خدا خوش رکھے ان کی خط و کتابت میں ہمارا نام ہی نہیں۔

مولوی حامد حسن صاحب قادری مدظلہٗ سے کب ملیے گا؟ مل ہی لیجیے، خدا انھیں تا دیر سلامت رکھے، مگر ہیں وہ بھی پکے پان۔

موسم غنیمت برسات چل رہی ہے مگر بارشیں زوردار نہیں۔

آٹا دو سیر، لون تین روپے چھٹانک، ہر بازار ’’چار سو بیس‘‘
’’ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے‘‘

احقر
عبدالمجید حیرتؔ

رامپور سے ایک رسالہ ’’دریچے‘‘ نکلا ہے، اگلا شمارہ آپ کو بھجواؤں گا اس میں ’’خطوط احمق مرحوم‘‘ ملیں گے۔

کیوں ہوں نہ مغفرت کا طلبگار بھی بہت   بیمار بھی بہت ہوں گنہگار بھی بہت
سنگین ہے سزا تو کسی سے کہیں بھی کیا   یہ دیکھ کر کہ ہم ہیں خطاکار بھی بہت
اوّل تو زندگی کی کشاکش ہی الاماں   اور اُس پہ جب کوئی ہو دل آزار بھی بہت
اچھا ہوا کہ آپ الگ ہم سے ہوگئے   الفت کی ورنہ راہ تھی دشوار بھی بہت
ہم پر غرورِ عشق کی تہمت بجا مگر   ہے بے نیاز حسن کی سرکار بھی بہت
حاشا کہ اک ہمیں ہی نہیں ان کے شکوہ سنج   نالاں ہیں ان سے اُن کے طرفدار بھی بہت
اب خواب ہی سہی مگر اک دور وہ بھی تھا   جب تھا کسی کا سایۂ دیوار بھی بہت
ہے آج بھی یہی کہ جہاں کھل رہے ہیں پھول   پروان چڑھ رہے ہیں وہیں خار بھی بہت
ہے یہ بھی واقعہ کہ صداقت کے نام پر   باندھے گئے ہیں جھوٹ کے طومار بھی بہت
کچھ اہلِ قافلہ ہی نہیں مست و بے خبر   بہکے ہوئے ہیں قافلہ سالار بھی بہت
یہ تلخیِ کلام اُسی کا تو ہے جواب   ہم ان کی بات کے تھے روادار بھی بہت
اُن کی طرف جھکے تو زمانے سے کٹ گئے   ہم ان سے دل لگا کے ہوئے خوار بھی بہت
ہم زندگی سے برسرِ پیکار ہی نہیں   آلامِ زندگی سے ہیں بیزار بھی بہت
راحت کا کیا سوال کہ اس جانِ زار پر   ہے آجکل تو یورشِ افکار بھی بہت
حیرتؔ نیازمند تو ہے آپ کا ضرور
لیکن نہ بھولیے کہ ہے خودار بھی بہت

(رامپور، ۳۱/ جولائی ۱۹۶۲ء)

(۴۷)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

رامپور (یوپی)
راج دوارہ متصل مسجد پیلو
منگل، ۲۱/ اگست، ۱۹۶۲ء
دس بجے شب

برادرمکرم جلیل صاحب، سلام ورحمت

آپ کا ۱۴/ اگست کا مفصل کرم نامہ____ جزاکم اللہ____ آپ کا خط پھر سرسری طور پر پڑھتا ہوں اور دوسری بار دقت نظر سے، اس لیے اگر کاتب آپ کی تحریر کو نہ سمجھ پاتا ہو تو عجب نہیں۔

بڑی مسرت ہوئی کہ آپ کی سب اولاد اناث وذکور (پرانی اور نئی بیگم دونوں سے) تعلیمی حیثیت سے آگے سے آگے جارہی ہے، بڑی ہی مبارک بات [کذا،] اور اسی کے ساتھ آپ کی ہمت پر آفرین کہ آپ اس سلسلے میں اتنا کچھ خرچ برداشت کررہے ہیں، اب مجھے ایک مشورہ دیجیے اور جلد، ہمارے ساجد میاں یہاں علی گڑھ سے PUC ۱؎ سے فارغ ہورہے ہیں، اُن کا آیندہ داخلہ پاکستان میں چاہتا ہوں، وہاں داخلے کے یہی ایام ہیں، اس فکر میں ہوں کہ اگر دہلی کے پاکستانی دفتر سے انھیں ایک الگ پروانۂ راہداری (E.C) مل جائے تو میں اپنے سے پہلے انھیں پاکستان بھیج دوں تو کیا انھیں کراچی یونیورسٹی میں B.Sc فرسٹ ایئر میں داخلہ مل جائے گا؟ کیا آپ اس سلسلے میں کچھ سعی وسفارش فرماسکیں گے؟ وقت تنگ ہے اس لیے یہ عریضہ جہاز سے بھیج رہا ہوں، آپ بھی ہوائی ڈاک ہی سے جواب مرحمت فرمائیں۔ ساجد میاں Supplementry میں آئے تھے، یہ امتحان اب ۹/ اگست کو ختم ہوا، نتیجہ ان شاء اللہ کامیابی ہی ہوگا، اس چکر میں دیر لگی، ورنہ میں آپ کو پہلے سے لکھتا۔

۲۔ ’’العلم‘‘ آ نہیں رہا ہے، ’’بصائر‘‘ ابھی ملا نہیں، ملے تو آپ کے مضمون سے مستفید ہوں۔

۳۔ ’’آئینۂ حیرت‘‘ پر اپنا مقدمہ ضرور لکھ رکھیے، ’’آئینۂ حیرت‘‘ (حصہ دوم) کی اشاعت کے وقت کام آئے گا آپ نے مقدمہ لکھنے کے لیے کہا ضرور تھا، مگر وہ تو ۱۵/ برس کی پرانی بات ہے۔ ’’آئینۂ حیرت‘‘ (حصّہ اوّل) کا پاکستانی ایڈیشن بھی ذہن میں رکھیے۔ شاید یہ زود یا بدیر عملی صورت اختیار کرجائے۔

۴۔ مرسلہ غزل بے کم وکاست حیرتؔ کا حال ہے آپ کو کی دنیا اور ہے میری دنیا اور، اور وہ ہر طرح آزمائش ہی آزمائش ہے۔

وہ غزل اگر اشاعت کے لیے دیں تو ’’ہم قلم‘‘ کو دیں بشرط یہ کہ وہ اسے شائع کرنا پسند کریں اور کہیں نہ دیں۔

’’دریچے‘‘ رامپور شاید آپ کو نہیں ملا، ورنہ آپ لکھتے، میں نے آپ کا پتا تو ان حضرات کو دے دیا تھا، خیر، دوسرا شمارہ دیکھیے گا اور اُس میں ’’خطوطِ حضرت احمقؔ مرحوم بنام حیرتؔ‘‘ یہ شمارہ ابھی نکلا نہیں ہے، نکلنے والا ہے، رسالہ ابھی کچھ ایسا وقیع تو نہیں مگر، خیر۔

’’آئینۂ حیرت‘‘ (حصہ اوّل) ابھی پریس میں ہے۔ ایک آنچ کی کسر۔

بدرالدین صاحب کو میں تو ابھی بھول جانے کے لیے آمادہ نہیں وہ حیرتؔ کو بھولیں تو بھول جائیں۔

مخلص

عبدالمجید حیرتؔ

(۴۸)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

رامپور (یوپی)
راج دوارہ متصل مسجد پیلو
جمعہ، ۲۴/اگست ۱۹۶۲ء

جلیل صاحب مکرم، السلام علیکم

۲۱/اگست کے ہوائی ڈاک کے عریضے کے بعد آج ہوائی ڈاک سے ایک عریضہ اور۔

''کیوں ہوں نہ مغفرت کا طلب گار بھی بہت''___ میں نے یہ غزل جب کہی تو عرش صاحب ملسیانی کو بھی بھیج دی تھی، مگر یہ بھی لکھ دیا تھا کہ غزل صرف ان کے لیے ہے اشاعت کے لیے نہیں، ......مگر ابھی ابھی ان کا یہ کارڈ ملا___ آپ کی غزل موصول ہوئی شائع ہو جائے گی اطلاعاً عرض ہے''۔

اندریں صورت آپ یہ غزل ''ہم قلم'' کو نہ دیں اور اگر دے دی ہو تو وہاں اس کی اشاعت روک دیں ''معاوضہ'' یا ''اعزازیہ'' ایک ہی جگہ سے ہونا چاہیے، دوسرے غزل بھی ایک ہی جگہ چھپنا چاہیے، دو جگہ نہیں، اس کے باوجود کہ بھارت اور پاکستان دو الگ الگ ریاستیں ہیں۔

اور سنیے پرسوں انجمن ترقی اردو بورڈ پاکستان سے میرے ایک مخلص کرم فرما قیصر صاحب مرادآبادی کا خط آیا انھوں نے یہی غزل ''اردو نامے'' کے لیے الگ کر لی ہے۔ چناں چہ میں نے فوراً انھیں لکھا کہ ایک خط لکھ کر آپ سے پوچھ لیں اور آج تو عرش صاحب کا یہ خط آ چکا ہے کہ غزل ''آجکل'' میں نکلے گی اس کے بعد یہ گنجائش ہی نہیں رہتی کہ یہی غزل ''ہم قلم'' یا ''اردو نامے'' میں نکلے۔

یہاں تک لکھ پایا تھا کہ آپ کے بھیجے ہوئے ''بصائر'' اور ''العلم'' بھی مل گئے ......اس کرم کا شکریہ اور بہت شکریہ۔

ساجد میاں PUC پاس ہو گئے مگر بدقسمتی سے ڈویژن تھرڈ ہے۔ داخلے کی فکر پاکستان میں ہے آج گھبرا کر دہلی بھیجا ہے کہ دہلی کے پاکستانی دفتر جائیں اور وہاں عرض معروض کر کے اپنے لیے ایک علیحدہ ایمرجنسی سرٹیفکیٹ حاصل کرنے کی کوشش کریں، دیکھیے کیا نتیجہ نکلتا ہے اس دفتر نے اب تک ہمارا ایمرجنسی سرٹیفکیٹ بھی نہیں بھیجا، دو ڈھائی مہینے سے خاموش ہیں، میں سب شرائط پوری کر چکا، سرٹیفکیٹ ۰۰۰ [ناخوانہ] تحریری وعدے دے چکے ہیں مگر نہ معلوم کیوں خاموش ہیں۔ بیوی صاحب سکھر رہنا چاہتی ہیں تو کیا

سکھر میں ساجد میاں کا داخلہ ہوسکے گا۔ یا پھر کراچی میں۔ خدا کرے ایسا ہوسکے۔

اور ان کا ایک سال ضائع ہونے سے بچ جائے۔ حالات یہ ہیں اور پیچیدہ باری تعالیٰ مدد فرمائیں۔

آپ کے جواب کا منتظر
عبدالمجید حیرتؔ

---

(۴۹)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

رامپور (یوپی)
راج دوارہ متصل مسجد پیلو
بدھ، ۱۲؍ستمبر ۱۹۶۲ء

جلیل صاحب مکرم، سلام ورحمت

آپ کا ۲۹؍اگست کا کرم نامہ ___ جزاکم اللہ

ہمارے ساجد میاں کراچی پہنچ چکے ہیں، آپ کا پتا انھیں نوٹ کرادیا تھا، اور ہدایت کردی تھی کہ آپ سے بھی ملیں، ابھی ان کے کراچی پہنچنے کا تار ہی آیا ہے خط آتے آتے آئے گا۔

PUC سے مراد Pre University Course، تعجب ہوا کہ وہاں اس اصطلاح سے کوئی واقف نہیں، یہاں اب H.S یہ Inter کا بدل ہے ایک سال کا کورس ___ بی اے کے لیے تین سال۔

ساجد میاں علی گڑھ پھر ایک مرتبہ اپنا اسکول اور کالج کا سرٹیفکیٹ لینے گئے تھے لیکن دفتری گھس گھس سے تنگ آکر واپس چلے آئے، اس لیے اور بھی کہ سفر کی میعاد نکلی جارہی تھی، کالج والوں نے وعدہ کیا تھا کہ آپ جائیے، ہم ڈاک سے بھیج دیں گے، مگر آج تک نہ بھیج پائے، میں وہاں بار بار لکھ رہا ہوں مگر یہ درست جواب بھی تو نہیں دیتے اس سلسلے میں اُن کا -/15 کا مطالبہ تھا۔ ۳۰؍اگست کو بذریعہ تار منی آرڈر وہ بھی بھر دیا گیا تھا، اس اخلاق کا کیا علاج؟ اب یہ دعا کر رہا ہوں کہ وہاں داخلہ مل جائے، اور اس اعتبار پر مل جائے کہ سرٹیفکیٹ بھی آرہے ہیں۔

پاکستانی پروانۂ راہداری ہمیں بھی مل گیا ہے، مگر اس میں میعاد کچھ نہ تھی چناں چہ توسیع کے لیے واپس بھیجنا پڑا، ساجد میاں کو آگے بھیج دینے کے بعد ہم بھی ان شاء اللہ آخر اکتوبر یا شروع نومبر تک عازمِ پاک ہوں گے مہم بہت سخت ہے بہت سے مسائل فیصلہ طلب باری تعالیٰ مدد فرمائیں اور آسان۔

آج کل کچھ مرحوم احباب وارباب قلم کے خطوط صاف کر رہا ہوں اور ایڈٹ۔ ایک کام یہ بھی کر رکھوں کسی وقت اگر چھپوانے کی صورت نکلے تو مسودہ تیار رہے۔

’’آ ئینۂ حیرت‘‘ جلد بندی کی منزل میں ہے۔

دُعا گو
عبدالمجید حیرتؔ

(۵۰)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

رامپور (یو پی)
راج دوارہ متصل مسجد پیلو
پیر، ۲۲؍ اکتوبر ۱۹۶۲ء
مغرب وعشاء

برادر مکرم جلیل صاحب، سلام ورحمت

کل آپ کا محبت نامہ ملا، محبت نامہ اس لیے کہ اس میں آپ نے ’’آ ئینۂ حیرت‘‘ کو محبت ہی محبت کی نظر سے دیکھا، ادھر جب میں نے اسے پڑھا تو بے اختیار آنسو نکل پڑے۔ یہ آپ کے اخلاص ومحبت کا اثر نہیں تھا تو اور کیا تھا؟ کرم کردی الٰہی زندہ باشی، ’’آ ئینۂ حیرت‘‘ پر بعض دوسرے احبابؔ نے بھی محبت بھرے خطوط لکھے مگر آپ نے تو کمال ہی کر دیا:

سوداؔ جو ترا حال ہے اتنا تو نہیں وہ
کیا جانیے تو نے اُسے کس حال میں دیکھا

آپ سے اس شعر کے سوا اور کیا کہوں، خیر ایک نظر تو یہ تھی لیکن کیا مضائقہ اگر ایک نظر خالص تنقیدی بھی ہو جائے، اور پھر وہ ’’ہم قلم‘‘ یا کسی دوسرے رسالے میں شائع بھی ہو جائے، آپ پہلے بھی اس گنہگار کی شعری کاوشوں پر کچھ لکھنا چاہتے تھے سو وہ جب نہیں اب سہی، بہ شرط یہ کہ آپ کے پاس اتنا وقت ہو، اور طبیعت آمادہ۔

آپ نے ایک جگہ جس ’’عروضی سقم‘‘ کو دیکھا وہ احقر کی بھول ہے۔ سقم وقم کچھ نہیں، ___ دوسری جگہ بہ سلسلۂ ’’شہباز‘‘ مقصود صرف چراغِ حسن حسرتؔ مرحوم کی یاد تھی اور کچھ نہیں، رہا ابہام، تو اُسے آپ Sillol Equy [کذا Soliloquy ہونا چاہیے۔ ش۔ الف] کیوں نہ قرار دے لیں، اس گنہگار کی بیماری کا یہ طویل دور اوّل سے آخر تک (حالاں کہ ’’آخر‘‘ ابھی معلوم نہیں) اندوہناک ہی اندوہناک ہے یہ غم جہاں تک اشعار سے ٹپک پڑا ہے وہیں تک رہنے دیجیے، لطف اجمال میں زیادہ ہے تفصیل میں نہیں۔

آخرِ خط میں آپ کے اشعار پڑھ کر بہت محظوظ ہوا، آپ کی نظر میں شعر حیرتؔ جو کچھ بھی ہو میرا خیال تو یہ ہے کہ یہ شاعری کچھ مجذوبانہ قسم کی شاعری ہے اور جگہ جگہ کچی، اس کے برعکس آپ کی غزل یا عروج صاحب زیدی بدایونی کی غزل اس سے کہیں زیادہ

مربوط ہے اور مضبوط اور تغزل سے بھرپور۔

اور لیجیے آج آپ کی طرف سے دوسرا تحفہ بھی مل گیا۔ ہم قلم، ماہِ نو، قومی زبان اور العلم ___ کرم ہی کرم

ساجد میاں کا دو ہفتے سے خط نہیں، خط لکھنے میں بہت سست ہیں اور ایسے ہی ملنے ملانے میں بہرحال کسی اچھے کالج میں داخلہ مل گیا ہے ہوسکتا ہے کہ پڑھنے پڑھانے میں زیادہ مصروف ہوں ویسے بھی کراچی میں نو وارد ہیں اور اجنبی کہیں جاتے آتے ہچکچاتے ہی ہوں گے۔

عزمِ پاک ان شاءاللہ وسط نومبر تک، قیام کا ارادہ سکھر، باری تعالیٰ مدد فرمائیں۔

طالبِ دُعا
عبدالمجید حیرتؔ

(۵۱)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

پرانا سکھر
پیر، ۱۷/دسمبر ۱۹۶۲ء
گیارہ بجے صبح
(کل بوندا باندی آج مطلع صاف)

برادرِ مکرم جلیل صاحب، سلام و رحمت

خاکسار حیرتؔ، آٹھ دن سے وارد سکھر بیوی صاحب کے ماموں صاحب کا مہمان اوپر زنان خانے میں بند، معمولات سب درہم برہم کاروبارِ حیرت معطل، نزلے میں گرفتار، آزار پہلے سے زیادہ، دعائیں مانگ رہا ہوں کہ خدا جلد کوئی گوشۂ عافیت دے دے، ابھی یہ طے نہیں کہ مستقل قیام کہاں ہوگا لیکن کراچی تو بڑی جگہ ہے بے حد گراں، مکان نایاب، اور وہاں مجھ ایسے غریب کا گزر ناممکن، اس لیے میرے نزدیک سکھر بہتر ہے، لیکن میں تو اب ایک ضمیمہ ہوں، میرے علائق مجھے جہاں لے جائیں، وہاں جانے پر مجبور، بہرحال مشیتِ الٰہی، سکھر تک کھینچ لائی، آیندہ جو حال ہو، اور حشر، مگر خدا کرے بہتر ہو۔

اس سفر و مسافرت میں آزار بڑھ گیا، رامپور میں ٹب باتھ جاری تھا وہ اب موقوف ہے، یہاں ابھی اس کا موقع ہی کہاں اپنا گھر در ہو تو وہ بھی ہو۔

جب سے وارِدِ پاکستان ہوں (اور لاہور یکم دسمبر کو آ گیا تھا) ہندوستان سے ایک خط نہیں ملا، اللہ یہ ڈاک کا انتظام۔ **اِنّا لِلّٰہِ ثُمّ اِنّا لِلّٰہ۔**

بہ ظاہر ابھی سکھّر ہی ہوں، آپ یہیں خط لکھیے، پتا یہ ہے، حیرؔت۔ معرفت جناب محمد یوسف صاحب جھالا واڑی، مکان نمبر ۱۱۵۵/اے، (بالائی منزل)، گلی بھاٹیہ، نزد ڈاک خانہ، پرانا سکھّر، (سندھ)

آپ کا پتا یادداشت سے لکھا ہے خدا کرے صحیح ہو اور خط آپ تک پہنچ جائے (Old Sukkur (Sindh

طالبِ دعا

عبدالمجید حیرؔت

ماہرالقادری صاحب کا کرم کہ انھوں نے تازہ ''فاران'' بھیج دیا۔

(۵۲)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

پرانا سکھّر

جمعہ، ۲۱/دسمبر ۱۹۶۲ء

سرِ شام

برادرِ عزیز و مکرم، سلام و رحمت

آپ کا خط ۱۹/دسمبر (لفافہ) ___ جزاکم اللہ

خدا کرے یہ عالم مسافرت جلد ختم ہو اور کوئی زاویۂ عافیت نصیب قیام کے لیے میری نظر تو سکھر ہی پر ہے، آیندہ مشیتِ الٰہی ملاقات ان شاءاللہ کبھی نہ کبھی ضرور ہوگی۔

آپ کے اس خط سے معلوم ہوا کہ آپ آج کل انجمن ترقی اردو پاکستان سے وابستہ ہیں، مبارک، یہ بھی آپ کی جواں ہمتی کی دلیل ہے کہ ریٹائر ہو جانے کے بعد بھی اتنا کچھ کیے جا رہے ہیں، خدا آپ کی مساعی کو مشکور فرمائے۔

زحمت نہ ہو تو ''کتابی دنیا''، ''ساقی''، ''انجم'' اور ''نگار'' کے دفاتر کو ٹیلیفون پر میرا سکھر کا پتا نوٹ کرا دیں مجھے یہ پتے یاد نہیں، ورنہ براہِ راست لکھتا پتے میرے پاس ہیں مگر نہ معلوم کس سامان میں بند ہیں ___ ''کتابی دنیا'' کا مجھے وہ پرچہ چاہیے، جس میں ''آئینۂ حیرت'' پر تبصرہ نکلا ہے۔ ''نگار'' رامپور میں صرف ایک پرچہ ملا، اور وہ ستمبر کا پرچہ تھا، اب ''نگار'' اکتوبر، نومبر اور دسمبر مطلوب ہے۔ آپ جناب نیازؔ سے کہیں گے تو وہ ضرور توجہ فرمائیں گے۔

پڑھنے کے لیے ''فاران'' کے بعد ایک پاکستانی نادیدہ مخلص دوست اِکی طرف سے آج دو پرچے ''اردو ڈائجسٹ'' (اکتوبر تا دسمبر) ملے، وہ بھی سمجھیے کہ دیکھ ڈالے۔

ہندوستان سے ابھی کچھ ملا نہیں، کل ''تحریک'' کو لکھوں گا کہ پرچہ اب یہاں بھیجیں۔ ''آج کل'' تو اعزازی اب ملتا ہی

نہیں، ہاں عرش ملسیانی دہلی میں آ ملے تھے وہ اور ان کے اسسٹنٹ سیّد مظفر شاہ

احقر
حیرت

(۵۳)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

پرانا سکھر
منگل، ۲۵ر دسمبر ۱۹۶۲ء

ایک بجے دن۔
آسمان کچھ ابر آلود

جلیل صاحب مکرم، سلام و رحمت

آج کی ڈاک ___ ماہ نو، ہم قلم اور قومی زبان، آپ کا کرم ___

صدق جدید کے پرچے محمد آباد (ضلع رحیم یار خاں) کے ایک نادیدہ مخلص دوست [سیّد انیس شاہ] جیلانی صاحب کی نوازش، ___ اور خطوط میں دہلی سے لالہ دوارکا داس، شعلہ لکھنؤ سے حکیم عبدالقوی صاحب (صدق جدید) محمد آباد سے جیلانی صاحب اور کراچی سے لطیف الرحمٰن صاحب صدیقی۔ یہ کچھ دیکھ کر اور پا کر جی خوش ہو گیا۔ [کیا آپ کے بھیجے ہوئے رسالے کسی کے ہاتھ آپ کو واپس بھیجے جائیں؟]

۳۰ر نومبر کے صدق جدید میں ''آئینۂ حیرت'' پر تبصرہ بھی تھا، ___ صرف ایک سطر مگر جامع و مانع، مولانا حضرت کا یہی بہت بڑا کرم ہے۔

کراچی سے ساجد میاں آئے ہوئے ہیں، اور منجھلی بیٹی (فرو) مگر مسرت کچھ اُدھوری رہی، اور وہ اس لیے کہ ابھی اپنا نہ گھر ہے نہ در، کراچی میں گزر سرِ دست نظر نہیں آتا، وہاں مکان ایک پرابلم، اس کے یہ معنی ہیں کہ ابھی یہیں رہنا ہوگا، چناں چہ اس فکر میں ہوں کہ کوئی موزوں مکان مل جائے ___ ایسا مکان جہاں بیٹی اور داماد بھی ساتھ رہ سکیں مگر کرائے یہاں بھی خدا کی پناہ 40/-,50/- سے کم نہیں مکان عام طور پر ہندوانہ، بیٹھک ندارد خدا کرے یہ مسئلہ جلد حل ہو جائے اور ہو جائے تو کاروبارِ حیرت تھوڑا بہت جاری ہو۔

کراچی میں مکان کی فکر آپ بھی رکھیں، ویسے میں نے فیض الرحمٰن صاحب کو بھی لکھا ہے، وہ بھی کچھ نہ کچھ دوڑ دھوپ کر رہے ہوں گے۔

ایک عریضہ اس سے پہلے لکھ چکا ہوں ملا ہوگا توجہ اس پر بھی فرمائیں۔

حاجی صاحب کھتوریہ کا کرم نامہ آیا تھا، جواب پیش کر چکا ہوں آج ہی ایک عریضہ مجنوؔں صاحب کو بھی لکھا ہے۔

میں جہاں مہمان ہوں وہاں بچہ بچہ صاحبِ محبت ہے لیکن مکان چوں کہ مردانہ نہیں ہے اس لیے نہ تخلیہ ہے نہ ملنے ملانے کی سہولت، خیر۔

دعا گو

حیرؔت

پسِ نوشت: یہ ترقی اردو بورڈ (جوش صاحب ملیح آبادی) بھی تو آپ ہی کے آس پاس ہوگا، سہولت ہو تو جوش صاحب تک میرا اسلام پہنچائیں، وہیں ایک قیصر صاحب مرادآبادی بھی ہیں، سلام ان تک بھی پہنچا دیں، قیصر صاحب کا پتا مجھے یاد نہیں، آپ بتائیں تو میں انھیں عریضہ لکھوں۔

(۵۴)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

پرانا سکھّر

بدھ ۲؍جنوری ۱۹۶۳ء

2.45pm

جلیل صاحب مکرم، السلام علیکم

تاریخ تو یاد نہیں، مگر اس سے پہلے بھی ایک عریضہ لکھ چکا ہوں، آپ کے بھیجے ہوئے ''ہم قلم''، ''ماہِ نو'' اور ''قومی زبان'' کی رسید کیا وہ عریضہ آپ کو نہیں ملا، اگر ملا ہے تو جواب کا منتظر ہوں۔

اُمید ہے کہ آپ نے جناب جوشؔ، جناب نیاؔز فتح پوری اور قیصر صاحب مرادآبادی تک سلامِ حیرؔت پہنچا دیا ہوگا قیصر صاحب کا پتا بھی لکھیے، تاکہ میں انھیں عریضہ لکھ سکوں پتا مولوی حامد حسن صاحب قادری بچھرایونی مدظلہٗ کا بھی مطلوب ہے ویسے میں نے آج انھیں ایک عریضہ لکھ دیا ہے مگر پتا صحیح صحیح یاد نہ تھا اس لیے خط خدا جانے انھیں ملے یا نہ ملے۔

اتنے دن سکھّر رہ کر یہ اندازہ ہوا کہ یہاں آرام ہے مگر کام نہیں، کراچی میں کام ہے مگر مکان نہیں، مجھے کام چاہیے، اس لیے خدا کرے کراچی ہی میں جلد کوئی گوشۂ عافیت نصیب ہو جائے اور ہو جائے، تو موجودہ تعطّل دور ہو یہ تعطّل تو اب بہت گراں گزر رہا ہے مکان کے لیے معلوم نہیں ہمارے فیض بھائی کیا کر رہے ہیں؟ اس سلسلے میں ان کا ایک خط تو آیا مگر پھر نہیں۔

دیکھنے کے لیے نومبر؍دسمبر کا ''نگار'' یہیں مل گیا، اکتوبر کا ''نگار'' جناب نیاز فتح پوری ارسال فرمائیں۔

دعا گو

حیرت

(۵۵)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

پرانا سکھر۔ جمعہ (شب برأت)
۱۱/جنوری ۱۹۶۳ء، ۱۱/ بجے صبح

جلیل صاحب مکرّم، سلام و رحمت

ابھی ابھی آپ کا خط ملا۔ ۱۰/جنوری کا خط۔ آپ نے یہ نہیں لکھا کہ آپ کا یہ کارڈ کس تاریخ کے عریضۂ حیرت کا جواب ہے، ___ غالباً ۲/جنوری کے خط کی رسید، اس دوران میں مجھے ''قومی زبان'' (دسمبر) تو ضرور ملا، مگر ''کتابی دنیا'' کا وہ شمارہ نہیں، جس میں آئینۂ حیرت پر تبصرہ تھا، اس شمارے کے لیے میں نے آج برنی صاحب کو لکھا ہے، ''کتابی دنیا'' کا پورا پتا یاد نہیں، جتنا یاد تھا لکھ دیا۔

''العلم'' کا ایک پرچہ جس میں آپ کا مضمون تھا، مجھے لاہور میں ملا تھا، جہاں تک مجھے یاد ہے میں نے اس کی رسید بھیج دی تھی، اور اس پر اپنا تاثرّ بھی، مگر اب یاد نہیں کہ وہ کیا تھا۔

''کام'' سے مراد کراچی میں بسر اوقات کے لیے کچھ پیدا کرنا ہے، مثلاً کسی انگریزی کتاب کی، کسی علمی ادارے سے اُردو میں ترجمے کی خدمت، کسی کتاب کی پروف ریڈنگ، ریڈیو پر کبھی کبھی کوئی غزل، کوئی ٹیوشن وغیرہ۔ مگر یہ تو جب ہو جب کراچی میں رہنے کی جگہ ملے۔ خیر، کبھی تو ملے گی، مجھے آپ کا وہ خط نہیں ملا، جس میں ''ترقی اردو بورڈ'' کا پتا ہوگا، شاید آپ کے توسط سے میرا اسلام جناب جوشؔ ملیح آبادی، اور قیصر صاحب مراد آبادی تک نہیں پہنچا، اگر پہنچ گیا ہوتا، تو کم از کم قیصر صاحب تو ضرور خط لکھتے، ''نگار'' والوں سے رسم نہ سہی، مگر وہاں ٹیلیفون تو ہوگا، آپ کہیں سے ٹیلیفون ہی کر دیتے۔

''قومی زبان'' میں ''غالب کا فکر و فن'' پر آپ کا تبصرہ دیکھا، احقر کے نزدیک تو غالب بدرجۂ غالب دماغی شاعر تھے، دل کے شاعر، کبھی کبھار، میرؔ اپنی 'پرگوئی سے الگ' البتہ دل ہی دل کے شاعر تھے۔ اقبالؒ دل و دماغ دونوں' ___ یہ رُتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا۔

دعا گو

حیرت

(۵۶)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

پرانا سکھّر

جمعرات، ۲۸/فروری، ۱۹۶۳ء

۱۱ بجے صبح، موسم کھلا

جلیل صاحب مکرم، سلام ورحمت

یہ عریضہ آپ کے ۲۳/فروری کے کرم نامے کی رسید ہے۔

روزے کی برکتیں روزہ داروں کا حصہ ہیں، یا حق، مگر یہ بیمار اس فہرست میں برسوں سے نہیں، نہ معلوم اس محرومی سے نجات کب ملے گی۔

''قومی زبان'' (۱۵/جنوری یکم فروری) مل گیا، آپ کا کرم آپ کا احسان۔ ''العلم'' کی ضرورت اس لیے نہیں کہ یہیں ایک کرم فرما کی عنایت سے مل جاتا ہے۔ آپ کا بھیجا ہوا وہ ''کتابی دنیا'' بھی مل گیا تھا۔

دو ہفتے سے پھر زیرِ علاج ہوں، ڈاکٹری علاج کل تک ۱۱۴ انجیکشن لگ چکے دو تین قسم کی دوائیں بھی چل رہی ہیں اور روغن زیتون سے ٹانگوں کی مالش بھی قدرے قلیل فائدہ بھی ہے خدا کرے اور بڑھے اور بڑھے۔

اس عید پر ساجد اور بڑی اور منجھلی بیٹیاں اور داماد سب سامنے تھے یہ اور بات ہے کہ حبیب تنگ ہے بہت تنگ، پنشن کے لیے AGPR کو امروز فردا میں درخواست بھیجنے والا ہوں، اور اس کی ایک نقل بدرالدین احمد صاحب کو اب کچھ دن سے بدرالدین صاحب سے ربط قائم ہے اور ان کا یہاں تک کرم کہ پنشن تو جب ملے گی ملے گی انھوں نے مجھے دو سو روپے اپنے پاس سے بھیج دیے تھے۔

مستقل قیام کے لیے کراچی ہی بہتر ہے، سکھر کی گرمی بیوی صاحب شاید ہی برداشت کر پائیں، ابھی سے گھبرا رہی ہیں، خدا کرے کراچی کے احباب کی کوشش سے وہاں جلد کوئی مکان مل جائے، اور مل جائے تو یکسوئی نصیب ہو ابھی تک کاروبارِ حیرت سب معطل ہی ہے۔

مجنوں صاحب کا سلام قبول فرمائیں۔

دعا گو
حیرتؔ

پتا۔ حیرتؔ، معرفت جناب محمد یوسف صاحب جھالاواڑی
مکان نمبر ۱۱۵۵/A (بالائی منزل)، گلی بھاٹیہ
نزد ڈاک خانہ، پرانا سکھّر (سندھ)

(۵۷)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

پرانا سکھر
جمعرات، ۱۴؍مارچ ۱۹۶۳ء
۱؍بجے دن

جلیل صاحب مکرم، سلام ورحمت

آپ کے تازہ کرم نامے کی رسید، ''العلم'' مل گیا، حضرتِ جگر پر آپ کے مضمون کی یہ دوسری قسط تھی لطف ہی لطف خاصے کی چیز۔

''قومی زبان'' پہلے بھی ملا تھا، اب پھر ملا، اس کرم کا بھی دلی شکریہ۔

کبھی فرصت ہو اور جی چاہے تو حیرتؔ پر بھی اپنا تاثر لکھ ڈالیں، اس بارے میں اپنا احساس یہ ہے کہ:

حیرتؔ ان کے لطف و کرم سے
ہیں محروم ہمیں کچھ اب تک

اور ہاں آخر آپ نے بھی پوچھ ہی لیا کہ مکان کے نفر کے لیے چاہیے مگر شاید میں پہلے ہی لکھ چکا ہوں کہ ہم کل چار نفر ہیں، زیادہ سے زیادہ پانچ مکان میں کم سے کم دو کمرے تو ہوں اور بجلی پانی ___ کرایہ -/70-75 سے زیادہ گوارا نہ ہو سکے گا اور وہ بھی پیشگی نہیں ماہ بماہ پھر وہ بھی میں کچھ پیدا کر کے ہی دے سکوں گا وہ ٹیوشن سے ہو یا کسی ادبی خدمت کی راہ سے، لیکن ظاہر ہے کہ وہ بھی وہاں آ جانے پر کچھ صبر کے بعد ہی مل سکے گا ___ خدا کرے یہ مشکل اب تو حل ہو جائے، موجودہ تعطل اور خانہ بدوشی سے بہت تنگ آ چکا ہوں اب تو ایک ایک دن بھاری ہے کیا خبر تھی کہ یہ عبوری دور اتنا طویل ہو جائے گا۔

دعا گو
عبدالمجید حیرتؔ

معرفت جناب محمد یوسف صاحب جھالاواڑی
مکان نمبر ۱۱۵۵/A (بالائی منزل)، گلی بھاٹیہ
نزد ڈاک خانہ، پرانا سکھر (سندھ)

---

(۵۸)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

5/8, Bizarta Line, Karachi 4
سنیچر، ۱۳؍اپریل ۱۹۶۳ء

جلیل صاحب مکرم۔ السلام علیکم

کراچی وارد ہوں اور اوپر کے پتے پر لطیف الرحمٰن صاحب صدیقی کے یہاں مقیم تا آنکہ بہ تائیدِ ایزدی کوئی گھر در مل جائے۔

صدیقی صاحب ہی کی بدولت کل شام جناب واحدی کے یہاں تھا، اس پروگرام میں آپ بھی شامل تھے مگر راستے ہی میں اتنی دیر ہوگئی کہ آپ تک نہ پہنچ سکا۔ یہ تمام سفر کار سے ہوا اور کار ایک صدیقی صاحب نے اپنے کسی دوست سے لے لی تھی کار نہ ہوتی تو ''بس وغیرہ تو میرے بس سے باہر کی بات تھی، بہرحال آپ سے ملنے کو جی بہت چاہتا ہے لیکن اب آپ ہی کوئی فرصت نکال کر کسی دن آ ملیں، تو سبحان اللہ۔ مضائقہ نہ ہو تو اپنی آمد کی اطلاع پہلے سے ایک کارڈ لکھ کر دے دیں تاکہ اگر کوئی صاحب مجھے کہیں لے جاتے ہوں تو میں اُس وقت نہ جاؤں۔

نیازمند

عبدالمجید حیرتؔ

(۵۹)

[پوسٹ کارڈ]

۸۶؍

عبدالمجید حیرتؔ، کمرہ نمبر۱
درگاہ حضرت شاہ عبداللہ صاحب بخاریؒ
کلفٹن کراچی (نمبر آپ معلوم کرلیں)
جمعہ، ۲۶؍اپریل ۱۹۶۳ء
۱۰؍بجے صبح

جلیل صاحب مکرّم۔ السلام علیکم

میں پرسوں شام سے یہاں وارد ہوں، یہاں آنا بھی مقدر تھا سو ہوا یہاں یہ تو معلوم ہے کہ پڑھانا ہے مگر ابھی یہ معلوم نہیں کہ کسے پڑھانا ہے کیا پڑھانا ہے اور کب، پیسے تو جب ملیں گے، جب یہ سلسلہ شروع ہو جائے، اور اس پر ایک مہینہ گزر جائے۔

یہ جگہ خوش منظر ہے اُس پر سمندر مگر چوں کہ الگ تھلگ ہے اس لیے حیرت سے ملنے کوئی ارادہ کر کے ہی آئے گا خدا کرے رہنے کے لیے کوئی جگہ اندرونِ شہر ہی مل جائے کوشش یہ بھی ہو رہی ہے، خدا کامیاب کرے۔

آج جمعہ ہے صدیقی صاحب جناب واحدی کے یہاں آئے ہوں گے میں اُنھیں ''آئینۂ حیرت'' دے آیا تھا، کہ آپ تک پہنچا دیں اور وہ Keyno Year Insurance Knowledge جس پر میں موجودہ حالات میں کوئی محنت نہیں کر سکا مگر برادرِ مکرم کوئی کام دینا ہی ہو تو اتنا آسان دیجیے کہ Off hand بھی ہو سکے، مجھ غریب کے پاس تو یہاں کوئی معمولی ڈکشنری بھی نہیں، رام پور

میں مانگے تانگے کا اُجالا تھا سو وہ وہیں ختم ہوا۔

آپ نے مجھے ''العلم'' دیا تھا میں نے اسے بھی واپس کیا ہے یہ رسالہ آپ مجھے سکھّر بھیج چکے تھے سکھّر سے واپس یہاں مل گیا۔

جناب واحدی کی خدمت میں ہدیۂ سلام یہاں آ کر تو آپ سے اور مولانا واحدی سے فاصلہ اور بڑھ گیا مگر خیر، ایں ہم اندر عاشقی...

دعا گو

عبدالمجید حیرتؔ

(۶۰)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

پتا کمرہ نمبر ا، درگاہ حضرت سیّد عبداللہ شاہ غازی بخاریؒ

کلفٹن، کراچی

بدھ، یکم مئی ۱۹۶۳ء

جلیل صاحب مکرم، السلام وعلیکم

میں ۲۴/ سے یہاں ہوں، آپ کا ۲۶/اپریل کا کارڈ صدیقی صاحب کے یہاں پہنچا، پڑا رہا، اور مجھے آج ملا، صدیقی صاحب آئے تھے یہ اور دوسرے خطوط بھی لیتے آئے۔

انشورنس کے وہ ضوابط میں صدیقی صاحب کے سپرد کر آیا تھا، اور کہہ آیا تھا کہ وہ جب جمعے کو (۲۶/اپریل) واحدی صاحب کے یہاں جائیں، تو اُسے آپ تک پہنچا دیں۔ آج ان سے معلوم ہوا کہ وہ اس جمعے کو واحدی صاحب کے یہاں گئے ہی نہیں، مگر پرسوں جمعے کو جائیں گے، میں نے پھر تاکید کر دی ہے کہ وہ کتابچہ لیتے جائیں اور آپ کو پہنچا دیں، یا پھر اسی روز شام آپ کو واحدی صاحب کے یہاں کسی کو بھیج کر منگوالیں۔

میں یہ کام کر نہیں پایا کر نہیں سکا، اس کا تو افسوس نہیں، مگر یہ افسوس ضرور ہے کہ کتاب کی واپسی میں اتنی دیر ہوگئی آپ کا بڑا حرج ہوا مگر میں بھی کیا کروں کہ میں بھی سکون و عافیت سے نہیں تھا۔ برابر ہلچل ہی میں رہا، منگل کو کلفٹن آنے والا تھا کہ صبح ڈاک میں گلاسگو سے صدیقی صاحب کے بڑے صاحبزادے خالد میاں کی المناک رحلت کی خبر ملی، چناں چہ میں پھر اگلے دن بدھ کو کلفٹن آیا، اس خبر سے یہ سارا گھر ماتم کدہ تھا اور ہے ___ ایں ماتم سخت است کہ گویند جواں مرد۔ اِنَّاللّٰہِ ثُمّ اِنَّاللّٰہ۔

میں اب کلفٹن میں ہوں اور بحمداللہ آرام سے ہوں مگر آپ سے فاصلہ شاید کچھ اور بڑھ گیا لیکن یہاں تو فاصلے ناگزیر ہیں، کسی دن ضرور آیئے، سیدھے درگاہ مزار تو پہاڑی پر ہے پشت پر درگاہ ہے اور یہیں دوسری منزل پر خاکسار کا کمرہ ہے۔ یہ سب اللہ کا

کرم ہے اور بدرالدین احمد صاحب کی توجہ کا نتیجہ۔

ابوالخیر صاحب کشفی جس ماتم میں ہیں مجھے اس کی خبر اگلے ہی دن ’’جنگ‘‘ سے ہوگئی تھی بڑا قلق ہوا، واقف نہیں ہوں، ورنہ عریضہ لکھتا۔

میرے لیے جب تک کار نہ ہو آپ تک پہنچنا مشکل ہے لیکن آپ کے لیے یہاں آنا کچھ ایسا مشکل نہیں۔

گھر میں آداب کہیے، بچوں کو دعا۔

دعا گو
حیرتؔ

(۶۱)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

کلفٹن، درگاہ حضرت سیّد عبداللہ شاہ غازی بخاریؒ
کراچی
پیر ۶ رمئی ۱۹۶۳ء، ۳ ربجے دن

جلیل صاحب مکرّم۔ سلام و رحمت

یکم مئی کے عریضے کے بعد آج ایک عریضہ اور، اور یہ آپ کے ۳۰ راپریل کے کرم نامے کی رسید بھی ہے۔

ابھی ابھی کچھ دیر ہوئی صدیقی صاحب، بدرالدین احمد صاحب، قاضی صاحب، کرنل نذیر احمد صاحب یہیں تھے، سب ملاقاتیں مسرت ہی مسرت صدیقی صاحب کہتے تھے کہ کل (منگل) شام صدیقی صاحب پھر آئیں گے اور ان کے ساتھ جنابِ واحدی مدظلہٗ بھی ہوں گے ___ بہت ممکن ہے آپ بھی ہوں۔ صدیقی صاحب نے تو نہیں کہا مگر یہ میرا خیال ہے۔

صدیقی صاحب سے معلوم ہوا کہ اُنھوں نے ’’انشورنس‘‘ والا وہ کتابچہ آپ کو پہنچا دیا ہے، اور ایک جلد ’’آئینۂ حیرتؔ‘‘...... ’’ڈان‘‘ میں تبصرے کے لیے، جب اس تبصرے کی نوبت آئے تو اس میں یہ بھی ہو کہ:

The book can be head on Requirementfrom the Maktaba ALHASANAT Rampur (U.P) The Price of the book (Rs.2.31 N.P) Should be sent in advance by money order to Mr. Abdul Majeed Hairat, Dargah Hazrat Abdulla Shah Ghazi Bukhari Clifton, Karachi

ایک دفعہ اور یہ معذرت کہ ’’انشورنس‘‘ کا وہ ترجمہ بروقت نہ ہو سکا، بلکہ کتاب بھی بڑی تاخیر کے ساتھ واپس ہوئی۔

دعا گو

عبدالمجید حیرتؔ

(۶۲)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

کلفٹن، درگاہ حضرت سیّد عبداللہ شاہ غازی بخاریؒ
کراچی
منگل، ۱۴/ مئی ۱۹۶۳ء۔ ۱/ بجے دن

جلیل صاحب مکرّم۔ سلام و رحمت

ملاقات کب ہوگی؟ اس کے لیے کوئی وقت ضرور نکالیں۔

احقر کے ایک مخلص دوست کو جو آپ کے بھی مداح ہیں ''خطوط بابائے اردو بنام جلیل قدائی'' کی ضرورت ہے، یہ خطوط ''نئی قدریں'' میں ۱۹۶۲ء میں نکلے تھے۔ سوال یہ ہے کہ یہ خطوط ان تک کیوں کر پہنچیں؟ ان مخلص دوست کا نام بھی سن لیجیے۔ نام ہے سیّد انیس شاہ جیلانی محمد آباد ڈاک خانہ سنجر پور ضلع رحیم یار خان ___ یہی جیلانی صاحب یہ بھی چاہتے ہیں کہ ''گالی'' کے موضوع پر کوئی مضمون کوئی مقالہ کوئی کتاب یا کتابچہ اگر کبھی نکلا ہو تو وہ بھی انھیں مل جائے مجھے تو اس چیز کا مطلق علم نہیں شاید آپ کو ہو۔

جیلانی صاحب نے آپ کو سلام بھی لکھا ہے قبول فرمائیں۔

ممکن ہو تو کرنے کے لیے کوئی کام دیجیے مگر آسان مجھ خانہ بدوش کے پاس کوئی Book of Reference بھی تو نہیں ہے۔

"DAWN" میں ''آئینۂ حیرت'' پر جب آپ کا تبصرہ نکلے، مجھے بھی مطلع فرمائیں۔

آپ نے اپنے ذمے بہت سے کام لے رکھے ہیں، اور سب دماغی مگر میں نے آپ کی صحت کو اتنا ہی مضبوط نہیں پایا، اس لیے اب کام کچھ کم کیجیے اور آرام زیادہ صحت بہر حال مقدم ہے، میں صحت کی طرف بے۔ توجہی کی پاداش بھگت رہا ہوں، من نہ کردم شما حذر بکنید''۔

گھر میں آداب و سلام

دعا گو

عبدالمجید حیرتؔ

اگلے ''العلم'' کا انتظار رہے گا۔

(۶۳)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

کلفٹن، درگاہ حضرت سیّد عبداللہ شاہ غازی بخاریؒ
کراچی
بدھ، ۱۵؍ مئی ۱۹۶۳ء۔ ۲ بجے دن

جلیل صاحب مکرّم، السلام علیکم

ابھی ابھی آپ کا لفافہ ملا، اُدھر آپ کو میرا کل کا لکھا ہوا، عریضہ ملا ہوگا۔

آپ کے خط کے ساتھ آپ کے اسکول کا دعوت نامہ بھی تھا، مگر میں کچھ ایسا دکھی ہوں کہ کہیں جانے کے نام سے بھی گھبراتا ہوں، الّا یہ کہ کوئی مارے باندھے لے جائے مگر اس سے فائدہ؟

اگر آپ کے اسکول میں ذریعۂ تعلیم انگریزی ہے تو مضائقہ نیست ایک طریق تعلیم یہ بھی سہی مگر زور اس پر بھی دیا جائے کہ فکر و نظر اور تہذیب و تمدن میں بچوں پر اسلامی رنگ غالب ہو، ورنہ آپ تو جانتے ہی ہیں کہ:

''دل بدل جاتے ہیں تعلیم بدل جانے سے''

اُس ''انشورنس'' کے مضمون کا بروقت ترجمے نہ ہونے سے آپ کو جو کوفت ہوئی اور شرمندگی مجھے بھی اس کا بڑا رنج ہے خیر آیندہ را احتیاط۔ آپ بھی کریں اور میں بھی۔

شکریہ کہ ''آئینۂ حیرت'' پر آپ نے اپنا تبصرہ "DAWN" میں بھیج دیا میں بھی خیال رکھوں گا کہ جب شایع ہو دیکھ لوں۔

جب سے رامپور چھوڑا میرے ساتھ ابھی عبوری دور ہی چل رہا ہے مگر میں کلفٹن میں قیام کا مخالف تو نہیں تھا، آنے سے پہلے کچھ معلومات چاہتا تھا اور جب وہ سامنے آ گئیں تو میں بلا پس و پیش یہاں آ گیا، اُمید ہے کہ دیر سویر سے اسی اوقافی راہ سے کوئی زنانہ مکان بھی مل جائے گا۔

کارساز ما بہ فکرِ کارِ ما

جلیلؔ صاحب کیا کسی معقول زیرِ طبع اردو یا انگریزی کتاب کا پروف ریڈنگ نہیں مل سکتا یا کسی فکری تاریخی نوعیت کی کسی انگریزی کتاب کا ترجمہ؟ سوچیے۔

دعا گو
عبدالمجید حیرتؔ

پس نوشت۔ آج سے ۱۷ مئی تک یہاں بھی حضرت غازی بابا صاحبؒ کا عرس ہے۔ خاصہ ہنگامہ رہے گا۔ پروگرام اخبارات میں آپ نے بھی دیکھا ہوگا۔

(۶۴)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

کلفٹن، درگاہ حضرت سیّد عبداللہ شاہ غازی بخاریؒ

کراچی

جمعہ، ۲۴؍ مئی ۱۹۶۳ء، ۱ بجے دن

جلیل صاحب مکرّم۔ سلام و رحمت

ایک عریضہ اس سے پہلے بھی لکھ چکا ہوں اس میں یہ استفسار تھا کہ ''گالی'' کے موضوع پر اگر آپ کے علم میں کسی کا کوئی مضمون ہو یا کتاب تو اس سے مطلع فرمائیں، آج انھی کرم فرما نے جن کا وہ سوال تھا ایک فرمائش اور کر دی ہے وہ یہ کہ:

''جلیل صاحب قدوائی نے مکتوبات عبدالحق مرتب فرمائے ہیں قیمت -/12 روپے اگر چند دن کے لیے عاریتاً کہیں سے مل سکیں تو بھجوائیے جلد ممکن ہو سکے تو اچھا، بہ صورتِ دیگر خریدنا پڑیں گے''۔

اس فرمائش کا جو جواب آپ مناسب سمجھیں مجھے لکھ بھیجیں میں ان تک پہنچا دوں گا۔ اتنا ضرور خیال رکھیں کہ مجھے یہ دوست اور ان کی خاطر بہت عزیز ہے مجھ میں اتنی سکت نہیں ورنہ کتاب خریدتا اور ان کی نذر کر دیتا۔

نعت کی وہ فرمائش میرے بس کی نہیں، فرمائش پر کچھ کہہ بھی نہیں سکتا، موڈی آدمی جو ٹھیرا، ابھی ابھی یہ شعر زبان پر جاری ہو گیا:

توفیق فکر کاش ہو یہ بھی ذرا ہمیں؟ مصرع ابھی جچا نہیں

اے کاش یہ بھی فکر و نظر ہو عطا ہمیں
کس کس طرح نواز رہا ہے خدا ہمیں

آپ نے ۱۱؍ مئی کا ''نوائے وقت'' دیکھا؟ اس شمارے میں قبلہ جناب واحدی نے ازراہِ محبت و اخلاص خاکسار کا ذکر فرمایا ہے، مگر مندرجہ غزل میں ایک کام کا شعر چھوٹ گیا۔ یہ شعر:

اک بات ہے کہ جس سے مجھے اختلاف ہے
کچھ ان کی ذات سے تو عداوت نہیں مجھے

دعا گو

عبدالمجید حیرتؔ

ایک شعر اور

بالفرض سوچیے بھی تو کیا اس سے فائدہ

چاہا تھا کیا کسی سے مگر کیا ملا ہمیں

پس نوشت: سوچیے اور ہو سکے تو کسی انگریزی کتاب کا ترجمہ تجویز کیجیے یا کسی انگریزی یا اردو کتاب کا پروف ریڈنگ یا کسی کتابی مسودے کی تصحیح زبان

(۶۵)

[پوسٹ کارڈ]

۷۸۶

کلفٹن، درگاہ حضرت سیّد عبداللہ شاہ غازی بخاری
کراچی

بدھ، ۱۲؍جون ۱۹۶۳ء۔ ۴؍بجے شام

جلیل صاحب مکرّم۔ السلام علیکم

''ڈان'' میں ''آئینۂ حیرت'' پر آپ کے تبصرے کا تراشا مل چکا ہے، بلکہ ''ڈان'' کے دفتر سے بھی، تبصرہ ماشاء اللہ جی خوش ہوگیا آپ کا اخلاص آپ کی محبت۔

مگر آپ نے عریضہ ہائے حیرتؔ ۱۴؍ اور ۲۴؍ مئی پر توجہ نہیں فرمائی، آپ کو ابھی ''گالی'' کا جواب دینا ہے اور یہ بتانا ہے کہ بابائے اردو کے وہ خطوط جنھیں آپ نے مرتب کیا ہے کہاں سے کیوں کر اور کس رعایت کے ساتھ مل سکیں گے، محمد آباد سے جن محبّ مخلص کی یہ فرمائش ہے مجھے ان کو جواب دینا ہے۔ سابقہ عریضوں میں کچھ اور باتیں بھی تھیں توجہ اُن پر بھی فرمائیں۔

جناب سیّد حسن ریاض بلند شہری کو آپ جانتے ہوں گے کل شام اُن سے بھی ملاقات ہوگئی۔ برسوں بعد ملے مسّرت ہی مسّرت۔

تازہ ''العلم'' دیکھنے کا بھی اشتیاق ہے حضرتِ جگر (نور اللہ مرقدہٗ) پر آپ کا وہ مضمون تو ابھی چل رہا ہے نا؟

جی یہ بھی چاہتا ہے کہ آپ سے ملاقات ہو اور ہوتی رہے۔

نیازمند
عبدالمجید حیرتؔ

پسِ نوشت۔ جنابِ واحدی مدظلہٗ سے ملاقات ہو تو احقر کا سلام پہنچائیں یا کسی سے کہلا بھیجیں انھیں یہ اطلاع دیں یا لکھ کر بھیج دیں کہ تفسیر ماجدی کے اوّل پانچ پارے مجھے صدیقی صاحب سے مل گئے تھے۔

حواشی

۱؎ حیرتؔ شملوی کے حالات وکوائف مندرجہ ذیل کتابوں سے ملخصاً پیش کیے گئے ہیں:

- جلیلؔ قدوائی: چند اکابر، چند معاصر، ۱۹۷۷ء، کراچی۔
- سیّد انیس شاہ جیلانی: ’’آدمی غنیمت ہے‘‘ ۱۹۹۶ء، حیرت شملوی اکادمی، محمود آباد، تحصیل صادق آباد۔
- احمد حسین صدیقی: ’’دبستانوں کا دبستانِ کراچی‘‘، جلد سوم، ۲۰۱۰ء، طابع فضلی سنز، کراچی۔
- ڈاکٹر منیر احمد سلیچ مؤلف ’’وفیاتِ ناموران پاکستان‘‘، ۲۰۰۶ء، ۳۲، اردو سائنس بورڈ۔

۲؎ جلیلؔ قدوائی کے حالات وتعارف کے لیے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب: ’’جلیل قدوائی: شخصّیت اور فن‘‘، ۱۹۹۱ء، کراچی، رفاء پبلی کیشنز۔

۳؎ جلیلؔ قدوائی: ’’چند اکابر، چند معاصر‘‘، ۱۹۷۷ء، کراچی، ادارۂ نگارش ومطبوعات، ص ۱۹۵۔

۴؎ بحوالہ ایضاً، ص ۱۹۶۔

۵؎ حیرتؔ کے تمام اصل خطوط جناب جلیل قدوائی نے راقم سطور کو عطا کیے تھے۔ جب کہ جلیلؔ قدوائی کے خطوط بیاضِ حیرتؔ سے سید انیس شاہ جیلانی نے نقل کر کے فوٹو اسٹیٹ کی صورت میں عطا کیے ہیں۔ جس کے لیے راقم ان کا شکر گزار رہے۔

خطوط

خط نمبر ۱:

۱؎ یہ انجمن ترقی اُردو کا رسالہ [۱۹۴۹ء تا ۱۹۵۴ء] تھا۔ اس کے مدیر جناب محمد احمد سبزواری [ولادت: ۱۹۱۳ء بھوپال] تھے۔ موصوف ہمارے بزرگ ترین ادیب ہیں۔ آج بھی ’’قومی زبان‘‘ کراچی میں اپنے وقیع تبصروں سے مستفید فرما رہے ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے ’’دبستانوں کا دبستان‘‘، کراچی از احمد حسین صدیقی (جلد دوم)، کراچی۔

۲؎ ہفت روزہ ’’نمکدان‘‘ کراچی، معروف مزاح نگار مجید لاہوری (متوفی ۱۹۵۷ء) اس کے مدیر تھے۔

۳؎ زیباؔ ردولوی۔ آپ کا اصل نام سیّد علی حسنین رضوی (۱۹۰۸ء۔۱۹۶۸ء) ولد سیّد محمد حسنین رضوی تھا۔ آپ جلیلؔ قدوائی کے ساتھ پریس انفارمیشن ڈپارٹمنٹ میں اسسٹنٹ انفارمیشن آفیسر تھے اور بقول جلیلؔ قدوائی: ’’پختہ اور کام یاب شاعر تھے اور نقدِ شعر وادب کا بڑا پاکیزہ مذاق رکھتے تھے۔ اُردو کے بڑے مشّاق اور کام یاب مترجم بھی تھے‘‘۔ (چند اور اکابر، چند اور معاصر ۱۹۹۳ء کراچی، راس مسعود سوسائٹی، ص ۹۴، کا حاشیہ)

۴؎ سیّد محمد جعفری (۱۹۱۷ء۔۱۹۷۶ء) معروف مزاحیہ وطنزیہ شاعر، بعد از وفات آپ کا کلام ’’شوخیِ تحریر‘‘ کے نام سے شائع ہوا۔ تفصیلات مزید کے لیے ملاحظہ ہو: ’’دبستانوں کا دبستان‘‘، جلد اوّل، احمد حسین صدیقی، ۲۰۰۳ء، محمد حسین اکیڈمی، کراچی۔

خط نمبر ۳

۱؎ ’’ماہِ نو‘‘، کراچی

۲؎ ناموّر مؤرخ ومترجم، صاحبِ طرز ادیب وشاعر، مولوی سیّد ہاشمی فرید آبادی (۱۸۹۰ء۔۱۹۶۴ء) فرید آباد میں نواب احمد شفیع فرید آبادی کے ہاں پیدا ہوئے۔ اور لاہور میں وفات پائی۔ آپ نے ’’تاریخِ یونان قدیم‘‘ ’’مشاہیر یونان وروما‘‘، ’’تاریخِ ملّتِ عربی، (حطّی)‘‘ ’’تاریخِ مسلمانانِ پاکستان و بھارت‘‘ اور ’’مآثرِ لاہور‘‘ جیسی کتابیں مرتّب کیں۔ اور ’’کالی ناگن‘‘ اور ’’چل بُلقان چل‘‘ جیسی شہرت یافتہ نظمیں لکھیں۔ [بحوالہ جلیلؔ قدوائی ’’انشائے ہاشمی‘‘ ۱۹۹۲ء، راس مسعود سوسائٹی، کراچی]۔

۳؎ نواب جعفر علی خاں اثرؔ لکھنوی، معروف شاعر، نقّاد، لُغت نگار، حضرت عزیزؔ لکھنوی کے شاگرد تھے۔ نیز ’’اثر کے تنقیدی مضامین‘‘، ’’اثرستان‘‘ اور کلیات ’’بہاراں‘‘ کے مصنّف۔

۴؎ مالک رام۔ ولادت موضع پھالیہ ضلع گجرات، ۱۹۰۶ء۔ انتقال نئی دہلی، ۱۹۹۳ء۔ آپ کی تصنیفات وتالیفات کی فہرست پچاس کے قریب پہنچتی

ہے۔ مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ کریں: ''قومی زبان''، کراچی مالک رام نمبر، اپریل ۱۹۹۴ء۔

۵؎ پروفیسر ڈاکٹر سیّد وزیر الحسن عابدی فارسی زبان و ادب کے ممتاز اسکالر، استاد، مصنّف، مترجم اور پنجاب یونی ورسٹی اورینٹل کالج لاہور کے سابق پروفیسر تھے۔ آپ ۲۵/ دسمبر ۱۹۴۱ء کو بہ مقام پیدی ضلع بجنور میں پیدا ہوئے۔ ۲۹/ جون ۱۹۷۹ء کو لاہور میں وفات پائی۔ میانی صاحب لاہور جائے مدفن ہے۔ [بہ حوالہ وفیاتِ ناموران پاکستان، از ڈاکٹر منیر احمد سلیچ، ۲۰۰۶ء، لاہور]

خط نمبر ۴

۱؎ اسدؔ ملتانی: (۱۹۰۲ء۔۱۹۵۹ء) اصل نام محمد اسد خاں ابن غلام قادر خاں تخلص اسدؔ، پیدائش ملتان، وفات راول پنڈی، بحوالہ: ''ہمارے اہلِ قلم''، از زاہد حسین انجم، لاہور۔

۲؎ حیرتؔ شملوی کے مجموعۂ کلام کا ذکر ہے۔

۳؎ اُس زمانے میں جلیلؔ قدوائی ''ماہِ نو'' کراچی کے نگراں تھے۔ اسی لیے رسالے کو خوب سے خوب تر بنانے کے لیے حیرت نے یہ تجویز پیش کی تھی۔

خط نمبر ۵:

۱؎ سہ ماہی ''اُردو''، کراچی۔

۲؎ نواب صدیق علی خاں۔

۳؎ حاجی اسحاق سیٹھ سابق رکن ایم ایل اے (مرکزی) ہندوستان، ''مسلم ہوٹل'' شملہ میں نواب صدیق علی خاں (سابق ایم ایل اے مرکزی) کے ساتھ یکجا قیام ہوتا تھا۔ چناں چہ یہیں نواب صاحب کے کمرے پر کبھی کبھی شعر و سخن کی محفلیں منعقد ہوا کرتی تھیں جن میں حضرت جلیلؔ قدوائی، اسدؔ ملتانی وغیرہم شریک ہوا کرتے تھے''۔ [بہ حوالہ ملخصاً از حاشیۂ حیرت شملوی بر مکتوبِ جلیلؔ محررہ ۲۴/ اکتوبر ۱۹۵۰ء غیر مطبوعہ مخزونہ مبارک اُردو لائبریری محمد آباد، تحصیل صادق آباد]

خط نمبر ۶:

۱؎ سیّد علی حسنین رضوی زیبؔا ردولوی۔

۲؎ سیّد محمد جعفری۔

۳؎ اسد ملتانی۔

۴؎ حیرت شملوی کی تحریر۔

۵؎ غالباً محکمۂ اطلاعات کا پرچہ ہوگا۔ اُس زمانے میں جلیلؔ قدوائی وہیں تھے۔

خط نمبر ۷:

۱؎ معروف شاعر، نقّاد، محقق اور مترجم رفیق خاور (۱۹۰۸ء۔۱۹۹۰ء) کا اصل نام محمد رفیق حسین ہے۔ وزارتِ اطلاعات میں ڈپٹی ڈائریکٹر رہے۔ ''ماہِ نو'' کراچی کے نائب مدیر اور پھر مدیر بھی رہے۔ سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہو کر ''اُردو لغت بورڈ'' سے منسلک ہو گئے۔ آپ کی کتابوں میں ''اُردو تھیسارس''، ''خاقانی ہند''، ''اقبال اور اس کا پیغام'' اور ''حرفِ نشاط آور'' (فارسی نظم) قابلِ ذکر ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے رجوع کیجیے: ''دبستانوں کا دبستان''، کراچی، احمد حسین صدیقی (جلد دوم)، کراچی۔

۲؎ ملاحظہ ہو خط نمبر ۱ کا حاشیہ نمبر ۳

۳؎ سیّد محمد جعفری

۴؎ پروفیسر شجاع احمد زیبؔا (۱۹۲۲ء۔۱۹۹۵ء) امروہہ میں پیدا ہوئے۔ کراچی میں وفات پائی۔ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کے تعلیم یافتہ تھے اور اسی کے

شعبۂ اُردو میں لیکچرر بھی ہوئے۔ ۱۹۴۸ء میں کراچی آ گئے۔ ''ڈان'' اور ''امروز'' سے بھی وابستہ رہے۔ بعد ازاں مختلف کالجوں میں پڑھاتے رہے۔ بابائے اُردو کے رفیق تھے۔ راس مسعود سوسائٹی اور آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کے رکن رہے۔

خط نمبر ۱۵:

۱۔ جلیل کے والد شیخ ممتاز احمد قدوائی کی رحلت کا ذکر ہے۔

خط نمبر ۲۵:

۱۔ بیگم ہرمزی جلیل قدوائی مراد ہیں۔

۲۔ کراچی تا راولپنڈی

خط نمبر ۲۹:

۱۔ اورنگی ہلز اسکول، نارتھ ناظم آباد، کراچی، زیرِ انتظام سر راس مسعود سوسائٹی، پاکستان۔

۲۔ یہ خط ۱۹/جنوری ۱۹۶۱ء کا لکھا ہوا ہے مگر یہاں ۲۰/ستمبر ۱۹۶۱ء درج ہے۔ یقیناً سہو کتابت ہے۔ اسے ۲۰/دسمبر ۱۹۶۰ء ہونا چاہیے تھا۔

خط نمبر ۳۳:

۱۔ ''وہ کوئی پروفیسر، ہیں نہ 'ارباب فکر و نظر' میں سے بلکہ [ڈان کراچی کے] ایک اخبار نویس ہیں جن سے کچھ اَن بَن تھی اور ہے۔۰۰۰ 'سات رنگ' کراچی میں انھوں نے اپنی جہالت کا ڈھنڈورا پیٹا ہے''۔

[اقتباسِ مکتوبِ جلیل قدوائی، محرّرہ ۴/اپریل ۱۹۶۱ء، غیر مطبوعہ نقل فراہم کردہ سیّد انیس شاہ جیلانی ۰۰۰ مملوکہ شاہ انجم]

خط نمبر ۳۴:

۱۔ ''ماہِ نو'' کراچی (خاص نمبر بابت اپریل) میں جلیل قدوائی کی دو غزلیں شائع ہوئی تھیں۔ پہلی غزل کا مطلع یہ ہے:

جہانِ عشق میں ایسے بھی کچھ مجبور ہوتے ہیں
حریمِ ناز میں رہتے ہیں اور مہجور ہوتے ہیں

دوسری غزل کا مقطع ہے:

سیکڑوں غم ہیں زمانے کے مرے دل میں جلیلؔ
سب پہ چھائی ہوئی اک اُن کی مگر یاد ہی ہے

[ش الف]

۲۔ بابائے اردو کے خطوط کا سب سے ضخیم مجموعہ جلیل قدوائی کا مرتبہ ہے۔ یہ مجموعہ بابائے اردو کے نود سالہ جشن کے موقع پر شائع ہونا تھا مگر جوبلی کمیٹی کے ارکان کے اختلاف کے باعث جلیل قدوائی مستعفی ہو گئے تھے۔ یہ اُدھورا کام سید ہاشمی فرید آبادی نے اپنے بھائی سید ابو تمیم کے نام سے لاہور سے طبع کرا دیا۔ بعد میں جلیل نے اسے بہت سے اضافوں کے بعد ۱۹۶۳ء میں ''مکتوباتِ عبدالحق'' کے نام سے مکتبۂ اُسلوب کراچی سے شایع کیا۔ بعد ازاں یہی مجموعہ ''مکاتیب عبدالحق'' کے نام سے اردو اکیڈمی سندھ کراچی نے نئے سرورق کے ساتھ فروخت کیا۔ اس طرح یہ غلط فہمی بھی پیدا ہوئی کہ مکتوباتِ عبدالحق کا دوسرا ایڈیشن ''مکاتیب'' کے نام سے شائع ہوا ہے۔ حالاں کہ ایسا کچھ نہیں ہوا۔ [ش الف]

خط نمبر ۳۶:

۱۔ ''انتخاب غالب'' (نسخۂ قدوائی) پر اعتراضات کے سلسلے میں جلیل قدوائی نے پندرہ روزہ ''قومی زبان'' کراچی میں مضمون تحریر کیا تھا جو جون ۱۹۶۱ء کی اشاعت میں دو قسطوں میں شائع ہوا۔ عنوان تھا: ''غالب کا ایک نادان دوست''۔ یہاں ''محمد فاضل'' سے وہی نادان دوست مراد

ہے۔ جس کے حوالے سے مضمون لکھا گیا ہے۔ [ش الف]

۲؎ ”مسٹر اشفاق حسین اور مسٹر ڈی سلوا (عیسائی) دو شرفا نے یہ علاقہ تعمیر کیا ہے اور چوں کہ کہ آبادی ملی جلی اور مسلم۔ عیسائی ۵۰۔۵۰ فیصدی ہے۔ علاقے کا نام بھی دونوں شرفا نے مشترکہ طور پر ”حُسین ڈی سلوا ٹاؤن“ رکھا ہے“۔

[اقتباس از مکتوبِ جلیل بہ نام حیرت شملوی محرّرہ ۱۲/ اکتوبر ۱۹۶۱ء غیر مطبوعہ نقل فراہم کردہ سید انیس شاہ جیلانی مملوکہ شاہ انجم]

خط نمبر ۳۷:

۱؎ فیلڈ مارشل محمد ایوب خان

خط نمبر ۴۱:

۱؎ سات رنگ کراچی جنوری ۱۹۶۲ء میں شائع ہونے والا جلیل کا یہ مضمون اب ان کے مجموعۂ مضامین ”تجزیے اور تجربے“ (راس مسعود سوسائٹی ۱۹۹۰ء) میں ”عبدالحق جوبلی کمیٹی کی کہانی“ کے عنوان سے شامل ہے۔ [ش الف]

خط نمبر ۴۲:

۱؎ جی اے مدنی، کمشنر کراچی

خط نمبر ۴۸:

۱؎ انجمن ترقی اُردو بورڈ نہیں صرف ترقی اُردو بورڈ تھا۔ اب اردو ڈکشنری بورڈ۔

خط نمبر ۵۲:

۱؎ سیّد انیس شاہ جیلانی (محمود آباد) مراد ہیں۔

خط نمبر ۵۸:

۱؎ دہلی کے مشہور ادیب نظام المشائخ کے مدیر، خواجہ حسن نظامی کے قریبی دوست جناب مُلّا واحدی مُراد ہیں، آپ بھی تقسیم کے بعد پاکستان آ گئے تھے اور کراچی ہی میں مقیم تھے۔ یہیں وفات پائی۔

کتابیں:

۱۔ احمد حسین صدیقی: ”دبستانوں کا دبستان، کراچی“ (جلد اوّل) ۲۰۰۳ء، (جلد دوم)، ۲۰۰۵ء، محمد حسین اکیڈمی، کراچی۔

۲۔ انیس شاہ جیلانی، سیّد: ”آدمی غنیمت ہے“ (۱۹۹۴ء) مبارک اُردو لائبریری، صادق آباد۔

۳۔ جلیل قدوائی: ”چند اکابر، چند معاصر“ (۱۹۷۷ء)، ادارۂ نگارش و مطبوعات، کراچی۔

۴۔ ایضاً: ”چند اور اکابر، چند اور معاصر“ (۱۹۹۳ء) راس مسعود سوسائٹی، کراچی۔

۵۔ ایضاً: ”انشائے ہاشمی“ (۱۹۹۰ء) راس مسعود سوسائٹی، کراچی۔

۶۔ شاہ انجم: ”جلیل قدوائی شخصیّت اور فن“ (۱۹۹۲ء)، رفاء پبلی کیشنز، کراچی۔

۷۔ مُنیر احمد سلیچ، ڈاکٹر: ”وفیاتِناموَرانِ پاکستان“ (۱۹۹۶ء)، اُردو سائنس بورڈ، لاہور

غیر مطبوعہ مجموعۂ خطوط:

☆ ”مکتوباتِ جلیل قدوائی بنام حیرت شملوی“ مخزونہ مبارک اُردو لائبریری، صادق آباد، فوٹو اسٹیٹ فراہم کردہ سیّد انیس شاہ جیلانی۔

رسالہ:

☆ ”قومی زبان“، اپریل ۱۹۹۴ء، کراچی، مالک رام نمبر، انجمن ترقی اُردو، پاکستان۔

ABSTRACT

Nazeer Siddiqui's letters to Hasan Abbas

Nazeer Siddiqui has written these four letter to Hasan Abbas, Head of Persian Department, Vinarsi University India, generally communicating about his books reproduced in India.
This brief article, highlights cross boarder scholarly and literary contacts inspite of government level hostilities.

ڈاکٹر سید حسن عباس

نظیر صدیقی کے خطوط

اسلام آباد، پاکستان

۸۸/۹/۱۲ء

(۱)

محترمی حسن عباس صاحب، السلام علیکم

عنایت نامہ مورخہ ۲۷/اگست ایک خوشگوار حیرت کے طور پر ملا۔ اگر پچھلے سال آپ سے ملاقات ہو جاتی تو مجھے بے حد مسرت حاصل ہوتی۔ آپ کے خط سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ عزیزی جلال اصغر فریدی سے آپ کی عزیز داری ہے یا نہیں۔ مگر آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ میرے عزیزوں میں سے ہیں۔ اگر آپ کے ساتھ عزیز داری نہ بھی ہو تو یہی کیا کم ہے کہ آپ میرے ہم وطنوں میں سے ہیں۔ میرا تعلق موضع سرائے ساہو ضلع چھپرا سے ہے۔ پچھلے پانچ چھ سال کے دوران مجھے دو تین مرتبہ ہندوستان کے بین الاقوامی سیمیناروں میں شرکت کا موقع ملا اور بہت سے لوگوں سے تعلقات کی تجدید ہوئی۔ ویسے آپ کو معلوم ہے کہ خود اپنے وطن کے لیے غریب الوطن بن چکا ہوں۔ مجھے خوشی ہے کہ جلال اصغر کے ذریعہ میری کم از کم ایک کتاب آپ تک پہنچی اور ایک ایسی کتاب پہنچی جو آپ سے میرے تعارف کا ایک نہایت عمدہ ذریعہ ثابت ہوگی۔ آپ کے پاس 'شہرت کی خاطر' کا غالباً ہندوستانی ایڈیشن ہوگا جس میں پاکستانی ایڈیشن سے ایک انشائیہ کم ہے۔ میری ایک اور کتاب 'میرے خیال میں' کا ہندوستانی ایڈیشن موڈرن پبلشنگ ہاوس نئی دہلی۔۱۱۰۰۰۲ سے شائع ہو چکا ہے۔ یہ میرے تنقیدی مضامین کا دوسرا مجموعہ ہے جو پہلے مجموعے (تاثرات وتعصّبات) کی طرح پاکستان میں گزشتہ ۱۸ سال سے نایاب ہے۔ جب کوئی پبلشر ملتا ہے تو اپنی کوئی نئی کتاب چھپوا لیتا ہوں۔ اس وقت تک ایک درجن سے زائد کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ میرے پاس ہر کتاب کی ایک ایک جلد رہ گئی ہے۔ کتابیں خرید کر بھیجنا میرے بس کی بات نہیں رہی۔ ان دنوں ایک مکان کی تعمیر و تکمیل میں لگا ہوا ہوں جس نے مجھے غریب تر کر دیا ہے۔ میرے لیے اس سے بڑھ کر خوشی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ آپ جیسا باذوق صاحب قلم میرے قارئین میں سے ہو۔ ماہِ رواں میں راولپنڈی سے میری ایک کتاب 'دو سفر نامے' (ایک سفر

نامہ لندن کا ہے دوسرا کلکتہ اور بمبئی کا) شائع ہونے والی ہے اور اکتوبر میں میری ایک انگریزی کتاب Iqbal and Redhakrishnan بیک وقت ہندوستان (نئی دہلی) اور پاکستان (راولپنڈی) سے شائع ہونے والی ہے۔

میں آپ کی کتاب ’جذبؔ گوپالپوری‘ ضرور دیکھوں گا اور اس کے بارے میں اپنے تاثرات لکھ بھیجوں گا۔ میں جذب کے نام اور کلام سے اب تک بالکل ناواقف رہا ہوں۔ خدا کرے وہ جمیل مظہری اور اجتبیٰ رضوی (ان دونوں پر میرے مضامین میری دو کتابوں میں موجود ہیں) کی طرح ہم لوگوں کے لیے باعث فخر ہوں اور اگر نہ ہوں تو ہمارے وطن کے لیے جمیل مظہری اور اجتبیٰ رضوی کا ہونا کافی ہے۔

آپ کے جو احباب آپ کی وساطت سے مجھے جانتے ہیں ان کی خدمت میں بھی سلام عرض ہے۔ آپ سے ملاقات تو نہ جانے کب ہوگی۔ آپ کا دیدار فوٹو کے ذریعہ ہوسکتا ہے۔ چوں کہ آپ میں بھی مجھ سے ملنے اور مجھے دیکھنے کی فطری خواہش موجود ہو گی، اس لیے تصویر بھیجنے کے سلسلے میں خود میں پہل کرتا ہوں۔ باقی آئندہ

مخلص
نظیر صدیقی

(۲)

حسن عباس صاحب محترم، السلام علیکم

آپ مجھے استاد نہ کہیں، میرے دوست ہیں۔ آپ کا خط مورخہ ۱۸/ اکتوبر[۲] مجھے ۲۹/ اکتوبر کو مل گیا تھا۔ اس سے پہلے ’قصائد جذب‘ کا مسودہ بھی مل گیا تھا۔ اکتوبر سے لے کر تادم تحریر میں بے حد مصروف رہا ہوں۔ اس لیے مسودے اور خط کی رسید تک نہ بھیج سکا۔ مسودہ پڑھنے کے بعد کچھ عرض کروں گا۔ ویسے ایک بات ظاہر ہے کہ قصیدے میں اردو کا کوئی شاعر سودا اور ذوق کو نہ پہنچ سکا اور اب اگر کوئی ان دونوں کے اِرد گرد پہنچ بھی جائے تو چوں کہ اب قصیدے کی شاعری کی اہمیت ہی باقی نہ رہی اس لیے اب کسی کا، سودا اور ذوق کے قریب پہنچنا بھی بے سود ہے۔ قصیدہ گوئی شاعری سے زیادہ حصول معاش کا ذریعہ تھی۔ مجھے قصیدے میں اعلیٰ درجے کی شاعری بہت کم نظر آتی ہے اور جتنی شاعری غالب کے ہاں نظر آتی ہے اتنی کسی اور کے ہاں نظر نہیں آتی۔ سو غالب کا بھی اصل کمال قصیدے میں نہیں، غزل میں ظاہر ہوا ہے۔ بہر حال آپ نے جذب کی قصیدہ نگاری[۳] پر جو تحقیقی محنت کی ہے وہ اپنی جگہ قابل داد ہے۔

’دوسفر نامے‘ کا سرورق ابھی تک شائع نہ ہوسکا، لہٰذا وہ کتاب ابھی تک بازار میں نہ آسکی۔ آپ ڈاکٹر ولی[۴] کا پتا بھیج دیں، کوشش کروں گا کہ یہ کتاب ان تک پہنچ جائے۔

ڈاکٹر مہر میرے کرم فرماؤں میں سے ہیں۔ ایک اور ذریعے سے بھی ان کا سلام پہنچا ہے۔ آپ میرا سلام ان کی خدمت میں پہنچائیں اور ان کی خیریت سے مطلع کرتے رہیں۔

ملتان یونیورسٹی کی دعوت پر آج تین دن کے لیے ملتان جا رہا ہوں۔ واپسی کے بعد ’قصائد جذب‘ دیکھنے کی کوشش کروں گا۔ آپ شعر و ادب کے جدید موضوعات سے دل چسپی لیں تو آپ کے حق میں بہتر ہوگا۔ امید ہے کہ آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔

مخلص
نظیر صدیقی

(۳)

اسلام آباد، پاکستان
۱۹/۱۲/۸۸ء

برادرِ عزیز،   السلام علیکم

آپ کے دونوں خط (مورخہ ۲۳؍نومبر اور ۷؍دسمبر) مل گئے تھے۔ حسب فرمائش ’قصائد جذب‘ پر ایک نظر ڈال کر اسے واپس بھیج رہا ہوں۔ جس موضوع اور مقالے پر آپ کو ڈاکٹریٹ کی سند۵ مل چکی ہے اس کے بارے میں کیا کہنا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جذب مرحوم ایک قادر الکلام شاعر تھے اور ان کی طبیعت کو قصیدہ نگاری سے خاص مناسبت تھی۔ کاش وہ سترہویں یا اٹھارویں صدی میں پیدا ہوئے ہوتے۔ اس زمانے میں انھیں ان کا مقام مل جاتا۔ بیسویں صدی کی شاعری میں قصیدے کی گنجائش نہیں رہی۔ آپ اپنا مقالہ اردو اکادمی میں ضرور داخل کر دیں تاکہ جذب کا کلام اور اس پر آپ کا کام، دونوں محفوظ ہو جائیں۔ علمی نقطۂ نظر سے علمی و ادبی سرمائے کا تحفظ ضروری ہے۔

’حافظ شیرازی کانفرنس میں‘ ہماری یونیورسٹی سے میرے دو رفقائے کار ڈاکٹر محمد ریاض (صدر شعبۂ اقبالیات) اور پروفیسر ڈاکٹر شبلی (رجسٹرار یونیورسٹی) شرکت کے لیے شیراز گئے تھے۔ ڈاکٹر مہر، ڈاکٹر ریاض اور ڈاکٹر شبلی کے ہم درس (پی ایچ ڈی میں) رہے ہیں اور تینوں نے طہران ہی سے پی ایچ ڈی کی ہے۔ انھیں لوگوں کے ساتھ بہار کے ڈاکٹر کلیم سہسرامی بھی تھے جو میرے دوستوں میں سے ہیں اور آج کل بنگلہ دیش میں ہیں۔

ہندوستان میں میری کتاب Iqbal and Redhakrishnan، ۸؍دسمبر کو نئی دہلی سے شائع ہونے والی تھی۔ امید ہے شائع ہو گئی ہوگی۔ ابھی یہاں نہیں پہنچی۔ کتاب کے پبلشر کا پتا یہ ہے:

Sterling Publishers Private Ltd,
L-10 Green Park Extension.
New Delhi-110016.

امید ہے آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔ نیا سال مبارک ہو۔

خیریت کا طالب
نظیر صدیقی

Prof. Nazeer Siddiqi.
Chairman, Department or Urdu
Allama Iqbal Opern University,
Islamaad, Pakistan.
Off: 856034, Res: 413584
Dated: 5.7.1990

(۴)

عزیز مکرم،   السلام علیکم

آپ کے دونوں خط ملے۔ پہلے خط کا جواب نہ دے سکنے کا نہایت افسوس ہے۔ ادھر کئی مہینے سے کچھ خاص حالات کا شکار رہا ہوں۔ بیگم گزشتہ چھ سات مہینے سے بیمار ہیں۔ اب روبہ صحت ہیں مگر صحت یابی کی رفتار نہایت سست ہے۔ بیگم کے علاوہ میرا ایک چھوٹا بھائی اسلام آباد کے ایک فیڈرل گورنمنٹ کالج میں اردو کا لیکچرار ہے، گزشتہ ایک سال سے بیمار ہے۔ پچھلے چھ مہینے کے اندر اس کے مرض میں نا قابل برداشت شدت پیدا ہوگئی۔ گلے میں درد کے باعث کھانے پینے سے معذور ہوگیا۔ یہاں کے ڈاکٹروں نے اس کے مرض کو ایک مہلک فالج قرار دیا اور اس کا علاج کرنے میں ناکام رہے۔ ڈھائی تین مہینے سے وہ علاج کے لیے کراچی میں ہے۔ وہاں کے تین ڈاکٹروں نے اس کے مرض کو کینسر قرار دیا ہے۔ علاج جاری ہے۔ میں ۷؍نومبر سے ریٹائر ہو رہا ہوں۔ مجھے ریٹائرمنٹ کے بعد کم از کم دو سال کے لیے ملازمت کی شدید ضرورت ہے اور یہاں (پاکستان) میں کسی اچھی ملازمت کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ یہ وہ حالات ہیں جن کی بنا پر بعض اوقات خط کا جواب لکھنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ میرے مالی حالات ایسے ہیں کہ میں اپنی کوئی کتاب خرید کر بھیج نہیں سکتا۔ چوں کہ آپ میرے سفرنامے کے لے بہت مصر ہیں اس لیے میں نے سوچا ہے کہ ڈاکٹر ریاض یا عارف نوشاہی صاحب کے ہاتھ اپنی ذاتی کاپی آپ کے لیے بھیج دوں گا۔ ہندوستان میں خدا بخش لائبریری میں میری تقریباً تمام کتابیں موجود ہیں۔

۱۹۸۷ء میں جب میں اقبال سے متعلق ایک بین الاقوامی سیمینار میں علی گڑھ گیا تھا تو مجھے مظفر پور جانے کا بھی موقع ملا تھا۔ مظفر پور یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے پروفیسر ڈاکٹر قمر اعظم ہاشمی نے اصرار کیا تھا کہ مجھ پر پی ایچ ڈی کا کام ہونا چاہیے۔ اس کے لیے انھوں نے اپنے ایک طالب علم رضی حیدر کا نام تجویز کیا۔ میرا ایک لمبا سا انٹرویو ٹیپ ریکارڈ کیا اور مجھ سے تعاون کی خواہش کی۔ میں نے اپنی کئی کتابیں اور کتابوں سے متعلق مضامین اور تبصرے وغیرہ رضی حیدر کے نام بھیج دیے۔ پی ایچ ڈی کا خاکہ بنا دیا۔ اتنا مواد فراہم کر دیا کہ اگر رضی حیدر میرے مقرر کردہ عنوانات کے چوکھٹے میں میرا فراہم کردہ مواد ڈال دیتے تو ان کا مقالہ تیار ہو جاتا۔ شروع شروع میں انھوں نے اور ڈاکٹر قمر اعظم نے مجھ سے خط و کتابت بھی کی۔ پھر دونوں نے میرے خطوں کا جواب دینا ترک کر دیا۔ میں نے اپنے بھانجے جلال اصغر فریدی کو دو ایک خط لکھے کہ وہ صرف اتنا معلوم کر کے بتا دیں کہ ڈاکٹر قمر اعظم اور رضی حیدر نے میرے خطوں کا جواب دینا کیوں ترک کر دیا۔ لیکن جلال اصغر نے میرے ایک خط کا بھی جواب نہیں دیا۔ اگر آپ اپنے وسائل سے یہ راز معلوم کر سکتے ہوں تو معلوم کر کے بتائیں کہ یہ قصہ کیا ہے۔ آخر ایسا کیوں ہوا؟ مجھے اس کا افسوس نہیں ہے کہ مجھ پر پی ایچ ڈی کا کام نہ ہو سکا۔ جو چاہے گا اپنے فائدے کے لیے یہ کام کرے گا لیکن میں اتنا ضرور جاننا چاہتا ہوں کہ جو کام ان لوگوں کے اصرار سے شروع ہوا تھا وہ کیوں رُک گیا۔

میرے سفرنامے سے کئی گنا زیادہ اہم میری انگریزی کتاب ’اقبال اینڈ راھا کشنن‘ ہے جسے Sterling Publication Ltd, L-10 Green Park Extension, New Delhi-110016 نے شائع کی ہے۔ قیمت 125-00 روپے ہے۔ اسے آپ پڑھیں اور دوسروں کو پڑھوائیں۔ خدا بخش لائبریری میں یہ کتاب بھی موجود ہے۔

کیا آپ کے ریڈیو کے انگریزی یا اردو سیکشن میں میرے لیے کوئی گنجائش ہو سکتی ہے؟ ڈاکٹر مہر سے میرا اسلام کہیے۔

مخلص
نظیر صدیقی

حواشی:

۱ اس خط کے ہمراہ پاسپورٹ سائز کی ایک سیاہ و سفید تصویر بھی موصول ہوئی تھی۔

۲ اس خط پر تاریخ درج نہیں ہے۔ یہ اکتوبر ۱۹۸۸ء کے بعد کا ہی لکھا ہوا ہے۔ غالباً نومبر میں لکھا ہوگا۔

۳ ’قصائد جذب‘ محمد وآ ﷺ محمدؐ کی مدح میں ہیں۔ وہ قصائد جو عقیدت کے جذبات سے لبریز ہو کر لکھے گئے ہیں ان میں بھی اعلا شاعری کے نمونے موجود ہیں۔ یہ حصول معاش کا نہیں بلکہ سعادت دارین کا ذریعہ ہیں۔ یہ کتاب ۱۹۹۳ء میں نظامی پریس لکھنو سے چھپی۔

۴ ڈاکٹر ولی احمد ولی مظفر پوری میرے ہم سبق بی اے (اردو آنرز) سے لے کر اب تک ہمارے درمیان تک گونہ انسیت و محبت برقرار ہے۔ ایم اے (اردو) کی طالب علمی کے زمانے میں ہم دونوں نے مظفر پور میں ’ادراک‘ کی طرح ڈالی تھی اور ’ادراک‘ کا پہلا شمارہ استاد محترم پروفیسر اعظم ہاشمی (سابق صدر شعبۂ اردو لنگٹ سنگھ کالج، مظفر پور) کی نگرانی میں جولائی ۱۹۸۲ء میں ۸۰ صفحات پر مشتمل میگزین سائز میں منظر عام پر آیا۔ اس کی ادارت میں محمد سلیم اللہ، ولی احمد ولی اور سید حسن عباس کا نام شامل تھا۔ دوسرا تیسرا شمارہ جنوری ۱۹۸۳ء اور شمارہ نمبر ۴ تا ۷ رجنوری ۱۹۸۴ء منظر عام پر آیا تھا۔ اس کے بعد یہ بند ہوگا۔ پھر میں نے جنوری ۲۰۰۱ء میں گوپال پور (سیوان) سے اس کی تجدید اشاعت کا عمل شروع کیا۔ اس کے پہلے شمارے میں ’ادراک‘ مظفر پور کے شماروں کا اشاریہ بھی شائع کر دیا گیا ہے۔

۵ میرے پی ایچ ڈی (اردو) کے تحقیقی مقالے کا عنوان ’قصائد جذب‘ کی تدوین نہیں بلکہ ’بہار میں اردو مرثیہ نگاری‘ تھا۔ جس پر جون ۱۹۸۸ء میں بہار یونیورسٹی مظفر پور نے سند سے نوازا۔ پروفیسر نظیر صدیقی کو اشتباہ ہو گیا تھا۔

پس نوشت:

نام: ڈاکٹر سید حسن عباس، تاریخ پیدائش: ۲ر اکتوبر ۱۹۶۰ء، مقام پیدائش: موضع گوپال پور، ضلع سیوان (بہار)

تعلیم: ایم اے (اردو) ایم اے (فارسی، تہران یونیورسٹی)، پی ایچ ڈی (اردو، بہار یونیورسٹی، مظفر پور) ڈی لٹ (فارسی، تہران یونیورسٹی، ایران)

مطبوعہ کتب: ☆احوال و آثار میر غلام علی آزاد بلگرامی، تہران، ۲۰۰۵ء، (فارسی) ☆قصائد جذب گوپال پوری ۱۹۹۳ء، لکھنؤ (اردو)

☆رضا لائبریری کی علمی وراثت، ۱۹۹۶ء، رام پور (اردو) ☆قند پارسی ۲ جلد مقالات پروفیسر نذیر احمد، تہران

☆گفتار ہای پژوھشی در زمینہ ادبیات فارسی، (مقالات پروفیسر سید امیر حسن عابدی)، تہران، (فارسی)

☆ارمغانِ علمی، نذیر حنیف نقوی، ۲۰۱۰ء۔ ☆قند مکرر پارسی (ترجمۂ فارسی مقالات نذیر احمد) تہران، ۲۰۱۱ء

☆دو رسالہ در نقد ادبی (فارسی) رام پور رضا لائبریری، ۱۹۹۶ء ☆ذکر نادم بلخی، ۲۰۰۵ء

☆حکیم سید ظل الرحمٰن، حیات و خدمات، ۲۰۰۵ء

موجودہ پتا: صدر شعبۂ فارسی بنارس ہندو یونیورسٹی، وارانسی، مدیر اعزازی: مجلّہ ادراک گوپال پور، باؤ گنج، سیوان، (بہار) **مدیر**

ABSTRACT

Gloassaries and author dictionaries in Urdu: principles and problems

It is heartening to see a large number of students working on gloassaries of literary texts and author dictionaries for their MPhil and PhD dissertations. But despite hard work the gloassaries compiled by these researchers sometimes lack in many aspects. The reason is a general lack of material in Urdu on glossaries, their history and the principles laid down for compiling such works.

This research paper describes the definition and nature of gloassaries and author dictionaries along with a brief history of Urdu gloassaries. It also provides the readers with some basic information and rules governing the compilation of gloassries and dictioanries of terminology and/or dictioanries of technical terms. It also takes into account the problems practically faced by the scholars while compiling /editing such dictioanries/glossaries. Special care has been taken to explain every aspect with examples and especially examples from Urdu literature and glosaaries published in Urdu.

پروفیسر رؤف پاریکھ

فرہنگیں اور اردو میں ادبی متون کی فرہنگیں: اصول اور مباحث

خوشی کی بات ہے کہ ہماری جامعات میں اردو کے اہم ادیبوں اور شاعروں کے متون کی فرہنگیں بنائی جارہی ہیں۔ یہ بہت اہم کام ہے اور ان فرہنگوں کے ذریعے ایسے سیکڑوں الفاظ اور معنی مع اسناد سامنے آئیں گے جو یا تو اردو کی کسی لغت میں موجود نہیں ہیں، یا ان کے معنی نامکمل اور ناکافی ہیں یا ان کی اسناد دست یاب نہیں ہیں۔

اہم ادبی متون کی فرہنگوں کی تیاری وہ کام ہے جو گویا مستقبل کے لغت نویسوں کی مدد کرے گا اور ہماری خوب صورت زبان کی ثروت میں اضافے کا باعث ہوگا۔ یہ کام ہمیں بہت پہلے کرنا چاہیے تھا۔ ہندوستان میں ہندی کے کئی بڑے ادیبوں کی فرہنگیں بنائی جاچکی ہیں۔ البتہ تشوش ناک بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں تحقیق کے بعض طالب علم ادبی فرہنگ مرتب کرنے کی ذمے داری (بطور تحقیقی مقالہ) اٹھا تو لیتے ہیں لیکن اس کام کے اصولوں، مقاصد اور طریقِ کار سے کماحقہ آگاہ نہیں ہوتے اور سخت محنت کے باوجود ان کے کام میں کچھ کمی رہ جاتی ہے۔ یہ طالب علمانہ معروضات ایسے ہی طالب علم دوستوں کی رہ نمائی کے لیے پیش کی جارہی ہیں۔ اگرچہ راقم کورہ نما ہونے کا دعویٰ نہیں ہے لیکن جو محدود معلومات میسر ہیں انھیں اس خیال سے پیش کیا جارہا ہے کہ شاید کسی طالب علم کا بھلا ہو جائے۔ ویسے اساتذہ بالخصوص تحقیقی کاموں کے نگراں اساتذہ کے بھی اس کے پڑھنے پر کوئی پابندی نہیں ہے۔

ہم نے کوشش کی ہے کہ یہاں مجرد اصول بیان کرنے کی بجاے اردو زبان و ادب سے عملی مثالیں پیش کی جائیں۔

☆فرہنگ اور لغت:

فرہنگ فارسی زبان کا لفظ ہے اور فارسی میں اس کے معنی ہیں لغت۔ لغت یا dictionary کا مفہوم، جو عام طور پر کئی کتب میں مل جاتا ہے، یہ ہے: ''وہ کتاب یا فہرستِ الفاظ جو کسی زبان کے الفاظ (بالعموم حروفِ تہجی کی ترتیب سے) درج کر کے ان کے معنی و مترادفات مع تلفظ اور قواعدی حیثیت بیان کرے''۔[۱] ان خصوصیات کے علاوہ بعض لغات الفاظ کا ماخذ/اشتقاق بھی درج کرتی ہیں۔ گویا جسے انگریزی میں ڈکشنری (dictionary) کہتے ہیں اسے اردو میں لغت اور فارسی میں فرہنگ کہتے ہیں۔ فارسی میں لغت کو فرہنگ نامہ، لغت نامہ اور واژہ نامہ بھی کہتے ہیں (فارسی میں واژہ کے معنی ہیں ''لفظ'')۔[۲] لغت عربی زبان کا لفظ ہے لیکن عربی میں اس کے اور بھی کئی معنی ہیں اور عربی میں لغت یا ڈکشنری کو کتاب اللغہ کے علاوہ معجم اور قاموس بھی کہتے ہیں۔ قاموس دراصل ایک مشہور عربی لغت کا نام ہے گو موجودہ دور میں عربی میں ہر ڈکشنری کو قاموس کہتے ہیں۔[۳] البتہ لفظ ''لغت'' کے عربی میں کئی معنی ہیں، مثلاً اس کے ایک اور معنی ہیں: کلمہ یا بامعنی لفظ۔

اردو میں بھی لفظ لغت کے ایک معنی ''بامعنی کلمہ'' یا ''بامعنی لفظ'' کے ہیں، نیز اردو میں لفظ لغت کے ایک اور معنی بھی ہیں اور وہ ہیں: وہ لفظ یا ترکیب جس کا لغت میں اندراج کیا جا سکے۔ یعنی ''ڈکشنری'' کے مفہوم میں مستعمل ہونے کے ساتھ ساتھ لفظ ''لغت'' کے ایک معنی اردو میں ''ڈکشنری میں اندراج کے قابل بامعنی لفظ'' کے بھی ہیں۔ جب راقم اردو لغت بورڈ سے وابستہ تھا تو ہمارے عملے کا کوئی رکن کسی لفظ یا مرکب کا کارڈ بنا کر اور اس کی سند لکھ کر لے آتا تا کہ اسے بطور اندراج لغت میں شامل کیا جا سکے لیکن کبھی کبھار ہمارے بعض ساتھی اس پر اعتراض کرتے کہ یہ ''لغت'' نہیں ہے، یعنی یہ ایسا لفظ یا مرکب نہیں ہے جس کی تشریح درکار ہو اور اس کا اندراج لغت میں بطور راس لفظ یا لغوی اندراج کے کیا جائے۔ دراصل ہر لفظ یا مرکب اس قابل نہیں ہوتا کہ اسے لغت یا فرہنگ میں درج کیا جائے (اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے)۔

☆فرہنگ اور لغت میں کیا فرق ہے؟

اردو میں بھی کسی زمانے میں فرہنگ کا لفظ لغت کے معنی میں مستعمل رہا ہے۔ مثلاً فرہنگِ آصفیہ (مولفہ سید احمد دہلوی) دراصل ایک لغت ہی ہے اور اس کے نام میں فرہنگ کا لفظ ڈکشنری یا لغت ہی کے مفہوم میں آیا ہے۔ اسی طرح کچھ عرصے قبل کی مرتبہ ''فرہنگِ کارواں'' (از فضل الٰہی عارف) بھی دراصل لغت ہی ہے۔ لیکن اب لغت کے لیے اردو میں فرہنگ کا لفظ بہت کم استعمال ہوتا ہے اور اب اردو میں فرہنگ کا لفظ ایک مختلف اور مخصوص معنی میں رائج ہو گیا ہے (اور یہ معنی شاید ہی اردو کی کسی لغت میں درج ہوں)۔

اردو کی مختلف لغات میں لفظ ''فرہنگ'' کا مفہوم ''لغت، معنوں کی کتاب، عقل و دانش'' وغیرہ درج ہے (فارسی میں فرہنگ کا لفظ ثقافت یا کلچر اور تعلیم کے معنوں میں بھی آتا ہے) اور اردو لغت بورڈ کی لغت میں بھی فرہنگ کا لفظ ''لغت'' اور ''عقل'' وغیرہ ہی کے

معنوں میں درج ہے، لیکن لفظ ’’فرہنگ‘‘ کا ایک نیا مفہوم جو اردو میں اب رائج ہے اور کسی اردو لغت میں درج نہیں وہ ہے:

۱۔ الف بائی ترتیب میں مرتب کی گئی ایسے الفاظ کی فہرست مع معنی و تشریح جو کسی خاص موضوع یا مضمون یا متن سے متعلق ہوں، یہ عموماً کتابوں کے آخر میں دی جاتی ہے۔

۲۔ مختصر لغت جو خاص موضوع یا علم و فن کے الفاظ پر مبنی ہو یا جس میں مخصوص ذخیرۂ الفاظ کو شامل کیا گیا ہو۔

اوپر درج کیے گئے پہلے معنی (یعنی فہرست) کے لحاظ سے دیکھا جائے تو گویا انگریزی میں جسے ’’گلوسری‘‘ (glossary) کہا جاتا ہے اسے اردو میں اب فرہنگ کہتے ہیں۔ گلوسری کے لیے فارسی میں مستعمل مترادفات میں سے ایک ’’فہرستِ معنی‘‘ بھی ہے اور عربی میں اسے دیگر ناموں کے علاوہ ’’قاموسِ مصطلحات‘‘ کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ عربی اور فارسی کے ان مذکورہ بالا مترادفات سے بھی اردو میں ’’فرہنگ‘‘ کے لفظ کی تفہیم میں مدد ملتی ہے۔ دوسرے معنی (یعنی مختصر لغت) کے مفہوم کے لحاظ سے دیکھا جائے تو انگریزی میں ایسی کتابوں کو کبھی گلوسری کہا جاتا ہے اور کبھی ڈکشنری یا Dictionary of technical terms بھی کہا جاتا ہے۔

فرہنگ کا جو مفہوم ہم نے اوپر تحریر کیا ہے اس کے استناد کا سوال ضرور اٹھے گا اور اٹھنا بھی چاہیے۔ تو عرض ہے کہ اردو کی کئی کلاسیکی کتابوں نیز بعض درسی کتب کے آخر میں مشکل الفاظ کی جو فہرست مع معنی درج ہوتی ہے اسے اردو میں فرہنگ ہی کہا جاتا ہے۔ اس کی مثال کئی کتابوں میں موجود ہے۔ مثلاً ممتاز حسین نے ’’باغ و بہار‘‘ (کراچی: اردو ٹرسٹ، ۱۹۵۸ء) مرتب کر کے اس کے آخر میں مشکل الفاظ اور ان کے معنی کی جو فہرست دی ہے اس پر ’’فرہنگ‘‘ ہی کا عنوان درج ہے۔ یہ مختصر لغت ہے جو مخصوص الفاظ پر مبنی ہے۔ نیز رشید حسن خان کی ’’کلاسیکی ادب کی فرہنگ‘‘ (دہلی: انجمن ترقی اردو ہند، ۲۰۰۳ء) کے نام ہی میں لفظ فرہنگ موجود ہے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ مخصوص ذخیرۂ الفاظ پر مبنی مختصر لغت ہے۔ اس کے علاوہ تکنیکی، فنی اور سائنسی اصطلاحات کی وضاحت کے لیے مرتب کی گئی کئی اردو لغات کے نام میں بھی لفظ فرہنگ استعمال ہوا ہے، مثلاً صوفی گلزار احمد صاحب کی مرتبہ ’’فرہنگِ نفسیات‘‘ لاہور سے ملک دین محمد نے ۱۹۶۱ء میں شائع کی۔ اس میں علمِ نفسیات کی انگریزی اصطلاحات اور اردو مترادفات مع اردو تشریح درج ہیں۔ جامعہ کراچی کے شعبۂ تصنیف و تالیف و ترجمہ نے کئی علوم و فنون کی فرہنگیں شائع کی ہیں جن میں اصطلاحات مع مفہوم یا مترادفات درج ہیں۔ مثلاً ایسی ہی ایک کتاب ’’فرہنگِ اصطلاحاتِ حیاتیات‘‘ ہے جو ۱۹۷۲ء میں شائع ہوئی اور جس کا انگریزی نام A Dictionary of technical terms: Biology ہے۔ ان مثالوں سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اردو میں اصطلاحات یا تکنیکی یا مخصوص الفاظ کی الف بائی فہرست (مع معنی) کو بھی فرہنگ کہتے ہیں، خواہ وہ ضخیم کتاب کی شکل میں ہو یا چند صفحات پر مبنی الفاظ و معنی کی فہرست ہو۔ اردو کے لغت نویسوں کو چاہیے کہ اب لفظ ’’فرہنگ‘‘ کا یہ مفہوم بھی اپنی لغات میں شامل کر لیں۔

اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اب اردو میں لغت اور فرہنگ کے الفاظ دو مختلف مفہوم میں استعمال ہوتے ہیں اور ماضی کے برعکس اب ان دونوں میں فرق آ چلا ہے۔ اب اردو میں لفظ لغت تو ڈکشنری کے معنوں میں ہے اور فرہنگ گلوسری یا ٹیکنیکل ڈکشنری کے معنوں میں، چاہے عربی اور فارسی میں ’’فرہنگ‘‘ اور ’’لغت‘‘ کے الفاظ کا مفہوم کچھ اور ہی کیوں نہ ہو۔ اردو زبان اور لغت عربی یا

فارسی کی پابند نہیں ہیں۔ اردو والوں نے تصرف کر کے کئی عربی و فارسی الفاظ کا تلفظ اور معنی اور ہجے تک بدل دیے ہیں۔ بقولِ انشاء اللہ خاں انشاء، جو لفظ اردو میں آ گیا اردو کا ہو گیا۔ اب اس کے معنی، تلفظ اور محاورے وغیرہ اردو ہی کے لحاظ سے درست مانے جائیں گے۔ جو حضرات عربی اور فارسی لغت سے لفظ ڈھونڈ ڈھونڈ کر سید سلیمان ندوی اور محمد حسین آزاد جیسے اہلِ علم کے تصرفات پر اعتراض کرتے ہیں انھیں اردو زبان کے مزاج سے ذرّہ برابر شناسائی نہیں ہے۔ یہ بزرگ ہم آپ سے کہیں زیادہ عربی اور فارسی جانتے تھے اور اردو کے تو ہم سے کہیں زیادہ بڑے ماہر اور عالم تھے ہی۔

☆فرہنگ خصوصی لغت ہوتی ہے

لغت کی موٹی موٹی قسمیں بیان کی جائیں تو وہ دو ہیں: عمومی اور خصوصی۔

۱۔ عمومی لغات (general dictionaries)

عمومی لغات وہ ہوتی ہیں جن میں کسی زبان کے کم و بیش تمام الفاظ یا اس کے ذخیرۂ الفاظ کا خاصا بڑا حصہ عام قاری کے لیے بترتیبِ حروفِ تہجی مع معنی پیش کیا جاتا ہے[۴]۔

۲۔ خصوصی لغات (specialised dictionaries)

خصوصی لغات وہ حوالہ جاتی کتب یا فہرستِ الفاظ ہوتی ہیں جن میں عمومی لغات کے برعکس مخصوص اور محدود دائرے کی معلومات دینے والے الفاظ و مرکبات مع معنی بترتیبِ حروفِ تہجی درج کیے جاتے ہیں[۵]۔ گویا خصوصی لغت سے مراد ایسی لغت ہے جو کسی خاص موضوع یا زبان کے کسی خاص پہلو یا کسی خاص علم یا فن سے متعلق الفاظ و مرکبات یا اصطلاحات کو مع معنی حروفِ تہجی کی ترتیب سے درج کرے[۶]۔ خصوصی لغات کئی طرح کی ہو سکتی ہیں اور انھیں اردو میں فرہنگ ہی کہنا چاہیے، مثلاً: تلفظ بتانے والی فرہنگ (جیسے فرہنگِ تلفظ از شان الحق حقی)، مترادفات کی فرہنگ (جیسے قاموسِ مترادفات از وارث سرہندی)، کسی خاص علم یا فن کی فرہنگ (جیسے فرہنگِ اصطلاحاتِ طبیعیات)، کسی شاعر یا ادیب کے ذخیرۂ الفاظ کی فرہنگ (جیسے فرہنگِ اقبال از نسیم امروہوی)، محاورات کی فرہنگ (جیسے ہندوستانی مخزن المحاورات از چرنجی لال)، کہاوتوں کی فرہنگ (جیسے جامع الامثال از وارث سرہندی)، سلینگ الفاظ کی فرہنگ (از قاسم یعقوب) وغیرہ۔

گویا فرہنگ بھی ایک طرح کی خصوصی لغت ہوتی ہے اور فرہنگ مرتب کرنے والوں کو فرہنگ کی تدوین کے اصولوں کو ذہن میں رکھ کر کام کرنا چاہیے۔ فرہنگ نویسی کے اصول لغت نویسی کے اصولوں سے کچھ مختلف ہوتے ہیں کیونکہ دونوں کا میدان لغت ہوتے ہوئے بھی بہر حال تھوڑا سا مختلف ہوتا ہے۔

☆ادبی متون کی فرہنگیں

ادبی متن کی فرہنگ کو انگریزی میں author dictionary (نیز author's dictionary) یعنی ‘‘مصنف کی فرہنگ’’ کہا جاتا ہے[۷]۔ ادبی متن کی فرہنگ نویسی انگریزی میں author lexicography یعنی ‘‘مصنف کی لغت نویسی’’ کہلاتی ہے[۸]۔ انگریزی میں مصنفین کی فرہنگوں یا author dictionaries کا آغاز دراصل لاطینی اور یونانی ادیبوں کی ان

فرہنگوں کے اثر سے ہوا جو ’’گلوسریل کنکارڈنس‘‘ (glossarial concordance) یعنی ’’فرہنگی اشاریۂ الفاظ‘‘ کہلاتی تھیں [۹]۔ (یہاں ’’فرہنگی‘‘ (glossarial) سے مراد ہے فرہنگ کا یا فرہنگ سے متعلق و منسوب)۔ کنکارڈنس (concordance) یعنی اشاریۂ الفاظِ مصنف، دراصل کسی مصنف کے مکمل ذخیرۂ الفاظ کا اشاریہ ہوتا ہے۔ اس میں کسی ادیب یا شاعر کے پورے ذخیرۂ الفاظ کو استعمال کی مثالوں اور استعمال کی تعداد کی تفصیل کے ساتھ (یعنی کون سا لفظ کتنی بار اور کہاں کہاں استعمال ہوا ہے) الف بائی ترتیب سے مرتب کیا جاتا ہے اور ساتھ ہی جملے یا مصرعے جن میں وہ لفظ آیا ہو درج کر دیے جاتے ہیں [۱۰]۔ مثلاً علامہ اقبال کے فارسی کلام کا مکمل اشاریہ ساجد اللہ تفہیمی نے ’’کشف الالفاظِ اقبال‘‘ کے نام سے مرتب کیا اور غالب کا اشاریۂ الفاظ ’’اشاریۂ کلامِ غالب‘‘ جمال عبدالواجد نے مرتب کیا [۱۱]۔ اب اگر ایک شاعر نے ایک لفظ پچاس مصرعوں میں استعمال کیا ہے تو وہ تمام پچاس مصرعے مع حوالوں کے کنکارڈنس میں درج ہوتے ہیں (لیکن فرہنگ میں ایک ہی مثال کافی ہوتی ہے)۔ اس نوعیت کی اشاریہ سازی کی ابتدا انگریزی میں ہوئی تو انگریزی کے بڑے مصنفین مثلاً جیفرے چاسر اور شیکسپیئر کے بھی اشاریے بنائے گئے [۱۲]۔ گو انگریزی میں اس طرح کے کنکارڈنس اور انگریزی میں مصنف کی فرہنگ بنانے کا آغاز پڑوس کی دیگر زبانوں کے مقابلے میں خاصی تاخیر سے ہوا لیکن ۱۵۹۸ء میں جیفرے چاسر کی تحریروں میں استعمال کیے گئے نادر اور غیر معروف الفاظ کی ایک وضاحتی فرہنگ بننے کے بعد انگریزی شعرا اور ادبا کے اشاریے اور فرہنگیں بننے لگیں اور اندازہ ہے کہ انگریزی کے تقریباً اسّی (۸۰) شعرا و ادبا کی مختلف نوعیت کی لگ بھگ تین سو (۳۰۰) فرہنگیں اور اشاریے بن چکے ہیں [۱۳]۔

☆ اردو میں ادبی متون کی فرہنگیں

آج کل ہماری جامعات میں مختصر لغات یا مخصوص موضوعات کی لغات پر جو کام ہو رہے ہیں ان سب کو فرہنگ کہا جاتا ہے۔ فرہنگِ میر تو ٹھیک ہے، فرہنگِ نظیر اکبر آبادی بھی درست ہے اور فرہنگِ غزلیاتِ درد بھی درست ہے، لیکن ان سب کاموں کو مجموعی طور پر ’’فرہنگوں پر کام‘‘ کی بجائے ’’ادبی متون کی فرہنگوں پر کام‘‘ کہنا چاہیے۔ لوگ عام طور پر فرہنگوں اور ادبی متون کی فرہنگوں میں کوئی فرق روا نہیں رکھتے۔ ہشام السعید صاحب نے اپنے عمدہ مقالے ’’اردو فرہنگ نگاری: تشکیل و تحقیق‘‘ [۱۴] میں ادبی متون کی فرہنگوں کا ذکر کیا ہے لیکن اس کا عنوان مطلقاً فرہنگوں کی بات کرتا ہے۔ اگر اس کے عنوان اور مباحث میں ادبی متون کی فرہنگوں کی اصطلاح شامل ہو جاتی تو یہ مفید مضمون زیادہ بامعنی ہو جاتا۔ موجودہ صورت میں اس مقالے میں ابتدا میں تو فرہنگ کا تعارف اور مفہوم بالکل درست دیا گیا ہے (یعنی کسی خاص موضوع کے الفاظ کی لغت) لیکن آگے چل کر مقالہ نگار صرف ادبی متون کی فرہنگوں تک محدود ہو گئے ہیں۔ ادبی متن کی ہر لغت یقیناً فرہنگ ہوتی ہے لیکن ہر فرہنگ ادبی متن کی لغت نہیں ہوتی۔ سائنسی و تکنیکی اصطلاحات کی لغت بھی فرہنگ ہی ہوتی ہے لہٰذا ’’ادبی متن کی فرہنگ‘‘ کہنا وضاحت کے لیے ضروری ہے، صرف فرہنگ کہنے سے یہ دائرہ بہت وسیع ہو جاتا ہے۔ بہرحال یہ مقالہ بہت معلوماتی ہے اور اس میں اردو کی ادبی متون کی فرہنگوں کے ضمن میں اہم معلومات فراہم کی گئی ہیں،

اگر چہ اردو کی اولین ادبی متن کی فرہنگ کے ضمن میں وہ قدیم ترین فرہنگ کی درست نشان دہی نہیں کر سکے ہیں۔

اردو کی ادبی متون کی اولین فرہنگ کا ذکر ڈاکٹر عبدالرشید نے اپنے ایک عمدہ مقالے بعنوان ''متن اساس فرہنگیں: مسائل اور صورت حال'' میں کیا ہے۔ یہ مقالہ جامعہ ملیہ اسلامیہ (دہلی) کے جریدے ''تدریس نامہ'' (شمارہ ۱، جولائی تا دسمبر ۲۰۰۹ء) میں شائع ہوا تھا اور یہ اس موضوع پر اردو میں لکھے گئے معدودے چند اور اولین مقالات میں سے ہے۔ اگر چہ عبدالرشید صاحب نے ''اولیت'' کا کوئی دعویٰ نہیں کیا لیکن انھوں نے اپنے اس مقالے میں بہت قیمتی معلومات پہلی بار فراہم کی ہیں اور اس اہم موضوع پر بعض اہم اور بنیادی باتیں بھی کی ہیں۔ عبدالرشید صاحب کے مطابق اردو میں ادبی متن کی سب سے پہلی فرہنگ انیسویں صدی کے اواخر میں مرتب کی گئی۔ انھوں نے اس زمانے میں شائع ہونے والی اردو کی متن اساس فرہنگوں کی جو فہرست دی ہے ان میں سے ادبی متون کی چند اولین اور ابتدائی فرہنگیں یہ ہیں:

۱۔ لغاتِ الف لیلہ، از ماسٹر لکھمی چند، اجمیر۔ ۱۸۸۹ء۔
۲۔ لغاتِ چہار درویش، از ماسٹر لکھمی چند، اجمیر ۱۸۸۹ء۔
۳۔ لغاتِ انشا اردو، از ماسٹر لکھمی چند، اجمیر، ۱۸۸۹ء۔
۴۔ پرائمری لغات کی فرہنگ، از مولوی فیروز الدین، سیال کوٹ، ۱۸۹۲ء۔
۵۔ فرہنگ وکلید النصاب اردو، پیسہ اخبار، لاہور، ۱۸۹۴ء۔

اس کے علاوہ کچھ کلاسیکی متون کے مدوِّنین و مرتبین نے کتاب کے آخر میں فرہنگ بھی دے دی ہے، عبدالرشید صاحب نے ایسی کلاسیکی کتابوں کی فہرست بھی دی ہے جن کے آخر میں فرہنگ شامل ہے۔ ہشام السعید صاحب نے بھی ادبی متون کی فرہنگوں کی ایک طویل فہرست دی ہے اور انھوں نے بڑی محنت سے ان کاموں کی بھی نشان دہی کر دی ہے جو شائع نہیں ہوئے لیکن مختلف جامعات میں ان پر پی ایچ ڈی یا ایم فل یا ایم اے کی سند کے لیے کام ہو چکا ہے یا ہو رہا ہے۔ عموماً ایسے مقالے چھپتے نہیں ہیں اور عام قاری کیا محققین کے علم میں بھی کم ہی آتے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ فہرست بہت مفید ہے اور اس نوجوان محقق کو اس محنت کی داد ملنی چاہیے۔ لیکن ان دو حضرات نے جن کاموں کی نشان دہی کی ہے ان کے علاوہ بھی کچھ کام اس موضوع پر ہوئے ہیں اور دیگر کئی کام جو شائع ہو چکے ہیں ان کی نشان دہی راقم نے اپنی کتاب ''اردو میں لسانی تحقیق و تدوین: گزشتہ چند عشروں میں'' (کراچی: اکادمی بازیافت، ۲۰۱۳ء) میں فرہنگوں اور ادبی متون کی فرہنگوں کے باب میں کی ہے۔ یہاں ان سب کا ذکر تحصیلِ حاصل ہوگا لہٰذا اس سے گریز کیا جا رہا ہے۔

☆ادبی فرہنگ میں لفظ کا اندراج

لغت اور فرہنگ مرتب کرنے والوں کے لیے یہ بہت اہم نکتہ ہے کہ کس لفظ کا اندراج لغت یا فرہنگ میں ہونا چاہیے اور کس لفظ کا اندراج نہیں ہو سکتا۔ لغت یا فرہنگ میں جس لفظ کا اندراج کیا جاتا ہے اسے اصطلاحاً ہیڈ ورڈ (headword) کہتے ہیں۔

اردو میں اسے بنیادی اندراج یا مفرد اندراج یا ’’راس لفظ‘‘ بھی کہا جاتا ہے۔ البتہ اب انگریزی میں لغت کے مفرد یا بنیادی اندراج کو ہیڈ ورڈ (headword) کے علاوہ ایک اور نام بھی دیا جا رہا ہے اور وہ ہے ’’لیما‘‘ (lemma)۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض لغت نویسوں اور ماہرینِ علمِ لغت نے یہ اعتراض کیا تھا کہ ’’ہیڈ ورڈ‘‘ کے لفظ سے یہ مغالطہ ہوتا ہے کہ اس سے مراد صرف ’’ورڈ‘‘ (word) یعنی لفظ ہے جب کہ ہیڈ ورڈ لغت میں ایک اندراج ہوتا ہے اور یہ لفظ کے علاوہ محاورات یا مرکبات پر بھی مبنی ہوسکتا ہے۔ لفظ لیما (lemma) کے انگریزی میں مختلف لفظی معنی ہیں اور اس کے ایک معنی ’’عنوان‘‘ یا ’’سُرخی‘‘ یعنی ’’ہیڈنگ‘‘ (heading) کے ہیں۔ البتہ علمِ لغت اور لغت نویسی میں یہ لفظ اب ایک اصطلاح کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ دراصل بعض اوقات لغت میں کسی مرکب کا بھی اندراج ہوتا ہے اور وہ ایک لفظ یا word نہیں ہوتا بلکہ دو یا دو سے زیادہ الفاظ کا مجموعہ ہوتا ہے لہٰذا اس کو ہیڈ ورڈ (headword) کہنا کچھ عجیب سا لگتا ہے۔ چنانچہ اب لغت نویسی اور علمِ لغت کی جدید اصطلاح میں بنیادی یا مفرد اندراج کے لیے راس لفظ (ہیڈ ورڈ) کی بجائے لیما (lemma) کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے[۱۵]۔

یہاں کچھ روشنی اس امر پر بھی ڈال دی جائے کہ کون سا لفظ لغت یا فرہنگ میں درج کیے جانے کا اہل ہوتا ہے۔ لغت نویسی کی اصطلاح میں تو اسے اندراج یا ہیڈ ورڈ یا لیما کہتے ہیں لیکن لسانیات میں اس کے لیے ایک اصطلاح استعمال ہوتی ہے لیکسیم (lexeme)۔ اردو میں اسے ’’لغویہ‘‘ کہا جاسکتا ہے۔ لغویہ یا لیکسیم ایسا بامعنی لفظ ہوتا ہے جس کی کوئی تصریف (inflection) نہ ہوئی ہو اور یہ اپنی اصلی یا انفرادی صورت میں ہو۔ مثلاً ’’لڑکی‘‘ ایک بامعنی لفظ ہے۔ اس کی تصریفی (inflectional) صورتیں ’’لڑکیاں‘‘ اور ’’لڑکیوں‘‘ ہوسکتی ہیں۔ لیکن لغت میں صرف ’’لڑکی‘‘ ہی کا اندراج بطور ہیڈ ورڈ ہوسکتا ہے کیونکہ ’’لڑکیاں‘‘ اور ’’لڑکیوں‘‘ بامعنی لفظ ہونے کے باوجود محض ایک لفظ کی تصریفی شکلیں ہیں۔ گویا لڑکی تو لیکسیم یا لغویہ ہے لیکن لڑکیاں اور لڑکیوں لغویہ نہیں ہیں اور ان کو لغت میں بطور بنیادی اندراج شامل نہیں کیا جاسکتا[۱۶]۔ یہی حال اردو کے دیگر الفاظ کی جمع اور تصریفی حالتوں کا ہے۔ البتہ بعض عربی یا فارسی الفاظ کی جمع چونکہ مختلف ہوسکتی ہے لہٰذا ان کا اندراج لغت میں کرنا چاہیے، مثلاً لفظ کتاب کی مثال لیجیے۔ لفظ ’’کتاب‘‘ لغویہ ہے لیکن ’’کتابیں‘‘ لغویہ نہیں ہے۔ اس لیے لفظ کتابیں یا کتابوں کا اندراج لغت میں نہیں ہوگا۔ البتہ لفظ کتاب کی ایک اور جمع یعنی ’’کتب‘‘ بھی ہے، چونکہ یہ اردو کے عام قاعدے سے ہٹ کر اور عربی قواعد کے مطابق بنائی گئی جمع ہے لہٰذا اس کا اندراج لغت میں کرنا ہوگا۔

اسی طرح مرکبات اگر کوئی خاص معنی رکھتے ہیں تو ان کا اندراج کرنا ہوگا لیکن عام سے معنی میں مستعمل مرکبات درجِ لغت نہیں ہوں گے۔ مثلاً ’’نوٹ تڑانا‘‘ ایک مرکب ہے۔ اس کا اندراج لغت میں کرنا ہوگا کیونکہ یہ لفظی معنی میں نہیں ہے۔ اس سے مراد نوٹ کو ہتھوڑے سے تڑانا نہیں ہے بلکہ یہ مجازی معنی میں ہے اور اس سے مراد ہے کرنسی نوٹ کو بھنانا، بڑے نوٹ کو چھوٹے نوٹوں یا سکوں میں تبدیل کرانا۔ لیکن ’’سر تڑانا‘‘ لغت میں نہیں آئے گا کیونکہ یہ مجازی یا خاص معنی نہیں رکھتا۔ ’’سر‘‘ کے معنی ’’س‘‘ کی تقطیع میں اور ’’تڑانا‘‘ کے معنی ’’ت‘‘ کی تقطیع میں درج ہوں گے اور قاری وہاں سے یہ معنی دیکھ سکتا ہے۔ گویا سر تڑانا ’’لیکسیم‘‘ یا ’’لغویہ‘‘ یا ’’لغت‘‘

نہیں ہے، سوائے اس کے کہ کسی شاعر یا ادیب نے سر تڑانا کو مجازی معنوں میں یا محاورتاً استعمال کر لیا ہو۔ البتہ ’’سر توڑ کوشش کرنا‘‘ کا اندراج لغت میں کرنا ہوگا کیونکہ یہاں ’’سر توڑ‘‘ مرادی اور مجازی معنوں میں ہے۔

اسی طرح اسمِ خاص (proper noun) بھی لغت میں درج نہیں ہوتے، ہاں اگر وہ مجازی معنی رکھتے ہیں تو درج ہوں گے۔ مثلاً ہلاکو یا چنگیز خان لغت میں ’’بہت ظالم، سفاک‘‘ کے معنوں میں آ سکتا ہے۔ حاتم طائی کا اندراج ’’بہت سخی، فیاض‘‘ کے مفہوم میں ہوگا۔ یوسف ’’بہت حسین‘‘ کے معنی میں لکھا جائے گا۔ البتہ اس طرح کے اسما کے مجازی معنی لکھنے سے پہلے ان کے معروف معنی (مثلاً حاتم طائی: عرب کا ایک شخص جو سخاوت کے لیے مشہور تھا وغیرہ) مختصراً لکھنا مجبوری ہے۔ مقامات کے ناموں کے ضمن میں یہ ہے کہ اگر ان کے کوئی دوسرے معنی ہیں تو انھیں بھی درج کرنا ہوگا، مثلاً نیشا پور اور تبریز شہروں کے نام ہونے کے علاوہ موسیقی کی اصطلاح میں راگوں کے نام بھی ہیں۔ ان مثالوں سے ہٹ کر اسم خاص (افراد یا مقامات) مثلاً دلیپ کمار یا محمد علی کلے اور کراچی یا دہلی کا اندراج عمومی لغات میں نہیں ہوتا۔ ان کا اندراج لغت کی ایک خاص قسم، جسے انسائیکلو پیڈیائی لغت یا دائرۂ معارفی لغت کہنا چاہیے، میں ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں اسمائے خاص بھی درج ہو سکتے ہیں۔ فرہنگوں میں اسمائے خاص کا اندراج اس صورت میں ہوگا کہ ان کی وجہ سے ادبی متن کی تفہیم میں مدد ملتی ہو۔ مثال کے طور پر اردو میں (اور فارسی و عربی میں بھی) بعض شہر یا جغرافیائی مقامات اپنی بعض خصوصیات کی وجہ سے معروف ہیں، مثلاً کسی زمانے میں حلب شہر کے بنے ہوئے آئینے اپنی خوبی کے لیے مشہور تھے اور اردو اور فارسی متون میں آئینۂ حلب یا آئینۂ حلبی کا ذکر ملتا ہے۔ ایسی کسی متن میں وضاحت کے لیے حلب کا اندراج فرہنگ میں کرنا مناسب ہوگا جس میں یہ ترکیب استعمال ہوئی ہو۔ اسی طرح فرضی اور داستانی مقامات مثلاً کوہِ قاف یا دیوارِ قہقہہ کا اندراج بھی لغت اور فرہنگ دونوں میں کرنا چاہیے کیونکہ یہ بسا اوقات تشریح طلب استعارے بن جاتے ہیں اور متن کی تفہیم میں ان کی وجہ سے مشکل پیش آ سکتی ہے۔ مثال کے طور پر ’’کوہِ قاف کی پری‘‘ سے ’’انتہائی حسین عورت‘‘ بھی مراد لی جا سکتی ہے، چنانچہ اس کے مرادی معنی بھی لغت اور فرہنگ دونوں میں درج ہونے چاہییں۔

☆ادبی متن کی فرہنگ نویسی: اصول اور مقاصد

افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے ہاں حالیہ برسوں میں مرتب کی گئی متون کی بعض فرہنگوں میں درج بہت سے اندراجات ’’لغت‘‘ یعنی ’’لغویہ‘‘ نہیں ہیں، یعنی ان کا اندراج بطور راس لفظ یا لیما (lemma) نہیں ہونا چاہیے تھا لیکن بعض فرہنگوں کے مرتبین نے (غالباً ضخامت بڑھانے کے خیال سے) انھیں درج کر دیا ہے اور اپنا اور دوسروں کا محض وقت ضائع کیا ہے۔ مثلاً ایک بہت معروف شاعر کے کلام کی مطبوعہ ضخیم فرہنگ میں عام سے الفاظ کی بھرمار ہے لیکن نادر الوقوع، قلیل الاستعمال اور مختلف و منفرد معنوں میں مستعمل الفاظ و تراکیب کا نام و نشان تک نہیں ملتا (نہ ہی کسی لغت کا حوالہ ملتا ہے)۔ حالانکہ ادبی متن کی فرہنگ مرتب کرنے کا ایک بنیادی مقصد ان نادر اور انوکھے الفاظ اور مرکبات کو ضبطِ تحریر میں لانا ہوتا ہے اور قاری بھی انھی الفاظ کے لیے فرہنگ سے رجوع کرے گا۔ اس فرہنگ اور مولف کا نام ازراہِ پردہ پوشی یہاں نہیں دیا جا رہا، لیکن ایسی مثالیں تو بہت ہیں جن میں فاضل مرتب نے عام

سے الفاظ کے معنی متداول لغات سے لے کر درج کر دیے ہیں اور نادر الفاظ (جو شاید انھیں ''مشکل'' لگے ہوں گے) چھوڑ دیے ہیں لیکن عام سے الفاظ کے عام معنی عام لغات سے اٹھا کر ٹانک دیے ہیں۔ چلیے چھٹی ہوئی، محنت کیے بغیر ڈگری بھی مل گئی اور کتاب بھی چھپ گئی۔ یعنی ہینگ لگی نہ پھٹکری اور رنگ بھی آیا چوکھا۔

ادبی متن کی فرہنگ کے مرتب کو سوچنا چاہیے کہ اس کام کا مقصد کیا ہے؟ ادبی متن کی فرہنگ کیوں بنائی جاتی ہے؟ اگر عام سے الفاظ اور رائج و معلوم مرکبات ہی لکھنے ہیں تو فرہنگ کی کیا ضرورت ہے؟ قاری ان کے معنی کسی بھی لغت میں دیکھ لے گا اور لغت نویس کو بھی اس کی سیکڑوں اسناد بآسانی دست یاب ہو جائیں گی۔

کسی ادیب یا شاعر کے متن کی فرہنگ مرتب کرنے سے پہلے جن نکات پر غور ضروری ہے ان کا ذکر اولگا کرپووا (Olga Karpova) نے اپنی محولہ بالا کتاب کے دیباچے میں کیا ہے (ص ٦)، ان میں سے کچھ یہ ہیں: ١۔ فرہنگ کا دائرۂ کار، ٢۔ فرہنگ کے متن کی بنیاد، ٣۔ فرہنگ کی قسم اور نوعیت، ۴۔ فرہنگ کی ساختِ صغیر، ۵۔ قاری کی ضروریات۔

ان سب کی وضاحت ہم اپنے الفاظ میں اور اردو کی مثالوں کے ساتھ پیش کرتے ہیں:

١۔ فرہنگ کا دائرۂ کار: اس سے مراد یہ ہے کہ فرہنگ میں کیا کیا کچھ شامل ہوگا۔ کیا کسی ادیب یا شاعر کی تمام تحریروں سے الفاظ لے کر اس فرہنگ کا حصہ بنائے جائیں گے یا اس ادیب کے مخصوص اور محدود متن کی فرہنگ بنے گی۔ مثلاً غالب یا اقبال کے متن کی فرہنگ بنے گی تو طے کرنا ہوگا کہ ان کی تمام تحریریں بشمول فارسی اور اردو تحریریں نیز نثر اور شاعری اس میں شامل ہوگی یا خاص خاص چیزیں ہی لی جائیں گی اور وہ خاص چیزیں یا مخصوص متن کون کون سے ہوں گے (مثلاً صرف اردو نثر یا صرف اردشاعری)۔ ایسی فرہنگوں کے نام یا عنوانات میں بھی یہ وضاحت ضروری ہوتی ہے کہ یہ اس شاعر کے فارسی کلام کی فرہنگ ہے یا اردو کلام کی، اور نثر کی ہے یا نظم کی، یا دونوں کی۔ مثلاً فرہنگِ نثر حالی، یا فرہنگِ نظمِ حالی (اردو)، وغیرہ۔ اسی طرح فرہنگِ نثر شان الحق حقی یا فرہنگِ نظمِ شان الحق حقی (یہاں نظم سے مراد صنفِ نظم نہیں ہے بلکہ مراد ہے شاعری، جس میں نظم، غزل اور دیگر شعری اصناف شامل ہیں)۔ صرف فرہنگِ حالی یا صرف فرہنگِ حقی کا مطلب ہوگا کہ اس میں نظم و نثر دونوں سے الفاظ لیے گئے ہیں۔ فرہنگِ یوسفی کے تو نام ہی سے ظاہر ہوگا کہ یہ مشاق احمد یوسفی صاحب کی اردو نثر کی فرہنگ ہوگی لہٰذا یہاں وضاحت ضروری نہیں کیونکہ یوسفی صاحب نے شاعری نہیں کی اور فارسی میں بھی کچھ نہیں لکھا۔

٢۔ متن کی بنیاد: یعنی مصنف کے متن کے کس ایڈیشن یا نسخے کو بنیاد بنایا جائے گا۔ اگر نسخہ ناقص اور غیر معیاری ہے تو فرہنگ بھی ناقص ہی رہے گی۔ صحت کے لحاظ سے درست متن اور مستند ترین نسخے کو بنیاد بنانا چاہیے۔ حالیہ برسوں میں اردو میں بعض نو آموز (بلکہ نومولود کہنا چاہیے) محققین کے مرتبہ کئی کلاسیکی متون ناقص بلکہ مضحکہ خیز اغلاط سے پُر ہیں، ان کی بنیاد پر مرتبہ فرہنگ بھی ناقص ہی ہوگی۔ بلکہ بصد معذرت عرض ہے کہ بعض پاکستانی ''کہنہ مشق محققین'' نے تجارتی مقاصد یا بقول شخصے

''کمپنی کی مشہوری'' کے لیے جو کلاسیکی متون مرتب کیے ہیں وہ بھی ناقص ہیں۔ اس سلسلے میں خاص احتیاط ضروری ہے۔ مثلاً اگر مرزا سودا کے کلام کی فرہنگ بنانی ہے تو ڈاکٹر شمس الدین صدیقی کی ''کلیاتِ سودا'' (مطبوعہ مجلس ترقی ادب، لاہور) کے متن کو بنیاد بنایا جا سکتا ہے۔ یہ اردو میں سودا کے کلام کے مستند نسخوں میں سے ایک ہے اور انھوں نے کئی قلمی نسخوں کی مدد سے یہ تدوین کی تھی۔

۳۔ فرہنگ کی قسم اور نوعیت: یعنی مجوزہ فرہنگ صرف الفاظ کی فرہنگ ہوگی یا اس میں محاورات اور مرکبات یا صنائع بدائع وغیرہ بھی شامل ہوں گے۔ جن لکھنے والوں کے ہاں محاورات بکثرت ملتے ہیں، مثلاً مولوی نذیر احمد، داغ دہلوی اور فرحت اللہ بیگ وغیرہ، ان کی فرہنگ بغیر محاورات کے شمول کے بے معنی ہوگی۔

۴۔ فرہنگ کی ساختِ صغیر: لغت یا فرہنگ کی ساختِ صغیر کو انگریزی میں مائیکروسٹرکچر (microstructure) کہتے ہیں۔ اس سے مراد ہے لغت یا فرہنگ کے اندراجات کی تفصیل اور ان کو پیش کرنے کا انداز، مثلاً یہ تفصیل کہ فرہنگ میں الفاظ کے علاوہ مرکبات شامل ہوں گے یا نہیں، تلفظ اور مختلف معنی دیے جائیں گے یا نہیں اور اگر دیے جائیں گے تو کس طرح، کیا ایک لفظ کے مختلف رائج املے دیے جائیں گے یا نہیں، الفاظ کی قواعدی حیثیت (اسم، فعل وغیرہ) لکھی جائے گی یا نہیں، ماخذ زبان اور اشتقاق کا اندراج ہوگا یا نہیں[۱۷]۔

۵۔ قاری کی ضروریات: فرہنگ کے مرتب کو دیکھنا چاہیے کہ وہ ترتیب و تدوین کا یہ کام کس کے لیے کر رہا ہے۔ اگر یہ عام قاری کے لیے ہے تو اس کے تقاضے الگ ہوں گے، اگر یہ کوئی تحقیقی منصوبہ ہے، مثلاً ایم فل یا پی ایچ ڈی کے سند کے لیے، تو اس کے تقاضے کچھ اور ہوں گے۔ اگر درسی کتاب یا نصاب میں شامل کتاب کی فرہنگ بنائی جا رہی ہے تو طالب علموں کی ضروریات اور استعداد کو مدنظر رکھنا ہوگا۔ درسی یا نصابی متون کی فرہنگوں میں تشریح آسان الفاظ میں اور بہت وضاحت سے دینی چاہیے، بعض اوقات اس تشریح کو متن کے سیاق و سباق سے بھی جوڑنا پڑتا ہے۔

ادبی متون کی فرہنگوں کی تدوین کے کئی مقاصد ہوتے ہیں اور اس ضمن میں کئی اصول اور مباحث بھی مدنظر رکھنے چاہییں، جن میں سے کچھ یہ ہیں:

۱۔ ادبی متن کی فرہنگ نگاری کا ایک بڑا مقصد کسی شاعر یا نثر نگار کے ہاں مستعمل اہم الفاظ و تراکیب بالخصوص غریب اور نامانوس، نادر الورود، قلیل الاستعمال اور عجیب اور انوکھے الفاظ (جو عام طور پر لغات میں بھی نہیں ملتے یا کم لغات میں ملتے ہیں) کو درج کرنا اور ان کے استعمال کی مثالوں کو بطور سند محفوظ کرنا ہے۔ لہٰذا فرہنگ نویس کو چاہیے کہ وہ متن سے ان الفاظ و تراکیب کے مثالیہ جملے اور اشعار درج کرتے وقت ان کا باقاعدہ حوالہ دے، کتاب کا نام اور صفحہ نمبر درج کرے اور فہرستِ اسناد و مآخذ میں ان کی مکمل طباعتی و اشاعتی تفصیلات درج کرے، مثلاً ناشر، مقامِ اشاعت (یعنی شہر کا نام)، سالِ اشاعت، ایڈیشن (اول یا دوم وغیرہ)۔

۲۔ ادبی متن کی فرہنگ کا ایک مقصد متن کی تفہیم میں، بالخصوص قدیم متون کی تفہیم میں مدد دینا بھی ہے۔ پرانے متون میں کئی لفظ مختلف مفہوم میں آئے ہیں۔ ان کے مختلف مفاہیم کو سمجھنا اور فرہنگ میں درج کرنا فرہنگ نویس کی بنیادی اور اہم ذمے داری ہے۔ بعض حضرات اور خواتین نے بغیر قدیم لغات دیکھے اپنی مرتبہ فرہنگوں میں موجودہ زمانے میں رائج معنی درج کر دیے ہیں اور یہ معنی ان کا اور قاری دونوں کا منھ چڑاتے نظر آتے ہیں اور ڈگری کے لیے لکھے جانے والے مقالات کی صورت میں ممتحنین کا بھی۔

دیکھیے رشید حسن خاں نے ادبی متن کی فرہنگوں میں معنی کے اندراج کے ضمن میں کتنی اہم بات کی ہے:

> ’’ایک بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ کچھ ایسے پرانے لفظوں سے شناسائی ہو سکے گی جن کا چلن اب نہیں رہا، یا ان کے معنی بدل گئے ہیں۔ اس طرح یہ اندازہ ہو سکے گا کہ پرانے متنوں میں ایسے لفظوں کی کتنی بڑی تعداد محفوظ ہے جو ہماری تہذیبی سرگزشت کے دھندلے نشانات بن کر رہ گئے ہیں۔۔۔۔ اس طرح وہ معنوی تفصیلات محفوظ ہو جائیں گی جن سے آگے چل کر کم سے کم لوگ واقف ہوں گے‘‘[۱۸]

۳۔ ادبی متن کی فرہنگ نگاری کا مقصد کسی ادیب یا شاعر کے ذخیرۂ الفاظ کا صرف ریکارڈ مرتب کرنا نہیں ہے بلکہ اس کا لسانی اور لغوی تجزیہ بھی ضروری ہے کہ کسی اہل قلم کے ہاں کس قسم کے الفاظ اور مرکبات استعمال ہوئے ہیں، کون سے زیادہ اور بتکرار استعمال ہوئے ہیں اور ان کی ممکنہ توجیہات کیا ہو سکتی ہیں۔ مثلاً اقبال کے اردو کلام میں لفظ ’’لالہ‘‘ بار بار آیا ہے، اس کی ممکنہ توجیہ و تشریح بھی ضروری ہے اور اس سے بھی اس لفظ کے مختلف مرادی و مجازی مفاہیم پر روشنی پڑے گی۔

۴۔ ایک اور اہم مقصد ان لفظیات، بالخصوص کلاسیکی متون کی لفظیات، کا سماجی، تاریخی اور تہذیبی تجزیہ کرنا بھی ہے۔ کوئی لفظ کیوں رائج تھا اور کیوں متروک ہو گیا۔ جب کلچر تبدیل ہوتا ہے تو لفظ بھی بدل جاتے ہیں یا ان کا مفہوم بدل جاتا ہے۔ سماجی اور تہذیبی تجزیے میں اس تاریخی تبدیلی کو مدنظر رکھنا چاہیے۔ الفاظ اور محاورات کا تہذیبی اور سماجی تجزیہ کرنا ضروری ہے۔ مثلاً شریف احمد قریشی نے ’’فرہنگِ فسانۂ آزاد اور اس کا عمرانی، لسانیاتی مطالعہ‘‘ کے عنوان سے جو ضخیم کام کیا ہے اس میں فرہنگ سازی کے علاوہ تقریباً ساٹھ ستر صفحات میں اس کا تجزیہ بھی کیا ہے (دہلی: عاکف بک ڈپو، ۲۰۰۰ء)۔ اس طرح یہ کام محض الفاظ کی ’’کھتونی‘‘ نہیں ہے اور دیگر لحاظ سے بھی مفید ہو گیا ہے۔

۵۔ لسانیات کا مسلمہ اصول ہے کہ زبان بدلتی ہے اور لفظ بھی معنی بدلتے ہیں۔ یہ تبدیلی علاقائی اور جغرافیائی بھی ہوتی ہے اور سماجی اور طبقاتی بھی۔ زبان میں علاقائی اور جغرافیائی تبدیلی علاقائی تحتی بولیوں (regional dialects) کی صورت میں نمایاں ہوتی ہے اور طبقاتی اور سماجی تبدیلی عوامی بولی یا عوام کے مختلف طبقات کی بولیوں (social dialects) کی صورت میں سامنے آتی ہے۔ ادبی فرہنگ کے مرتب کو اس لحاظ سے بھی تجزیہ کرنا چاہیے اور حواشی میں وضاحت کرنی چاہیے کہ کسی لفظ کے معنی کس طرح علاقے یا طبقے کے لحاظ سے بدلے ہیں۔ مثلاً لفظ ’’بُوا‘‘ بھوپال کی اردو میں مسلمان خادمہ کے لیے استعمال ہوتا ہے جبکہ یوپی کے ہندو اسے باپ کی بہن کے لیے بولتے ہیں لیکن یوپی میں مسلمان عورتیں برابر

والیوں کو بوا کہہ کر مخاطب کرتی ہیں[۱۹]۔ اس فرق کو ملحوظ رکھنا ہوگا، بالخصوص کلاسیکی متون میں ورنہ متن کی درست تفہیم ناممکن ہوگی بلکہ فرہنگ گمراہ کن ثابت ہوگی۔ اسی طرح باغ و بہار میں ''رنڈی'' کا لفظ عورت اور عام عورت کے معنی میں آیا ہے۔ طوائف کے معنی بعد میں پیدا ہوئے ہیں۔ نوطرزِ مرصع میں ''مجرا'' کا لفظ سلام کے معنی میں آیا ہے۔ طوائف کے مجرے کا مفہوم بعد میں پیدا ہوا۔ ان سب امور کا فرہنگ نویس کو خیال رکھنا چاہیے۔ ''سُپاری'' کا لفظ اردو میں چھالیہ کے معنوں میں مستعمل ہے لیکن سلینگ زبان میں اس کا مطلب ہے کرائے کے قاتل کو قتل کی اجرت کی پیشگی جزوی ادائی۔ اسی طرح صحیح لفظ ''شہرت'' ہے اور لفظ ''مشہوری'' کا شہرت کے معنوں میں استعمال معیاری زبان میں درست نہیں مانا جاتا لیکن عوامی اور بازاری زبان میں اس کا استعمال ہوتا ہے (جیسے بعض مجمعے باز اتائی اور نیم حکیم خانہ ساز دوا بیچتے وقت کہتے ہیں کہ ''کمپنی کی مشہوری'' کے لیے دوا سستی فروخت کی جا رہی ہے)۔ مفہوم میں ہونے والی اس قسم کی طبقاتی اور جغرافیائی تبدیلیوں پر بھی فرہنگ نویس کی نظر ہونی چاہیے۔

۶۔ ایک لفظ کے کئی کئی معنی ہو سکتے ہیں اور ہوتے ہیں۔ لیکن فرہنگ نویس جس لفظ کا اندراج اپنی فرہنگ میں بطور ''لیما'' کرے گا اس کے صرف وہی معنی درج کرے گا جو اس شاعر یا ادیب کے اس جملے یا مصرعے/شعر سے نکل رہے ہیں جسے فرہنگ میں بطورِ سند پیش کیا جا رہا ہے۔ مثلاً لفظ ''میدان'' کے سترہ (۱۷) معنی اردو لغت بورڈ کی لغت میں درج ہیں لیکن اگر اقبال کی فرہنگ بناتے ہوئے لفظ ''میدان'' کی سند کے طور پر بانگِ درا میں شامل نظم ''شکوہ'' کا یہ مصرع پیش کیا جا رہا ہے:

؎ پاؤں شیروں کے بھی میداں سے اکھڑ جاتے تھے

تو اس میں میدان کے معنی رزم گاہ یعنی میدانِ جنگ ہیں۔ باقی سولہ (۱۶) معنی اس کے ساتھ لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر کسی شاعر یا ادیب کے ہاں ایک لفظ دو مختلف معنوں میں آیا ہے تو دونوں کی الگ الگ شقیں بنا کر (مثلاً ایک اور دو، یا الف اور ب) ہر معنی کے ساتھ متعلقہ مفہوم کی سند لکھی جائے گی، یہ نہیں کہ پہلے دونوں معنی لکھ دیے اور پھر دونوں اسناد دے دیں۔ ہمارے کچھ ''فاضل'' فرہنگ نویسوں نے ایسا کیا بھی ہے اور قاری سوچتا رہ جاتا ہے کہ کس معنی کی سند کون سا مصرع یا شعر ہے۔ گویا فرہنگ میں کسی لفظ کے کئی معنی لکھنے کی بجائے صرف وہ معنی لکھے جائیں گے جو اس لفظ یا ترکیب کی سند سے نکل رہے ہیں۔ ہاں اگر ایک ہی لفظ کی اسناد مختلف معنوں کی ہیں تو باری باری نمبر لگا کر وہ سب معنی اسناد کے ساتھ بالترتیب درج کیے جائیں گے۔

۷۔ ہر شاعرانہ ترکیب یا استعارہ لغت نہیں ہوتا یعنی لغت یا فرہنگ میں بامعنی اور تشریح طلب لفظ کے طور پر ہر استعارہ بطور لیما درج نہیں ہو سکتا۔ اکثر شاعر لفظوں میں مختلف قسم کے شعری پیکر تراشتے ہیں جسے انگریزی میں امیجری (imagery) کہا جاتا ہے۔ اسی طرح شاعر نئی تشبیہات بھی گھڑتے ہیں۔ لیکن ہر نوآموز شاعر کی ہر امیجری اور ہر تشبیہ فوراً ہی لغت میں درج ہونے کا اعزاز نہیں پا سکتی تاوقتے کہ اس کا استعمال اوروں کے ہاں بھی نہ ہو۔ ہاں البتہ بڑا شاعر زبان بناتا ہے۔ بڑے اور عالم شاعر کی

زبان سند مانی جاسکتی ہے۔

۸۔ محاورے اورضرب المثل (یعنی کہاوت) کے الفاظ میں تصرف جائز نہیں، لیکن شاعری میں وزن یا دیگر وجوہ کی بنا پر بسا اوقات شعرا محاوروں کے الفاظ کی ترتیب بدل دیتے ہیں۔ یہ شعرا کے لیے جائز ہے۔ لیکن فرہنگ میں ان کا اندراج کرتے ہوئے محاورے کے الفاظ کی ترتیب کو درست کر دیا جائے گا۔ مثال کے طور غالب کا مصرع ہے:

؎ صبح کرنا شام کا لانا ہے جوے شیر کا

محاورہ جوے شیر لانا یا جوے شیر کا لانا ہے۔ لہٰذا جب فرہنگ میں اس کا اندراج ہوگا تو حرف لام کی تقطیع میں ''لانا جوے شیر کا'' کی صورت میں نہیں ہوگا بلکہ جیم کی تقطیع میں ''جوے شیر لانا'' کی صورت میں ہوگا اور سند میں یہی مصرع لکھا جائے گا (مع حوالۂ نسخہ و صفحہ نمبر)

۹۔ بعض شعرا خصوصاً کلاسیکی شعرا کے ہاں بعض علوم وفنون کی اصطلاحات کثرت سے ہیں جن سے آج کا عام طالب علم واقف نہیں ہے۔ مثال کے طور پر حکیم مومن خاں مومن کے قصیدوں میں نجوم اور طب کی اصطلاحات بکثرت ہیں (مومن طب اور نجوم دونوں سے بخوبی واقفیت رکھتے تھے)، جس شخص کو ان علوم کی اصطلاحات سے اچھی خاصی آگہی نہ ہو اسے مومن کے قصائد کی مفصل فرہنگ کیا مختصر سی فہرست بھی بنانے کی جسارت نہیں کرنی چاہیے۔ اساتذہ کو چاہیے کہ طالب علموں کو فرہنگ کا کام بطور مقالہ تفویض کرتے ہوئے ان کی صلاحیتوں اور دل چسپیوں کو بھی مدنظر رکھیں۔

۱۰۔ لغت میں معنی کے اندراج کے لیے مستند لغات سے مدد لینی چاہیے اور فہرستِ مآخذ میں ان کے نام اور طباعتی تفصیلات ضرور دینی چاہییں ورنہ یہ ایک طرح سے سرقہ بھی کہلا سکتا ہے (فہرستِ مآخذ سے مراد فہرستِ اسنادِ محولہ ہے جسے پہلے کتابیات یا ببلیوگرافی بھی کہا جاتا تھا لیکن اب کتابیات یا ببلیوگرافی کا لفظ ایک مخصوص اور مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور اب اردو والوں کو بھی چاہیے کہ کتابیات کی اصطلاح کو باقی دنیا کی طرح فہرستِ مآخذ کے معنی میں استعمال کرنا ترک کر دیں)۔

۱۱۔ اسی طرح اسناد لکھنے کے بعد کتاب کا نام اور صفحہ نمبر (جس سے وہ اسناد لی گئی ہیں) ضرور لکھنا چاہیے اور ان کتابوں/دواوین کی طباعتی تفصیلات مع ایڈیشن کے اور مصنف (اور مرتب اگر کوئی ہو) کے نام کے ساتھ ضرور فہرستِ مآخذ میں لکھنا چاہیے۔

۱۲۔ بعض طالب علم فرہنگ بنانے کا کام عام سی کاپیوں یا رجسٹروں پر شروع کر دیتے ہیں اور بعد میں پچھتاتے ہیں کیوں کہ قدم قدم پر نئے الفاظ کا اضافہ فہرست میں ہوتا ہے اور نئے اندراجات کی الف بائی ترتیب میں گنجائش ہی نہیں رہتی۔ اس سلسلے میں کارڈوں یا کاغذ کے بڑے ٹکڑوں کا استعمال صحیح رہتا ہے۔ لائبریری کے کیٹلاگ میں استعمال ہونے والے یا اس سے ذرا بڑے کارڈ استعمال کرنے چاہییں۔ لیکن بسا اوقات کارڈوں کی ضخامت کی وجہ سے انھیں سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اگر اے فور (A4) کی پیمائش کے کاغذ کو چوڑائی میں دو برابر حصوں میں کاٹ لیا جائے تو اس میں خاصی گنجائش ہوتی

ہے اور لفظ، اس کا تلفظ، قواعدی حیثیت، مختلف معنوں کی شقیں اور ان کی اسناد ایک ہی کاغذ میں سما جاتی ہیں۔ ان کاغذات کو الف بائی ترتیب میں مرتب کرنا اور ان کے درمیان نئے اندراجات کا اضافہ کرنا آسان رہتا ہے۔

۱۳۔ اندراجات کے کارڈ بنانے کے بعد ان کو حروف کار یعنی کمپوزر کو دینے سے قبل الف بائی ترتیب میں رکھ کر ان پر شمار کا عدد لکھ لینا چاہیے۔ پھر انھیں ایک کونے سے جلد ساز کی طرح مضبوط دھاگے میں پرو لینا چاہیے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اگر کمپوزر کی غفلت یا کسی اور وجہ سے کوئی کاغذ گم بھی ہو جائے تو شمار کے عدد سے گم شدگی کا علم ہو جائے گا۔

۱۴۔ ان کاغذوں یا کارڈوں کی ایک نقل، خواہ ہاتھ سے لکھی ہوئی خواہ فوٹو کاپی کی صورت میں، اپنے پاس رکھنی چاہیے تاکہ خدانخواستہ کسی حادثاتی صورت حال کے نتیجے میں ساری محنت اکارت نہ ہو جائے۔

۱۵۔ فرہنگ نویس کو عام سے اور ہر لغت میں مل جانے والے الفاظ اور مرکبات درج کرنے سے گریز کرنا چاہیے کیونکہ یہ کام لا مرکبات، اصطلاحات، محاورات، کہاوتیں وغیرہ مع اسناد پیش کی جائیں۔ اس کے علاوہ متروک معنی یا مجازی معنی یا ایسے معنی جو کم ہی لغات میں درج ہیں بھی بہت اہمیت رکھتے ہیں کیونکہ یہ اردو لغت اور اردو زبان کو ثروت مند بنانے کا عمل ہے۔ بعض اردو لغات میں بعض معنی بغیر کسی سند کے درج کر دیے گئے ہیں حالانکہ لغت نویسی میں سند شرط ہے (اردو لغت بورڈ نے محض دیگر لغات کا حوالہ دے کر سیکڑوں الفاظ کے معنی لکھ دیے ہیں۔ یہ نقل در نقل ہے جو اردو لغات کی عام بیماری ہے)، ایسے الفاظ کے استعمال کی سند اگر فرہنگ میں دے دی جائے تو یہ بھی اردو لغت میں اہم اضافہ تصور کیا جائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ اردو لغت بورڈ کی لغت کی تدوین نو کے وقت ادبی متون کی ایسی تمام فرہنگوں کا مطالعہ لازمی ہوگا جو نئے، نادر اور غریب الفاظ، متروک معنی اور ان کی اسناد مہیا کر سکیں۔ یہ کام ہمارے نوجوان محققین کو ضرور کرنا چاہیے۔

استعمال کی سند کی اہمیت یہ ہے کہ لفظ کے معنی استعمال ہی سے طے ہوتے ہیں۔ دراصل شاعر اور ادیب ہی زبان میں اضافہ کرتے ہیں اور ان کی تحریروں میں بسا اوقات نئی تراکیب یا پرانے الفاظ کے نئے معنی ملتے ہیں جو وقت کے ساتھ رائج بھی ہو جاتے ہیں۔ شعرا اور ادبا کا نادر و قلیل الاستعمال الفاظ یا تراکیب کا اپنی تحریر میں استعمال کرنا یا شاذ معنوں میں ان کو برتنا دراصل لغت نویس کے لیے بہت اہم ہوتا ہے کیونکہ لغت میں کسی لفظ یا اس کے مفہوم کے اندراج کے لیے سند درکار ہوتی ہے اور یہ سند جملے یا مصرعے میں لفظ کے استعمال ہی کی صورت میں ہوتی ہے۔ اس طرح مختلف طرح کے متون (ادبی و غیر ادبی دونوں طرح کے) سے الفاظ یا ان کے معنی اخذ کر کے لغت مرتب کی جاتی ہے۔

امید ہے ہمارے فرہنگ نویس محض ڈگری کے لیے یہ کام نہیں کریں گے بلکہ ہماری خوب صورت اور باثروت زبان کو مزید خوب صورت اور ثروت مند بنانے کے جذبے سے فرہنگ نویسی کی ذمے داری اٹھائیں گے۔

حواشی:

۱۔ مثلاً آر آر کے ہارٹ مین اور گریگری جیمز (R.R.K. Hartmann and GregoryJames)، کی کتاب Dictionary of lexicography ، (لندن: روٹلج، ۱۹۸۸ء) نیز بی ٹی اٹکنس اور مائیکل رنڈل (B.T. Atkins and Michael Rundell) ، کی کتاب The Oxford guide to practical lexicography، (اوکسفرڈ: ۲۰۰۸ء) (ص ۳۵۔۱۷) میں بھی یہی تعریف کچھ الفاظ کے فرق کے ساتھ ملتی ہے۔ Concise Oxford Englsih Dictionary نے بھی کم وبیش یہی لکھا ہے، ملاحظہ ہو اس کا گیارھواں ایڈیشن، ۲۰۰۶ء۔

۲۔ یہ معنی بھی کئی فارسی لغات میں درج ہیں، مثلاً: فرہنگ جامع: فارسی بہ انگلیسی و اردو (اسلام آباد: رایزنی فرہنگی سفارت جمہوری اسلامی ایران، ۲۰۰۳ء)، اشاعتِ ثانی۔

۳۔ مختلف لغات میں یہ مفاہیم موجود ہیں، مثلاً المنجد (عربی۔اردو)، (کراچی: دارالاشاعت، ۱۹۷۵ء)۔

۴۔ تفصیلات کے لیے: آر آر کے ہارٹ مین اور گریگری جیمز ، محولہ بالا، ص ۶۱؛ نیز بی ٹی اٹکنس اور مائیکل رنڈل، محولہ بالا، ص ۳۵۔۱۷

۵۔ آر آر کے ہارٹ مین اور گریگری جیمز، محولہ بالا۔

۶۔ تفصیلات کے لیے: ہارٹ مین، محولہ بالا، نیز سڈنی آئی لینڈو (Sydney I. Landau)، Dictioanries: the art and craft of lexicography ، (نیویارک: چارلس اسکربنرز، ۱۹۸۴ء)، ص ۲۲۔۲۰؛ گیان چند، عام لسانیات، (دہلی: ترقی اردو بیورو، ۱۹۸۵ء)، ص ۵۶۱۔۵۵۶؛ رؤف پاریکھ، علمِ لغت، اصولِ لغت اور لغات (کراچی: فضلی سنز، ۲۰۱۷ء)، ص ۴۸۔۴۷

۷۔ ہارٹ مین اور گریگری جیمز، محولہ بالا۔

۸۔ ایضاً۔

۹۔ اولگا کرپووا، (Olga Karpova) ، Englsih author dictionaries (ٹائین، کیمرج اسکالرز پبلشنگ، ۲۰۱۱ء)، ص ۶۔۵۔

۱۰۔ رؤف پاریکھ، اردو میں لسانی تحقیق و تدوین: گزشتہ چند عشروں میں، (کراچی: اکادمی بازیافت، ۲۰۱۳ء)، ص ۶۹۔۶۸

۱۱۔ ایضاً۔

۱۲۔ ہارٹ مین اور گریگری جیمز، محولہ بالا۔

۱۳۔ اولگا کرپووا، محولہ بالا، ص ۷۔۶

۱۴۔ مشمولہ تحقیق، شعبۂ اردو، سندھ یونی ورسٹی، جام شورو، شمارہ ۳۱، جنوری۔جون ۲۰۱۶ء، ص ۱۷۱۔۱۵۴

۱۵۔ تفصیلات کے لیے دیکھیے: بوسونسن (Bo Dveneson) کی کتاب A handbook of lexicography (کیمرج یونی ورسٹی پریس، ۲۰۰۹ء)، بالخصوص پانچواں باب۔ نیز ایم اے کے ہالی ڈے و دیگر (M.A.K. Halliday and others)، Lexicology and corpus linguistics ، (لندن: کنٹی نیئم، ۲۰۰۴ء)، ص ۶؛ اس کے علاوہ راقم کی کتاب علمِ لغت، اصولِ لغت اور لغات (کراچی: فضلی سنز، ۲۰۱۷ء) (ص ۱۸۔۱۷) میں بھی اس موضوع پر کچھ معلومات اور دیگر حوالہ جات درج ہیں۔

۱۶۔ رؤف پاریکھ، علمِ لغت، اصولِ لغت اور لغات، محولہ بالا، ص ۱۶۔

۱۷۔ ایضاً، ص ۲۴۔

۱۹۔ گیان چند جین، لسانی مطالعے (دہلی: ترقی اردو بیورو، ۱۹۹۱ء) ص ۱۶۶ (تیسرا ایڈیشن)۔

ABSTRACT

The services of Dr. Nabi Bukhsh khan Baloch in Arabic Literature

Dr N.A Baloch remained a renowned and great scholar of Sindh. He was ward recognized authority on Sindhi language. Linguistic, Latifiat and Folk literature as well as in Arabic and Persian.

This article is about the services rendered by Dr. Baloch in Arabic literature. The article is divided in to two parts. The 1st part is about the early life etc and association in Arabic literary services.

Dr. N.A Baloch has the honor of literary services not only in Sindhi, Urdu but also in Arabic languages, he has a great number of articles to his credit. This article is about the services of Dr. Baloch with reference to Arabic literature.

ڈاکٹر محمد انس راجپر

ڈاکٹر محمد علی لغاری

ڈاکٹر نصر اللہ کابورو

ڈاکٹر حافظ عبد الغنی

عربی ادب میں ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ کی خدمات

یہ مقالہ ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ کی عربی ادب کی خدمات پر مشتمل ہے، اور اس کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصے میں ان کی ابتدائی زندگی، پیدائش، تعلیم وغیرہ پر اظہار خیال کیا گیا ہے جب کہ دوسرے حصے میں عربی ادب میں ڈاکٹر بلوچ کے ذوق وشوق اور گہری وابستگی کے جملہ محرکات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ کا شمار ایسی شخصیات میں ہوتا ہے جنھوں نے بیک وقت اردو سندھی اور عربی زبانوں میں گراں قدر تحقیقی کام سرانجام دیے۔ آپ کی تحریروں کا دائرہ بے حد وسیع ہے جس کا احاطہ کرنے کے لئے ضخیم کتاب کی ضرورت ہے چناں چہ اس مقالے میں آپ کی عربی ادب کے حوالے سے خدمات کو پیش کیا جا رہا ہے۔ تا کہ اردو دان طبقہ آپ کی عربی ادب میں کی جانے والی کاوشوں سے آگاہ ہو سکے۔

ڈاکٹر نبی بخش خان ولد علی محمد خان لغاری بلوچ کی ولادت ۱۹۱۹ء میں، ان کے آبائی گاؤں جعفر خان لغاری ضلع سانگھڑ، سندھ میں، ان کے نانا کے گھر میں ہوئی۔ اسکول ریکارڈ کے مطابق ان کا سن ولادت ۱۹۱۷ء ہے۔ انھوں نے اپنے گاؤں میں اپنے نانا

کے ہاں سے قرآن شریف اور ابتدائی دینی تعلیم حاصل کی[۱]۔ اس کے بعد ۱۹۲۴ء میں قریبی گاؤں، پلیو لغاری میں سندھی پڑھنے کے لیے بٹھائے گئے۔ مذکورہ اسکول میں چوتھے درجے کا جب امتحان دیا تو ممتحن نے اسکول کے رجسٹر پر نوٹ لکھا کہ: ''یہ لڑکا ہوشیار ہے، اس کو اسکالرشپ کا امتحان دلوا کر انگریزی پڑھوانی چاہیے۔''

اس زمانے میں سندھی چوتھا درجہ پاس کرنے والے ہوشیار طالب علم کو انگریزی پڑھانے کے لئے اسکالرشپ کے مقابلے کے امتحان میں بٹھایا جاتا تھا۔ ڈاکٹر صاحب ۱۹۲۹ء میں مدرسہ ہائی اسکول نوشہرو فیروز میں انگریزی پڑھنے کے لئے بٹھائے گئے۔[۲]

۱۹۳۲ء میں مخدوم امیر احمد[۳] مدرسہ ہائی اسکول میں عربی کے استاد مقرر ہوئے تھے، یہ پہلا سال تھا جب مدرسہ ہائی اسکول میں اس زمانے میں انگریزوں کی طرف سے چوتھی کلاس سے عربی پڑھانے کی اجازت دی گئی تھی۔[۴]

مخدوم امیر احمد صاحب مخادیم کھوڑا کے نام ور علمی اور روحانی گھرانے کے چشم و چراغ تھے، ان کی تحقیقی خدمات آج بھی علمی حلقوں میں مشعل راہ کا کام دے رہی ہے۔ دوران تدریس آپ نے اسکول میں عربی پڑھانے کا ماحول بنایا، طلبا کی ذہن سازی کی، عربی کو قابل توجہ مضمون بنایا، طلبا میں اس کا شوق اور جذبہ جگایا۔ ڈاکٹر بلوچ نے ایک انٹرویو میں بتایا کہ:

> ''ہماری خوش قسمتی تھی کہ مخدوم موصوف جیسا لائق و فائق استاد ہم کو ملا، جس نے عربی زبان کا ہمارے اندر ایک خاص ذوق پیدا کیا اس ابتدائی ذوق کی ہی برکت تھی کہ ایم اے تک میں نے عربی میں تعلیم حاصل کی''۔[۵]

ڈاکٹر بلوچ کو نہ صرف مخدوم امیر احمد سے عربی کا ذوق ملا بلکہ قدرت نے بھی ان کی اس طرف رہنمائی کی۔ یہی سبب تھا کہ آپ کو ایسے استاد ملے جنھوں نے انگلی پکڑ کر انھیں عربی کی تحصیل میں آگے بڑھایا اور یوں آپ ہر مرحلہ پر دوسرے مضامین کے مقابلہ میں عربی میں زیادہ نمبروں سے کام یاب ہوتے رہے۔

۱۹۲۸ء میں ڈاکٹر بلوچ نے بہاء الدین ڈگری کالج جونا گڑھ میں داخلہ لیا۔ جونا گڑھ میں انٹر آرٹس میں ڈاکٹر بلوچ عربی مضمون جس استاد کے پاس پڑھتے تھے، وہ مخدوم امیر احمد کی طرح عربی کے ماہر استاد تھے۔ وہ تھے پروفیسر وائی ایس طاہر علی صاحب[۶] بڑے ہی لائق استاد تھے۔ تقسیم ہند کے بعد ہجرت کر کے حیدر آباد آ گئے تھے، جہاں ۱۹۹۰ء میں ان کی وفات ہوئی، ان کا ذخیرۂ کتب ان کے نام سے ریسرچ لائبریری سندھیالوجی سندھ یونیورسٹی میں قائم کارنر میں محفوظ ہے۔ یہ عربی میں ڈاکٹر صاحب کے استاد تھے، دوسری طرف ان کی دل چسپی کا مضمون تھا ریاضی، ایک ہندو استاد جناب راؤ صاحب ریاضی میں ان کے استاد تھے۔ جو ریاضی کے بڑے ماہر تھے۔ ڈاکٹر بلوچ نے انٹر میں منطق کے بجائے ریاضیات اختیاری مضمون کے طور پر چنا تھا۔ راؤ صاحب کی ذہانت سے متاثر ہو کر اس مضمون میں بہت خوب محنت کی تھی اور انٹرمیڈیٹ کے امتحانات میں سب سے زیادہ نمبر ریاضی میں حاصل کئے تھے۔ راؤ صاحب نے انھیں ترغیب دی کہ ریاضیات میں بی اے کریں، لیکن ڈاکٹر بلوچ کے عربی میں بھی بہترین نمبرز آ گئے، اس طرح جناب پروفیسر وائی ایس طاہر علی کی تلقین نے انھیں عربی کا مضمون اختیار کرنے کی طرف کھینچ لیا۔[۷]

عربی کے ساتھ فارسی کی تدریس:

جونا گڑھ کالج میں ڈاکٹر بلوچ نے اختیاری مضمون کے طور پر فارسی بھی پڑھی۔ پروفیسر محمد علی ترمذی صاحب ان کے فارسی کے استاذ تھے۔ ڈاکٹر بلوچ بتاتے ہیں کہ ان کا طریقہ تدریس محققانہ اور استفسار پر مبنی تھا۔ طالب علموں کو غور وفکر کی تربیت دیتے تھے۔ خود سوال کرتے تھے اور جواب معلوم کرتے تھے۔ غور وفکر کے نئے پہلو بتاتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک فارسی غزل پڑھاتے ایسٹرانامی، ستاروں کی گردش وغیرہ کا ذکر آیا تو علم فلکیات کے بارے میں ایسی مفید معلومات فراہم کی کہ فزکس کا کوئی پروفیسر بھی نہ بتا سکے۔ اصل جونا گڑھ کے رہنے والے تھے، ولادت وپرورش بھی وہیں ہوئی۔ لباس بھی وہاں کا پہنتے تھے۔ عمامہ بھی وہاں کا باندھتے تھے۔ شلوار بھی اسی طریقہ کی پہنتے تھے۔ بڑے دانا آدمی تھے، دکھتے ہی نہیں تھے کہ کوئی فارسی دان ہیں۔ لیکن ان کا فارسی پڑھانا اور تشریح لاجواب ہوتی تھی۔[۸]

یہ اختیاری مضمون کے طور پر تھا، جس میں آپ نے محنت کی اور فارسی میں اچھی خاصی دسترس حاصل کی۔ ڈاکٹر بلوچ کو ذاتی طور پر جو عربی کا ذوق وشوق تھا، اس نے انھیں صرف کالج کی تدریس پر قانع نہ چھوڑا۔ وہ عربی کو بہتر بنانے کی کوشش کرتے رہے اور اس کے لیے جونا گڑھ شہر کی ایک مسجد تھی، جو ''نیلی مسجد'' کے نام سے مشہور تھی، اس کے پیش امام عربی کے بڑے فاضل تھے۔ ڈاکٹر صاحب فرصت کے اوقات میں ان کے پاس جاکر ''قصیدہ ابن درید'' پڑھتے تھے۔ اس سلسے میں ڈاکٹر بلوچ نے بتایا کہ:

میرا خاص مضمون عربی تھا۔ کالج میں جو پڑھاتے تھے، سو پڑھاتے تھے، اچھا پڑھاتے تھے! لیکن میری خواہش تھی کہ میں بہتر طرح سے پڑھوں، مجھے معلوم ہوا کہ کوئی مولوی صاحب ہے، جو عربی جانتا ہے۔ میں نے خیال کیا کہ میں مولوی صاحب کے پاس جا کر پڑھوں۔ پھر مجھے پورے طور پر یاد نہیں آتا، عصر کے بعد یا مغرب کے بعد مولوی صاحب کے پاس گیا، جنھوں نے مجھے ''قصیدہ ابن درید'' پڑھایا۔[۹]

جونا گڑھ سے تعطیلات پر ڈاکٹر بلوچ جب سندھ آئے تو مخدوم امیر احمد سے بھی پرائیویٹ عربی ''قصیدہ ابن درید'' پڑھا، انھوں نے لکھا ہے کہ:

> ''بندہ راقم جب جونا گڑھ میں تھا، اس وقت انٹر آرٹس کے عربی کورس میں ابن درید کا قصیدہ، جو ''مقصورہ ابن درید'' کے نام سے مشہور ہے، شامل تھا۔ میں کالج کی کلاسوں کے علاوہ اپنے طور پر قصیدہ کو سمجھنا چاہتا تھا۔ اس لئے تعطیلات میں نواب شاہ جا کر مخدوم صاحب سے مقصورہ پڑھنے کا ارادہ کیا۔ مخدوم صاحب نے بغیر کسی تکلف کے یہ مکمل مقصورہ مجھے لفظ بلفظ سمجھایا۔''[۱۰]

کالج کے بعد ۱۹۲۱ء میں ڈاکٹر صاحب مسلم یونیورسٹی میں داخلے کے لئے پہنچے، اور ایم اے کے لئے عربی شعبہ میں اور ایل ایل بی کے لئے قانون کے شعبہ میں داخلہ لیا۔ یہاں پر عربی کے جو استاد ملے ان کے بارے میں ڈاکٹر بلوچ کا کہنا ہے کہ:

> ''میں نے علی گڑھ میں عربی شعبے میں پڑھا، لیکن عربی شعبہ میں صرف عربی زبان ہی نہیں تھی، کلچر، سولائیزیشن، اسلامی تہذیب وتمدن بھی پڑھاتے تھے۔ عربی کی کتب میں بھول گیاں ہوں: نفحتہ العرب، مقامات حریری تک

> نصاب کی کتب پڑھاتے تھے۔ مشہور شاعر شوقی کی کتاب پڑھی، وہاں کی تدریس کا طریقہ بمبئی اور دوسرے کالجوں کی تدریس سے مختلف تھا۔ یہاں بمبئی کھاتے میں ہم جو پڑھ کر گئے، تو صرف متن و معنی پڑھائے جاتے تھے، وہاں متن پر پروفیسر جو خود تقریر کرتے تھے وہ بڑی بات تھی۔ ان پروفیسرز میں سب سے بڑھ کر بڑے قابل آدمی علامہ عبدالعزیز میمن[۱۱] ہوتے تھے، وہ پڑھاتے تھے تو بیٹھے باتیں کرتے تھے۔ ہم سمجھتے تھے کہ باتیں کر رہے ہیں، لیکن وہ ان میں ادب کی بہت بڑی اور اہم باتیں اور مفاہیم بتا اور سمجھا جاتے تھے‘‘۔[۱۲]

ڈاکٹر بلوچ نے لکھا ہے کہ شروع میں انھیں وکیل بننے کا شوق تھا، تا کہ آزادی کے ساتھ قومی آزادی کے لیے کام کر سکوں، اس وجہ سے قانون کے شعبہ کی کتابوں پر ان کی زیادہ توجہ رہی، ڈاکٹر بلوچ ایل ایل بی میں فرسٹ ڈویژن میں کام یاب ہوئے، ان کے وکیل بننے کے امکانات روشن ہو چکے تھے، لیکن جب ایم اے کے نتائج آئے تو ڈاکٹر بلوچ فرسٹ ڈووژن فرسٹ میں کام یاب ہوئے تھے۔ اس زمانے میں اس طرح کی کام یابی پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے کے لئے مزید پچاس روپے ماہانہ وظیفہ ملتا تھا۔ ڈاکٹر بلوچ کو ان کے عربی کے استاد علامہ عبدالعزیز میمن نے خوش ہو کر کہا: ’’خورشید احمد اپنا کام مکمل کرنے والا ہے، اب آپ کی باری ہے، آپ رہ جائیں اور ’’السند تحت سیطرۃ العرب‘‘ پر کام کریں‘‘۔[۱۳] یوں ان کے مستقبل کا رخ تبدیل ہو گیا۔

انہوں نے استاد کا حکم سر آنکھوں پر رکھا۔ یہ وہ محرکات تھے جنھوں نے آپ کو یکے بعد دیگرے عربی میں اپنی صلاحیتیں منوانے کا موقع فراہم کیا۔ اور آپ نے ڈاکٹریٹ کے لیے عربی کو ہی ترجیح دی۔

ڈاکٹریٹ کا مقالہ:

ایم اے عربی میں فرسٹ ڈووژن فرسٹ حاصل کرنے کے بعد آپ کو ڈاکٹریٹ کرنے کے لئے تین سال کے لئے وظیفہ ملنا منظور ہوا۔ ڈاکٹریٹ کے لئے شعبۂ عربی کے صدر پروفیسر عبدالعزیز میمن کے مشورے کے مطابق ’’السند تحت سیطرۃ العرب‘‘ یعنی ’’سندھ زیر عرب‘‘ کا عنوان منتخب کیا گیا اور ڈاکٹر بلوچ نے دن رات صرف کر کے مذکورہ عنوان پر تحقیق کرنا شروع کر دی۔ پروفیسر عبدالعزیز میمن ان کے نگران مقرر ہوئے۔ جن کے ساتھ دفتر ہو یا گھر جب فرصت محسوس کرتے جا کر ملاقات کرتے اور استفادہ کرتے۔ پروفیسر عبدالعزیز میمن ان کی ہر مسئلہ میں رہنمائی بھی کرتے تھے، ڈاکٹر بلوچ کی گذارش پر مختلف علما کی طرف سفارشی خطوط بھی لکھ کر دیتے تھے، کہ وہ ان کی مدد کریں۔ انھوں نے اپنی ذاتی لائبریری کی چابی انھیں سپرد کر دی تھی اور انھیں اجازت دے رکھی تھی کہ اس سے دل کھول کر استفادہ کریں۔ ڈاکٹر صاحب نے عزم کر لیا تھا کہ لٹن لائبریری میں جو بھی عربی و فارسی کتب موجود ہیں، وہ سب مطالعہ کریں گے۔[۱۴] جب کتاب کو مکمل کر لیتے تھے، اس کی آخر میں باریک خط میں ’’عثمان سندھی‘‘[۱۵] لکھ دیتے تھے۔ ان کے استاد یہ دیکھ کر مطمئن ہوتے تھے کہ ڈاکٹر صاحب کام کر رہے ہیں۔ پروفیسر عبدالعزیز میمن نے انھیں جن باہر کے علما سے استفادہ کے لئے خطوط لکھ کر دئے تھے، ان میں قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھ والے،[۱۶] ڈاکٹر عمر بن محمد داؤد پوتہ سندھ، پروفیسر محمد شفیع لاہور[۱۷] اور ڈاکٹر عبدالستار صدیقی[۱۸] الہ آباد والے شامل ہیں۔ ان کے استاد نے انھیں رام پور کے ریاستی کتب خانہ کو دیکھنے کی بھی ترغیب دی اور

وہاں کے مہتمم جناب امتیاز علی صاحب عرشی[۱۹] کے لیے خصوصی خط بھی لکھ کر دیا۔ چنانچہ ڈاکٹر بلوچ کو نہ صرف کتب خانہ سے استفادہ کی اجازت ملی، بلکہ معزز مہمان کے طور پر نواب صاحب کے ریاستی مہمان ہونے کا اعزاز بھی ملا۔

ان کے استاد کی یہ بھی خوبی تھی کہ جب بھی کوئی فاضل محقق مسلم یونیورسٹی میں آتا تھا تو اس کے ساتھ ڈاکٹر بلوچ کا تعارف کروا کر ان کی خدمت پر لگا دیتے تھے، تا کہ ان سے استفادہ کر سکیں۔ یوں آپ نے ڈاکٹر عبدالستار صدیقی اور ڈاکٹر زاہد علی کی قریبی صحبتوں اور مجلسوں سے استفادہ کیا۔ ڈاکٹر زاہد علی نے ان دنوں اسماعیلی مذہب کی حقیقت پر ایک ضخیم کتاب لکھی تھی۔ ڈاکٹر بلوچ کو چوتھی صدی ہجری میں سندھ میں فاطمی دعوت کو سمجھنا تھا۔ ڈاکٹر زاہد علی سے جب اس بارے میں مدد کی درخواست کی تو انھوں نے اپنی مرتب کتاب کا مسودہ دے دیا، اور آپ نے اس سے کافی مواد نقل کرنے کے بعد مسودہ انھیں واپس کر دیا۔[۲۰]

۱۹۶۶ء میں بنارس ہندو یونیورسٹی میں آل انڈیا اورینٹل کانفرنس منعقد ہوئی، ڈاکٹر بلوچ نے اپنے استاد کے ساتھ اس میں شرکت کی، وہاں ہندو یونیورسٹی کے پروفیسر عربی فارسی اور اردو شعبہ کے صدر لالہ مہیش سے بھی استفادہ کیا۔ لالہ مہیش مولوی فاضل تھے اور عربی سیاحت کی تصانیف سے بخوبی واقف تھے۔ انھوں نے اعارۃً انھیں سلیمان تاجر کے سفر نامے کو جو پیرس سے شائع ہوا تھا حوالے کر دیا۔ ڈاکٹر صاحب نے وہ نقل کر کے انھیں واپس کر دیا۔[۲۱]

عرب و ہند تعلقات پر پہلا مقالہ:

مسلسل محنت، عربی فارسی کتب اور مستشرقین کی تصانیف کے مطالعے، اپنے استاد کی صحبت اور رہنمائی سے ۱۹۴۵ء کے شروع میں آپ نے باقاعدہ لکھنے کا آغاز کیا اور لکھنے کے لئے انھوں نے جس مضمون کا انتخاب کیا وہ تھا: ''اموی دور کے آخری زمانے کے ایک باغی رہنما منصور بن جمہور کا سندھ پر تسلط''۔ انھوں نے یہ مقالہ اس دور کے ایک رسالے بنام ''اسلامک کلچر'' کو چھاپنے کے لئے بھیجا۔ یہ رسالہ حیدر آباد دکن سے جاری ہوتا تھا۔ ڈاکٹر بلوچ کے لکھنے کی جو چیز محرک بنی وہ یہ تھی کہ کولکتہ یونیورسٹی کے پروفیسر جناب محمد اسحاق نے مذکورہ رسالے میں ایک مقالہ لکھا، جس میں انھوں نے ''فتوح البلدان'' کے مصنف بلاذری کے اس بیان کو غلط قرار دیا کہ دیبل (سندھ) بھروچ (گجرات) اور تھانہ (نزد بمبئی) پر مسلمانوں کا بحری حملہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلافت کے دنوں میں سن ۱۵ھ میں ہوا تھا۔ ڈاکٹر بلوچ نے محسوس کیا کہ بلاذری کمال حد تک ثقہ ہیں اور ان کے حوالوں کو رد کرنا آسان نہیں لہٰذا انھوں نے مذکورہ پروفیسر کے حوالوں کا جائزہ لینا شروع کیا اور ان کو رد کرتے ہوئے بلاذری کے حوالے کی تصدیق اور تائید میں مقالہ تیار کیا، جو مذکورہ رسالے "اسلامک کلچر" کو بھیجا اور اس میں چھپنا منظور ہوا۔[۲۲] یہ ڈاکٹر بلوچ کا پہلا شائع ہونے والا تحقیقی مقالہ تھا۔ اس مقالے میں انھوں نے بلاذری کے حوالے کو درست قرار دیا۔

سندھ مسلم کالج کراچی میں اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ عربی:

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے آپ کی پی ایچ ڈی بعنوان ''السند تحت سیطرۃ العرب'' جاری تھی کی ان دنوں سندھ میں پرانے

علی گڑھی جناب پیر الٰہی بخش کی کوششوں سے کراچی میں سندھ کے مسلمانوں کا پہلا تعلیمی ادارہ سندھ مسلم کالج قائم ہوا اور مسلم یونیورسٹی کے ایک استاد ڈاکٹر امیر حسین صدیقی کو اس کالج کا پرنسپل مقرر کیا گیا، جنھوں نے آپ کو مذکورہ کالج میں بطور استاد تقرر کی پیش کش کی۔ اس کے برعکس ڈاکٹر بلوچ کے استاد علامہ عبدالعزیز میمن کا کہنا تھا کہ اس طرح ڈاکٹریٹ کا مقالہ درمیان میں رہ جائے گا۔ جس کی وجہ سے ڈاکٹر بلوچ رک گئے۔ مگر ڈاکٹر امیر حسین کے مشورہ پر پیر الٰہی بخش نے وائس چانسلر ڈاکٹر ضیاء الدین احمد[۲۳] کو خط لکھا کہ نئے کالج کے لئے تدریسی عملے کی ضرورت کے پیش نظر ڈاکٹر بلوچ کو یہاں بھیجنے کے لیے راضی کیا جائے۔ وائس چانسلر نے یہ خط علامہ عبدالعزیز میمن کی طرف بھیجا۔ جنھوں نے اس خط کے جواب میں پیر الٰہی بخش صاحب کو لکھا:

> ''سندھ زیر عرب کے عنوان پر انتہائی عرق ریزی سے ریسرچ سوا دو سالوں سے جاری ہے، ابھی تقریباً آٹھ ماہ باقی رہتے ہیں۔ میں جانتا ہوں ہندوستان میں آج تک سندھ عرب تعلقات پر چند کتب مسلم غیر مسلموں نے لکھے ہیں لیکن کسی نے بھی اتنی جانفشانی سے عربی ادب کے مخفی گوشوں سے ایسا مواد نہیں نکالا ہے، جیسا بلوچ صاحب کو نصیب ہوا ہے۔ میں کاٹھیاواڑی میمن ہوں، لیکن اس کام کی تکمیل کے لیے بے تاب ہوں۔ جب کہ آپ کا اور بلوچ صاحب کا تو اوڑھنا بچھونا سندھ ہے۔ سندھ اور صرف سندھ کی خاطر میری آپ سے گذارش ہے کہ آٹھ ماہ کے لئے عارضی انتظام کرلیں۔ اس کے بعد بلوچ کو آپ کے حوالے کردوں گا۔''[۲۴]

لیکن پیر صاحب کا پھر بھی زور رہا کہ ڈاکٹر بلوچ ہمارے پاس آئیں، چنانچہ علامہ نے ڈاکٹر بلوچ کو کہا کہ: ''انھیں آپ کی ضرورت ہے تو آپ جائیں۔'' استاد کی طرف سے حکم ملنے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے سندھ مسلم کالج میں لیکچرر ہونا قبول کیا۔ ان کا کہنا ہے کہ: ''مجھے لیکچرر بننے پر جتنی خوشی ہوئی اس سے زیادہ استاد محترم سے جدائی کا غم ہو رہا تھا۔''[۲۵]

سندھ مسلم کالج کے زمانے میں تحقیقی خدمات:

ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ ۱۹۴۱ء سے ۱۹۴۵ء تک مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے طالب علم رہے۔ ۴ ستمبر ۱۹۴۵ء کو سندھ مسلم کالج کراچی میں اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ عربی مقرر ہوئے۔ ڈاکٹر بلوچ کو مسلم یونیورسٹی کے علمی ماحول نے لکھنے پڑھنے اور تحقیق کے ساتھ ایسا جوڑ دیا کہ کراچی آنے کے بعد انھوں نے آرام اور سکون سے بیٹھنا گوارا نہیں کیا۔ بلکہ درج ذیل دو اہم منصوبوں پر کام شروع کردیا؛

پہلی سندھی کتاب ''گدھا'':

پہلے منصوبے کی صورت یہ بنی کہ کچھ باشعور وطن دوست حضرات سے مل کر ۱۹۴۵ء میں انھوں نے ''سلسلہ دل چسپ'' کے تحت جانوروں کے اوپر چھوٹی کتب شائع کرنے کا منصوبہ بنایا۔ منصوبے کا اصل مقصد یہ تھا کہ سندھی جاگیرداروں پر تنقید کی جائے اور ان کے کرتوتوں کو واضح کیا جائے۔ ڈاکٹر بلوچ نے اس وقت کی سیاست اور سیاسی لیڈرشپ کے اوپر طنز، ہجو اور پیروڈی کے طور پر ''گدھا'' نام سے کتاب لکھی اور بتایا کہ بہتر ہوگا کہ وقت کے سیاسی لیڈروں کے بجائے گدھے کو اپنا لیڈر بنایا جائے، جو خلق خدا کا سستا خادم اور ان کا بوجھ اٹھانے والا ہے۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۹۴۶ء میں کراچی سے چھپی، دوسری مرتبہ ۱۹۵۶ء میں اور تیسری مرتبہ ۱۹۵۷ء میں شائع ہوئی۔

بیلائن جابول:

دوسرا منصوبہ لوک ادب اور لوک شاعری کے سمیٹنے کا تھا۔ اس پر کام کرنے کے دوران انہیں امریکہ جانا پڑا۔ ۱۹۴۹ء میں وہاں سے واپسی پر کتاب کا مسودہ مکمل کیا۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۹۵۱ء میں چھپی، دوسری مرتبہ زیب ادبی مرکز حیدر آباد کی طرف سے ۱۹۷۰ء میں چھپی۔

کولمبیا یونیورسٹی امریکا میں پی ایچ ڈی:

مسلم یونیورسٹی میں ڈاکٹر صاحب نے سند عرب دور پر اپنا مقالہ نامکمل چھوڑ دیا تھا۔ اور وہ مسلم کالج سے وابستہ ہو گئے تھے، اسی سال دسمبر ۱۹۴۵ء میں سندھ گورنمنٹ اور گورمنٹ آف انڈیا کی طرف سے اسکالرشپ آئی۔ انھیں امریکا کی کولمبیا یونیورسٹی میں داخلا ملا۔ جہاں انھوں نے ’’A Program of Teacher Education for the new State of Pakistan‘‘ کے موضوع پر تحقیقی مقالہ لکھا۔ آپ کی واپسی ۱۹۴۹ء میں ہوئی۔

آپ کی دیگر عربی خدمات درج ذیل ہیں:

شرف نامہ احمد منیری:

وطن واپسی کے بعد ۱۹۵۰ء میں ڈاکٹر صاحب منسٹری آف انٹیریئر کے انفارمیشن اور براڈ کاسٹنگ ڈویژن میں افسر بکار خاص مقرر ہوئے۔ وہاں پر شیخ محمد اکرام صاحب جوائنٹ سیکریٹری تھے۔ انھوں نے ڈاکٹر صاحب کو شرف نامہ احمد منیری پر کام کرنے کا کہا۔ کتاب کا قلمی نسخہ مولوی عبدالحق کے ذاتی کتب خانے میں موجود تھا۔ شیخ محمد اکرام ڈاکٹر بلوچ کو اپنے ساتھ لے کر انجمن ترقیٔ اردو میں مولوی صاحب کے پاس آئے، جنھوں نے نسخہ ڈاکٹر صاحب کے حوالے کیا۔ خطی نسخہ کرم خوردہ اور بوسیدہ تھا۔ کتاب کے مصنف ابراہیم قوام فاروقی نے یہ کتاب بنگال میں لکھی۔ اس کا انتساب بہار کے ایک بزرگ شیخ شرف الدین احمد منیری کے نام کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے ان سب پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے مقالہ تیار کیا۔ مقالے کا عنوان تھا: "مسلم بنگال کے فارسی ادب کی ایک اہم تصنیف ’’شرف نامہ احمد منیری‘‘ یہ مقالہ دو قسطوں میں رسالہ ’’اردو‘‘ اکتوبر ۱۹۵۲ء اور اپریل ۱۹۵۳ء میں شایع ہوا۔ یہ مقالہ سندھی زبان میں ’’مسلم بنگال جی فارسی ادب جی ہک اہم تصنیف: کتاب ’’شرف نامہ احمد منیری‘‘ سہ ماہی مہران ۱-۱۹۶۷ء میں بھی شائع ہوا۔

مزید فارسی کتب اور ان کے سندھی تراجم:

یہ مقالہ ڈاکٹر بلوچ کی عربی ادب میں خدمات پیش کرنے کی غرض سے لکھا گیا ہے، لیکن ان کی پوری علمی خدمات اجمالی طور پر جب تک سامنے نہیں آتیں ان کی شخصیت کے بارے میں تشفی حاصل نہیں ہوتی۔ اس لئے یہاں پر ان کی مزید فارسی کتب اور ان کے سندھی اردو تراجم بھی پیش کر دیتے ہیں:

☆ حاصل النہج: مخدوم محمد جعفر کی یہ فارسی کتاب ڈاکٹر بلوچ نے ایڈٹ کی، مقدمہ لکھا، سندھ یونیورسٹی کی طرف سے ۱۹۶۹ء میں شائع ہوئی۔ دوبارہ یہ کتاب ڈاکٹر این اے بلوچ انسٹیٹیوٹ آف ہیریٹیج ریسرچ کی طرف سے ۲۰۱۱ء میں بھی شائع ہوئی ہے۔

☆ تاریخ معصومی: اس کا فارسی سے سندھی ترجمہ ڈاکٹر بلوچ کی نگرانی میں مخدوم امیر احمد نے کیا۔ اردو ترجمہ ڈاکٹر صاحب کی نگرانی میں محترم اختر رضوی نے کیا، تصحیح اور حواشی پر ڈاکٹر صاحب نے کام کیا۔

☆ فتح نامہ سندھ: اس کا سندھی ترجمہ مخدوم امیر احمد نے کیا۔ اردو ترجمہ اختر رضوی نے اور تصحیح عبدالحق قدوسی نے کی، ڈاکٹر بلوچ نے دونوں ترجموں کی نگرانی کی اور اس سے آگے قدم بڑھاتے ہوئے انھوں نے متن کی نئے سرے سے تصحیح کی اور ترجمہ کی بھی اس لحاظ سے درستگی کی۔ یہ ۱۹۵۴ء میں شایع ہوئی۔

☆ تحفۃ الکرام: میر علی شیر قانع کی اس کتاب کا سندھی ترجمہ مخدوم امیر احمد نے اور اردو ترجمہ اختر رضوی نے ڈاکٹر بلوچ کی نگرانی میں کیا، ڈاکٹر بلوچ نے اس پر پیش لفظ لکھا۔ سندھی کتاب ۱۹۵۷ء میں اور اردو ۱۹۵۹ء میں سندھی ادبی بورڈ نے شائع کی۔

☆ لب تاریخ سندھ: یہ کتاب خان بہادر خداداد خان ۱۳۱۸ھ/ ۱۹۰۰ء میں لکھی۔ ڈاکٹر بلوچ نے اس کو ایڈٹ کیا، انگریزی میں اس پر تعارف لکھا۔ یہ سندھی ادبی بورڈ سے ۱۹۵۹ء میں شائع ہوئی۔

☆ تاریخ طاہری: سید محمد طاہر نسیانی ٹھٹوی کی یہ ۱۰۳۰ھ/ ۱۶۲۱ء کی تالیف ہے۔ ڈاکٹر بلوچ نے اس کے شروع میں تاریخ طاہری کے تعارف اور اہمیت پر فارسی میں نوٹ لکھا، انگریزی میں Introduction لکھا، متن کی تصحیح کی۔ حواشی و تعلیقات لکھے۔ یہ کتاب ۱۹۶۴ میں سندھی ادبی بورڈ سے شائع ہوئی۔

☆ بیگلار نامہ: ادراکی بیگلاری نے یہ کتاب ۱۰۱۷/۱۰۳۴ھ کے درمیان تصنیف کی۔ ڈاکٹر بلوچ نے اس پر انگریزی میں مقدمہ لکھا۔ اور یہ سندھی ادبی بورڈ کی طرف سے ۱۹۸۰ء میں شائع ہوئی۔

☆ باقیات از احوال کلہوڑا: ڈاکٹر بلوچ صاحب نے اس کا فارسی متن مرتب اور درست کیا، یہ قدیمی کتب خانوں سے بوسیدہ منتشر اوراق سے جمع کی گئی تھی، اس لئے مذکورہ نام رکھا گیا۔

☆ تاریخ بلوچی: عبدالحکیم جوکھیو کی اس فارسی میں لکھی ہوئی کتاب کا قلمی نسخہ ڈاکٹر بلوچ کی دریافت ہے۔ خضر نوشاہی نے اس کا اردو ترجمہ کیا۔ ڈاکٹر بلوچ صاحب نے اس پر مقدمہ لکھا۔ کلہوڑا سیمینار کمیٹی کراچی کی طرف سے شائع ہوئی۔

☆ کلاسیکل اور لوک ادب: سندھی کی جن کلاسیکل کتب پر ڈاکٹر بلوچ نے کام کیا، ان میں: کلیات حمل، واعظ العشاق، شاہ لطف اللہ قادری جو کلام، شاہ شریف بھاڈائی جو رسالو، رسالو غلام محمد خانزئی، قاضی قادن جو رسالو، شہید شاہ عنایت جو کلام، کلیات سانگی، راگ نامو، خلیفے صاحب جو رسالو شامل ہیں۔ لوک ادب پر انھوں نے انتالیس کتابیں لکھیں، جن میں کچھ کتابیں دو دو تین تین جلدوں پر بھی مشتمل تھیں۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر بلوچ کے کریڈیٹ میں لغات اور لطیفیات پر تحقیق بھی شامل ہیں۔ نئی جامع سندھی لغات، سندھی اردو لغت، اردو سندھی لغت، ھک جلدی سندھی لغت ان کی تحقیق کی یادگار ہیں۔ لطیفیات پر انھوں نے ۲۱ کتابیں لکھیں، جن میں "شاہ جی رسالی جو کلام" کے دس جلد بھی شامل ہیں۔ ان کے علاوہ

شاہ صاحب کی شاعری کے خاص موضوعات اور سروں پر مکالمات کا سلسلہ شروع کیا، جو مکالمات ۱۱ کتابوں کی شکل میں شائع ہوکر منظر عام پر آگئے۔ ڈاکٹر بلوچ نے "رہان ہیرن کان" کے عنوان سے بھی ایک کتابوں کا سلسلہ شروع کیا، جو ان کی ۱۹۵۰ء سے لے کر ۲۰۰۰ء تک سندھ کے لوک دانش مندوں اور سگھڑوں سے کی ہوئی کچہریوں کی حاصلات پر مشتمل تھا۔ ’’رہان ہیرن کان‘‘ کی ۱۰ جلدیں مختلف اداروں سے شائع ہوئیں۔ جبکہ آخری جلد ڈاکٹر بلوچ کے سوئم کے موقع پر طبع ہوئی۔

سندھ عرب تعلقات:

ڈاکٹر بلوچ کے ڈاکٹریٹ کے مقالے ’’سندھ تحت سطیرۃ العرب‘‘ کا کام اگرچہ مکمل نہ ہوا تھا لیکن اس سلسلہ میں وہ جتنا تحقیقی کام کر چکے تھے، وہ ’’سندھ عرب تعلقات‘‘ کے عنوان سے ایک سندھی ماہانہ ’’عام رائے‘‘ میں قسط وار شایع ہوا۔ ایک قسط ’’سیاسی تعلقات‘‘ کے موضوع پر ماہانہ عام رائے شمارہ نومبر ۱۹۵۰ء کے صفحہ نمبر ۵ سے ۸ تک شائع ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ جنوری فروری ۱۹۵۱ء کے شمارہ میں صفحہ ۴۵ سے ۴۹ میں بھی شائع ہوئی۔ جس میں ڈاکٹر بلوچ نے زراعت، تجارت، بحری آمدورفت، لوہار، چوپایہ مال، پوشاک وغیرہ کے معاملات میں عرب کے سندھ پر اثر کا جائزہ لیا ہے۔ آخر میں ادب، زبان اور علمی حوالوں سے عرب کے سندھ پر اثرات کا بھی جائزہ لیا ہے اور سندھ کے ان علما کا ذکر کیا ہے، جنھیں حدیث، فقہ اور دوسرے اسلامی علوم میں بڑی شہرت حاصل ہوئی تھی۔ اس سلسلہ میں سندھ کے علماء متقدمین سے لے کر چودھویں صدی کے سندھی مشاہیر کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ماہنامہ ’’عام رائے‘‘ کراچی کے علاوہ دوسرے شمارے دستیاب نہ ہوسکے ہیں۔ شاید اس موضوع پر مزید بھی کچھ شائع ہو چکا ہو۔

سندھی اور ان کے گھوڑے:

ایک مضمون ’’سندھی اور ان کے گھوڑے‘‘ کے عنوان سے ڈاکٹر بلوچ نے گزشتہ سلسلہ کی ایک کڑی کے طور پر تحریر کیا تھا۔ اس مضمون میں عربی نسل کے گھوڑوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ اس زمانے میں عربی نسل کے بہترین گھوڑوں کی بڑی مانگ تھی۔ عربی سوداگروں کی سندھ کے لوگوں کے ساتھ گھوڑوں کی تجارت رہتی تھی۔ یہ تجارت عربی حکومت کے دور میں چلتی رہی اور آہستہ آہستہ سندھ عربی نسل کے گھوڑوں کا گھر بن گئی۔ عربی نسل کے گھوڑوں کو سندھ میں ’تازی‘ (یعنی عربی) کہا جاتا ہے‘‘۔ اس کے بعد تازی کا بھٹائی کے بیتوں اور دوسری شاعری میں بیان کیا گیا ہے۔ ص: ۱۶۔۱۷، ماہنامہ ’’عام رائے‘‘ کراچی اپریل ۱۹۵۱ء۔ اس کی دوسری قسط ماہ نامہ ’’عام رائے‘‘ کے شمارہ مئی ۱۹۵۱ء میں چھپی۔

تحف من شعر ابی عطاء:

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے زمانے میں ’’سندھ تحت سطیرۃ العرب‘‘ پر تحقیق کرتے ہوئے مختلف عربی کتابوں سے انھیں ابوعطا سندھی کے عربی اشعار ملے، جن کو قافیوں کے لحاظ سے القاب وار ترتیب دے کر آپ نے ایک مقالہ تیار کیا، جو حیدرآباد دکن کے انگریزی جنرل اسلامک کلچر میں جولائی ۱۹۴۹ء میں مذکورہ بالا عنوان کے ساتھ شائع ہوا۔ اور مقالے کو مزید اضافوں کے ساتھ دیوان کی

صورت میں مرتب کر کے انگریزی میں اس پر مقدمہ لکھ کر تیار کیا۔ یہ دیوان سندھی ادبی بورڈ کے زیرِ اہتمام ۱۹۶۱ء میں شائع ہوا۔

نیشنل ہجرہ کاؤنسل کی طرف سے تحقیقی پلان:

ڈاکٹر بلوچ نے اس ادارہ میں The Greath Books Project کے نام سے ایک منصوبہ تیار کیا جس کی انھوں نے خود نگرانی کی۔ اسلامی ممالک کے نامور پروفیسروں، مصنفین اور یورپ امریکا کے بڑے محققین کے ساتھ بین الاقوامی سطح پر مشورے کر کے ایک سو منتخب کتب کے عربی فارسی متون تیار کروا کر ان پر مقدمات لکھے اور مذکورہ کتب کا تعارف انگریزی میں تیار کیا۔ ایک سو کتب میں سے چھہتر (۷۶) کتب پر ان کا تحریر کردہ تعارف شائع ہوا۔ یہاں رہتے ہوئے آپ نے درج ذیل چار کتب شائع کرائیں۔

i۔ کتاب الجبر والمقابلۃ:

یہ کتاب خوارزمی کی عربی تصنیف ہے۔ ڈاکٹر آئیڈن سائل نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا اور ترک عالم ڈاکٹر ملک دوسی اس کے شارح تھے۔ ڈاکٹر بلوچ نے اس پر پیش نامہ لکھا اور مذکورہ کاؤنسل کی طرف سے ۱۹۸۹ء میں شائع کیا۔

ii۔ کتاب الجماہر فی معرفۃ الجواہر:

یہ کتاب ابو ریحان البیرونی نے جواہرات اور قیمتی پتھروں کے بارے میں عربی میں لکھی۔ اس کا انگریزی ترجمہ حکیم سعید نے کیا جب کہ ڈاکٹر بلوچ نے ایڈٹ اور اس پر تفصیلی مقدمہ لکھا۔ یہ کتاب ۱۹۸۸ء میں شائع ہوئی۔

iii۔ کتاب الحیل:

یہ کتاب ابن موسیٰ نے نویں صدی عیسوی میں لکھی اس کا انگریزی ترجمہ ڈونا ڈیمل نے کیا اور ڈاکٹر بلوچ نے اس پر پیش نامہ لکھ کر ۱۹۸۸ء میں شائع کرائی۔

☆ الجامع بین العلم والعمل النافع فی ضاعۃ الحیل:

یہ کتاب الجزری کی تصنیف ہے۔ ڈاکٹر ڈونالڈ ھل نے اس کا انگریزی ترجمہ کیا۔ ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ نے اس پر پیش نامہ لکھا جو مذکورہ ادارے سے ۱۹۸۹ء میں شائع ہوا۔

اس کے علاوہ مندرجہ ذیل کتب پر کام مکمل ہو چکا تھا کہ ڈاکٹر بلوچ ادارہ سے فارغ کر دیئے گئے:

کتاب النفس: ابن ماجہ: تشریح الایدان: شمس الدین العتاقی: کتاب الاموال: ابو عبیدہ۔ کتاب ابن جماعہ، کتاب السرد: احمد قزدینی: کتاب الزمنہ والانواع: الاجدابی، ان کے علاوہ مزید اور چار کتابوں پر بھی کام کا آغاز کیا جا چکا تھا لیکن ادارے سے علیحدگی کی وجہ سے سب منصوبے ادھورے رہ گئے۔

غرۃ الزیجات پر تحقیق:

سندھ یونیورسٹی میں ملازمت کے دوران قاضی احمد میاں اختر صاحب نے علامہ آئی آئی قاضی کو تجویز دی کہ بیرونی کی کتاب ''غرۃ الزیجات''، جو انھوں نے سنسکرت سے عربی میں ترجمہ کی تھی اسے سندھ یونیورسٹی سے انگریزی میں شائع ہونا چاہیے۔

قاضی احمد میاں نے ترجمہ کے لئے فضل الدین قریشی نام کے کسی شخص کو تجویز کیا۔ جو لاہور یونیورسٹی یا کسی کالج میں طبعیات کے استاد تھے۔ علامہ قاضی صاحب نے یہ تجویز قبول کی اور فضل الدین قریشی کو شعبہء طبعیات میں تعینات کیا گیا، تا کہ وہ یہاں رہ کر اپنا کام مکمل کرسکیں۔ لیکن موصوف مقررہ مدت میں کام مکمل کئے بغیر واپس لاہور چلے گئے انھیں واپس آنے کی کئی بار تلقین بھی کی گئی لیکن وہ نہ آئے بالآخر ڈاکٹر بلوچ لاہور جا کر ان کے ساتھ اس بارے میں ملے لیکن حاصل کچھ بھی نہ ہوا۔ بالآخر ڈاکٹر بلوچ خود آگے بڑھے ''غرۃ الزیجات'' کے عربی متن پر خود ہی کام کرنا شروع کیا۔ جو بعد میں البیرونی کی آٹھ سوسالہ برسی [۲۶] کے موقعہ پر سندھ یونیورسٹی کی طرف سے ۱۹۸۳ء میں شائع کیا گیا۔ [۲۷]

دیبل کے محل وقوع پر مقالہ:

ڈاکٹر بلوچ نے ایک مقالہ عرب اسلامی دور کی تاریخ کے سلسلے میں تحریر کیا، اس مقالے میں دیبل کے محل وقوع پر شاندار تحقیق پیش کی گئی تھی۔ اور اسے محکمہء آثار قدیمہ کی ایک مجلس میں پیش کیا گیا تھا، ڈاکٹر بلوچ نے دیبل کو بھنبھور کے کھنڈرات سے مشخص کیا تھا۔

ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ نے اپنے تعلیمی کیریئر میں چوتھی کلاس سے لیکر عربی کے مضمون کو اپنی دل چسپی کا مرکز بنایا۔ جونا گڑھ کالج میں ان کی عربی میں اعلی درجے کی کامیابیوں کی وجہ سے مسلم یونیورسٹی میں ایم اے کے لئے بھی انھوں نے عربی میں داخلہ لیا۔ پھر عربی میں ایم اے میں اعلی پوزیشن کی وجہ سے انھوں نے پی ایچ دی کے لئے بھی عربی کو چنا۔ سندھ مسلم کالج میں لیکچرر کی پیش کش کی وجہ سے چہ جائیکہ آپ عربی میں پی ایچ ڈی مکمل نہ کر سکے اور پھر کولمبیا یونیورسٹی امریکہ سے ایجوکیشن میں پی ایچ ڈی کی، لیکن وہ عربی کے کامل عالم بن گئے۔ انھوں نے عربی کتب سے بڑی عرق ریزی سے سندھ عرب تعلقات پر عالمانہ تحقیقات یادگار چھوڑیں۔ عربی کتب ایڈٹ کیں، ان کے اپنی نگرانی میں اردو سندھی اور انگریزی تراجم شائع کرائے۔ اور علم و ادب کی انجمن میں شاندار اور ان مٹ نقوش چھوڑے۔ اللہ ان کی قبر مبارک کو روشن فرمائے آمین۔

حواشی:

[۱] محمد راشد شیخ: ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ: شخصیت اور فن: اکادمی ادبیات پاکستان: ۲۰۰۷ء، ص: ۱۹

[۲] جونیجو، عبدالجبار، ڈاکٹر: ڈاکٹر بلوچ: ہک مطالعو، لاڑ ادبی سوسائٹی بدین، ۱۹۹۸ء، ص: ۷

[۳] مخدوم امیر احمد: ضلع خیر پور کے ایک چھوٹے سے شہر کھوڑا کے رہنے والے تھے۔ سندھ اورینٹل کالج حیدرآباد اور جامعہ عربیہ کے سربراہ تھے۔ ۲۶ فروری ۱۹۹۱ء میں حیدرآباد میں فوت ہوئے۔

[۴] بلوچ نبی بخش خان، ڈاکٹر: مہران سوانح نمبر، ۱۹۵۷ء، ص: ۲۴۵

[۵] انٹرویو، ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ، ۲۳ دسمبر ۲۰۱۰ء، مسلم سوسائٹی قاسم آباد، حیدرآباد

[۶] پروفیسر وائی ایس طاہر علی،: بہاؤالدین کالج جونا گڑھ میں عربی کے استاد تھے، تقسیم برصغیر کے بعد حیدرآباد میں مقیم ہوئے۔ ۵ مارچ ۱۹۹۰ء میں وفات پائی۔

[۷] انٹرویو، ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ، ۲۳ دسمبر ۲۰۱۰ء، مسلم سوسائٹی قاسم آباد، حیدرآباد

[۸] انٹرویو، ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ، ۲۳ دسمبر ۲۰۱۰ء، مسلم سوسائٹی قاسم آباد، حیدرآباد

۹۔ انٹرویو، ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ، ۲۳ دسمبر ۲۰۱۰ء، مسلم سوسائٹی قاسم آباد، حیدر آباد۔ ڈاکٹر بلوچ نے بتایا کہ اس زمانے میں مولوی صاحب کی داڑھی کالی تھی، بعد میں سفید ہوگئی، پاکستان بن گیا، وہ شہداد پور ہجرت کر کے آگئے تھے، میں اتفاق سے کسی کام سے شہداد پور گیا، تو اس نے مجھے پہچانا۔ کہا: تم جونا گڑھ میں میرے پاس آئے ہو، میرے پاس قصیدہ ابن درید پڑھے ہو۔ مجھے بات دل سے لگی، میں نے ان کا شکریہ ادا کیا، لیکن مجھے افسوس ہے کہ میں ان کی خدمت نہ کر سکا، کیوں کہ میں پھر اسلام آباد چلا گیا، وہاں میری نوکری تھی۔

۱۰۔ راجپر، محمد انس، ڈاکٹر نبی بخش بلوچ، سوانح ائیں خدمتوں، ڈاکٹر این اے بلوچ انسٹیٹیوٹ اف ھیریٹیج ریسرچ ۲۰۱۰ء، ص: ۸۸

۱۱۔ علامہ عبدالعزیز میمن: ۲۳ اکتوبر ۱۸۸۸ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم راج کوٹ اور جونا گڑھ میں حاصل کی۔ پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کیا۔ مسلم یونیورسٹی میں پروفیسر اور صدر شعبہ عربی تھے۔ تقسیم کے بعد کراچی آگئے۔ ادارہ تحقیقات اسلامی اور شعبہ عربی جامعہ کراچی کے بانی تھے۔ جامعہ پنجاب میں صدر شعبہ عربی رہے۔ ۲۷ اکتوبر ۱۹۸۷ء کو کراچی میں ان کا انتقال ہوا۔

۱۲۔ بلوچ نبی بخش خان، ڈاکٹر مہران سوانح نمبر، ۱۹۵۷ء، ص: ۲۴۵

۱۳۔ انٹرویو، ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ، 23 دسمبر ۲۰۱۰ء مسلم سوسائٹی قاسم آباد، حیدر آباد

۱۴۔ بلوچ نبی بخش خان، ڈاکٹر: ایام علی گڑھ، گوشہ بلوچ، ص: ۶۲

۱۵۔ ڈاکٹر بلوچ کا اصل نام نبی بخش ہی تھا، لیکن وطن کی محبت میں انھوں نے اپنا نام عثمان سندھی رکھا تھا، شروع میں ان کے جو مقالے چھپے، گرچہ انگریزی میں تھے، تب بھی عثمان سندھی کے نام سے چھپتے تھے۔

۱۶۔ قاضی احمد میاں اختر: اصل جونا گڑھ کے رہنے والے تھے، تقسیم کے بعد کراچی آگئے تھے۔ گاڑی کھاتے کے سامنے بندر روڈ پر ٹھٹائی کمپاؤنڈ بلڈنگ کی چوتھی منزل پر ایک فلیٹ میں ان کی رہائش تھی اور انجمن ترقی اردو میں بحیثیت مہتمم خدمات سر انجام دیں۔ بعد ازاں ڈاکٹر بلوچ صاحب کی تجویز پر علامہ آئی آئی قاضی نے انھیں مسلم ہسٹری کے پروفیسر اور صدر شعبہ کے طور پر سندھ یونیورسٹی میں غالباً ۱۹۵۱۔۱۹۵۲ء کے دوران مقرر کیا۔ ۱۹۵۵ء کی آگست کی چھ تاریخ کو انھوں نے وفات پائی۔ (گوشہ بلوچ: ۷۴۔۷۷۔۷۸۔۷۹)

۱۷۔ پروفیسر مولوی محمد شفیع: عربی زبان و ادب کے ماہر، اورینٹل کالج لاہور کے پرنسپل اور ادارہ اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور کے سربراہ رہے تھے۔ ۱۱ اگست ۱۸۸۳ء کو قصور میں پیدا ہوئے ۱۶ مارچ ۱۹۶۳ء لاہور میں فوت ہوئے۔

۱۸۔ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی: ۲۶ دسمبر ۱۸۸۵ء مندیلہ میں پیدا ہوئے۔ ناگپورہ، حیدر آباد اور علی گڑھ میں تعلیم حاصل کی ۱۹۱۷ء میں جرمنی سے ڈاکٹریٹ کی۔ علی گڑھ، حیدر آباد دکن اور ڈھاکہ میں عربی کے پروفیسر رہے۔ ۲۸ جولائی ۱۹۷۲ء میں الہ آباد میں فوت ہوئے۔

۱۹۔ مولانا امتیاز علی عرشی: ۱۹۰۴ء میں رام پور میں پیدا ہوئے۔ اورینٹل کالج لاہور میں علامہ عبدالعزیز کے شاگرد رہے۔ بعد ازاں مدرسہ عالیہ رام پور سے تعلیم حاصل کی ۱۹۳۲ء میں رضا لائبریری رام پور کے ناظم مقرر ہوئے اور تمام عمر اسی کتب خانے میں صرف کی۔ ۲۵ فروری ۱۹۸۲ء میں فوت ہوئے۔

۲۰۔ بلوچ نبی بخش خان، ڈاکٹر: ایام علی گڑھ گوشہ بلوچ، ص: ۶۱

۲۱۔ ایضا: ص: ۶۲

۲۲۔ ایضا: ص: ۶۳

۲۳۔ ڈاکٹر ضیاء الدین احمد: مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے وائس چانسلر تھے۔ ۱۳ فروری ۱۸۷۳ء میں پیدا ہوئے ۲۳ دسمبر ۱۹۴۷ء لندن میں وفات کی۔ علی گڑھ میں ان کی تدفین ہوئی۔

۲۴۔ ایضا: ص: ۶۵۔۶۶

۲۵۔ مختیار الدین احمد، ڈاکٹر: مجلّہ تحقیق، سندھ یونیورسٹی شمارہ: ۱۰۔۱۱، ص: ۱۶۸

۲۶؎ یہ بیرونی کی آٹھ سو سالہ برسی یونیسکو کے پروگرام کے تحت پاکستان میں منائی گئی۔

۲۷؎ بلوچ نبی بخش خان، ڈاکٹر: ایام علی گڑھ، گوشہ بلوچ، ص: ۶۱

کتابیات:

۱- ابن موسیٰ: کتاب الحیل، مترجم انگریزی: ڈونالڈ ہل، پیش نامہ ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ نیشنل ہجرہ کاؤنسل، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء

۲۔ البیرونی، ابوریحان: غرۃ الزیجات، تحقیق وتقدمہ: ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ، سندھ یونیورسٹی، جام شورو ۱۹۸۳ء

۳۔ البیرونی، ابوریحان: کتاب الجماہر فی معرفت الجواہر، مترجم حکیم محمد سعید، مقدمہ ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ نیشنل ہجرہ کاؤنسل اسلام آباد، ۱۹۸۸ء

۴۔ الجزری: الجامع بین العلم والعمل النافع فی ضاعۃ الحیل، مترجم انگریزی: ڈاکٹر ڈونالڈ ہل، پیش نامہ: ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ نیشنل ہجرہ کاؤنسل، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء

۵۔ بلوچ نبی بخش خان، ڈاکٹر: ایام علی گڑھ، گوشہء بلوچ، مجلّہ تحقیق، شعبہ اردو، سندھ یونیورسٹی جام شورو، شمارہ: ۱۰۔۱۱

۶۔ بلوچ نبی بخش خان، ڈاکٹر: حاصل النہج، مخدوم محمد جعفر بوبکانی، تصحیح وتقدمہ: ڈاکٹر این اے بلوچ انسٹیٹیوٹ آف ہیریٹیج ریسرچ حیدر آباد، ۲۰۱۱ء

۷۔ بلوچ، نبی بخش خان ڈاکٹر: باقیات از احوال کلہوڑا، کلھوڑا سیمینار کمیٹی کراچی ۱۹۹۶ء

۸۔ بیگلاری، ادراکی: بیگلار نامہ، سندھی ادبی بورڈ جام شورو، ۱۹۸۰ء

۹۔ جوکھیو، عبدالحمید: تاریخ بلوچی، مترجم خضر نوشاہی، کلھوڑا سیمینار کمیٹی کراچی، ۱۹۹۶ء

۱۰۔ جونیجو، عبدالجبار، ڈاکٹر: ڈاکٹر بلوچ: ہک مطالعو، لاڑ ادبی سوسائٹی بدین، ۱۹۹۸ء

۱۱۔ خان بہادر، خداداد خان: لب تاریخ سندھ، سندھی ادبی بورڈ، جام شورو، ۱۹۵۹ء

۱۲۔ راجپر، محمد انس، ڈاکٹر نبی بخش بلوچ، سوانح ائیں خدمتوں، ڈاکٹر این اے بلوچ انسٹیٹیوٹ آف ہیریٹیج ریسرچ، ۲۰۱۰ء

۱۳۔ رضوی، اختر: اردو ترجمہ تحفۃ الکرام، سندھی ادبی بورڈ جام شورو ۱۹۵۹اہ

۱۴۔ رضوی، اختر: اردو ترجمہ تاریخ معصومی، سندھی ادبی بورڈ جام شورو، ۱۹۵۳ء

۱۵۔ رضوی، اختر: اردو ترجمہ: فتح نامہ سندھ، سندھی ادبی بورڈ جام شورو ۱۹۶۳ء

۱۶۔ سائل ڈاکٹر ایڈن: مترجم انگریزی کتاب الجبر والمقابلۃ نیشنل ہجرہ کاؤنسل اسلام آباد ۱۹۸۳ء

۱۷۔ سندھی، ابوعطاء: نتف من شعر ابی عطاء، سندھی ادبی بورڈ جام شورو، ۱۹۶۱ء

۱۸۔ شیخ، محمد راشد: ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ: شخصیت اور فن: اکادمی ادبیات پاکستان: ۲۰۰۷ء

۱۹- مجلّہ تحقیق، شعبہ اردو، سندھ یونیورسٹی، جام شورو

۲۰- مہران سوانح نمبر، سندھی ادبی بورڈ، جام شورو، ۱۹۵۷ء

۲۱- ماہنامہ عام رائے، کراچی

۲۲- نسیانی ٹھٹوی، سید محمد طاہر، تاریخ طاہری، سندھی ادبی ہورڈ جام شورو ۱۹۶۴ء

۲۳- انٹرویو

ABSTRACT

A comparative study of famous Urdu translations of the Holy Quran with "Kanzul Iman.

In this article the comparative study of various Urdu translation of Holy Quran has presented with special reference to "Tarjuma e Quran" an Urdu translation by Ahmed Raza Khan Brelvi for which some important translators/ religious scholars like, Molana Shah Abdul Qadir, Molana Shah Rafiuddin Dehlvi, Molana Abdul Majid Darya Abdi, Molana Fateh Muhammad Jalendhri, Molana Mehmood ul Hassan, Molana Ashraf Ali Thanvi and Molana Syed Abul Ala Modoodi , their work related translation are also discussed and proved that Urdu translations of Holy Quran of the above said translators are not good and proper, these translations status are also not according to the status of Allah and his Prophet Muhammad P.B.U.H, where as "Kanzul Iman" by Ahmed Raza Khan Brelvi is very clear, authentic and such faults and mistakes are not found in it.

پروفیسر ڈاکٹر حافظ عبدالغنی شیخ
ڈاکٹر محمد انس راجپر

قرآن مجید کے مشہور اردو تراجم کا 'کنزالایمان' کے ترجمے سے تقابلی مطالعہ

ایک زبان سے دوسری زبان میں لفظی ترجمہ کردینا کچھ مشکل نہیں، بلکہ یہ بہت ہی آسان اور معمولی کام ہے۔ کسی بھی درخواست کا لفظی ترجمہ تو عرائض نویس بھی فوراً کردیتے ہیں، مگر کسی زبان کی فصاحت و بلاغت، سلاست و معنویت، اس کے محارات اور اندازِ خطاب کو سمجھنا، سیاق وسباق کو دیکھ کر کلمہ اور جملہ کی ترجمانی کرنا انتہائی دقت آمیز کام ہے۔

قرآن مجید کے دوسری زبانوں میں تراجم کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کسی لفظ کا ترجمہ عموماً اس کے مشہور معنی کے مطابق کردیا گیا ہے۔ حالانکہ ہر زبان میں معانی میں سے کسی ایک مناسب معنی کا انتخاب مترجم کی ذمہ داری ہے۔ ورنہ لفظ کا ظاہر ترجمہ تو ایک مبتدی بھی کرسکتا ہے۔

اعلیٰ حضرت کا ترجمہء قرآن مجید دیکھنے کے بعد جب ہم دنیا بھر کے تراجم پر نظر ڈالتے ہیں تو حقیقت منکشف ہوکر سامنے آتی ہے کہ اکثر مترجمینِ قرآن کی نظر الفاظِ قرآن کی روح تک نہیں پہنچ سکی اور ان کے تراجم سے قرآن مجید کا مفہوم ہی بدل گیا ہے، بلکہ بعض مقامات پر تو سہواً و قصداً ترجمے میں ان سے تحریف بھی ہوگئی ہے۔ یا لفظ بہ لفظ ترجمہ کرنے کے سبب حُرمتِ قرآن، عصمتِ انبیاء اور وقارِ انسانیت کو بھی ٹھیس پہنچی ہے۔ اور اس سے بھی آگے بڑھ کر اللہ تبارک وتعالیٰ نے جن چیزوں کو حلال ٹھہرایا ہے اِن تراجم کی بدولت

وہ حرام قرار پا گئی ہے اور انھی تراجم سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ معاذ اللہ بعض امور کا علم اللہ رب العزت کو بھی نہیں ہوتا۔ اس قسم کا ترجمہ کر کے وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور مسلمانوں کیلئے گمراہی کا راستہ کھول دیا۔ اور یہودیوں، عیسائیوں اور ہندوؤں کے ہاتھوں میں (اس طرح کا ترجمہ کر کے) اسلام کے خلاف ہتھیار دے دیا گیا۔

چنانچہ ستیارتھ پرکاش نامی کتاب اسلام پر طنز سے بھری ہوئی ہے کہ جو خدا اپنے بندوں کے مکر، فریب اور دغا میں آ جائے اور خود بھی مکر، فریب، دغا کرتا ہو، ایسے خدا کو دور سے سلام وغیرہ وغیرہ۔ نعوذ باللہ من شر ذالک۔

اعلیٰ حضرت شاہ عبدالمصطفٰے احمد رضا خان بریلوی رحمت اللہ علیہ نے جملہ مستند و مروج تفاسیر کی روشنی میں قرآن مجید کی ترجمانی فرمائی ہے۔ جس آیت کی وضاحت مفسرین کرام نے کئی کئی صفحات میں فرمائیں مگر امامِ اہلسنت کو اللہ تعالیٰ نے یہ خوبی عطا فرمائی کہ وہی مفہوم ترجمے کے ایک جملے یا ایک لفظ میں ادا فرما دیا۔ قلیل جملہ کثیر مطالب اسی کو کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مجدّدِ ملت کے ترجمے سے ہر پڑھنے والے کی نگاہ میں قرآن مجید کا احترام، انبیاء کی عظمت اور انسانیت کا وقار بلند ہوتا ہے۔

ذیل میں اعلیٰ حضرت کے ترجمۂ قرآنِ حکیم اور دیگر اردو تراجمِ قرآن کا ایک تقابلی مطالعہ پیش کیا جاتا ہے:

〈۱〉 ولما یعلم اللہ الذین جاھدوا منکم 〈آل عمران: ۱۴۲〉

شاہ عبدالقادر:	اور ابھی معلوم نہیں کیے اللہ نے جو لڑنے والے ہیں تم میں۔
اشرف علی تھانوی	حالانکہ ہنوز اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کو تو دیکھا ہی نہیں جنھوں نے تم میں سے جہاد کیا ہو۔
محمود حسن	اور ابھی تک معلوم نہیں کیا اللہ نے جو لڑنے والے ہیں تم میں۔
عبدالماجد دریا آبادی	حالانکہ ابھی اللہ نے ان لوگوں کو تم میں سے جانا ہی نہیں جنھوں نے جہاد کیا۔
فتح محمد جالندھری	حالانکہ ابھی خدا نے تم میں سے جہاد کرنے والوں کو تو اچھی طرح معلوم کیا ہی نہیں۔
احمد رضا خان	اور ابھی اللہ نے تمہارے غازیوں کا امتحان نہ لیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ جو علیم و خبیر ہے، عالم الغیب والشہادۃ ہے اِن مترجمین کے نزدیک اردو میں بے علم و بے خبر ہے۔ آپ خود فیصلہ کریں، ترجمہ پڑھنے کے بعد علمِ الٰہی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ ترجمہ لکھتے وقت کس قدر غیر حاضر تھے یہ مترجمین حضرات کہ تفسیر کے مطالعے کی زحمت ہی نہیں کی۔

〈۲〉 ویمکرون ویمکراللہ واللہ خیر المٰکرین 〈الانفال: ۳۰〉

شاہ عبدالقادر	اور وہ بھی فریب کرتے تھے اور اللہ بھی فریب کرتا تھا اور اللہ کا فریب سب سے بہتر ہے۔
شاہ رفیع الدین	اور مکر کرتے تھے وہ اور مکر کرتا تھا اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ نیک مکر کرنے والوں کا ہے۔
محمود حسن	وہ بھی داؤ کرتے تھے اور اللہ بھی داؤ کرتا تھا اور اللہ کا داؤ سب سے زیادہ مستحکم تدبیر والا اللہ ہے۔

اشرف علی تھانوی	وہ تو اپنی تدبیر کر رہے تھے اور اللہ میاں اپنی تدبیر کر رہے تھے اور سب سے زیادہ مستحکم تدبیر والا اللہ ہے۔
احمد رضا خان	وہ اپنا سا مکر کرتے تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر فرماتا تھا اور اللہ کی خفیہ تدبیر سب سے بہتر۔

اردو ترجمے میں جو الفاظ استعمال ہوئے وہ شانِ الوھیّت کے کسی طرح لائق نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف مکر، فریب، بدسگالی کی نسبت اُس کی شان میں حرف گیری کے مترادف ہے۔ یہ بنیادی غلطی صرف اس وجہ سے ہے کہ اللہ اور رسول کے افعالِ مقدسہ کو اپنے افعال پر قیاس کیا ہے۔ اسی وجہ سے مترجمین نے ہنسی، مذاق، ٹھٹا، مکر، فریب، علم سے بے خبر اور بدسگالی کو اِس کو صفت ٹھہرایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عزت افزائی کیلئے تھانوی صاحب نے ''میاں'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ان تمام الفاظ کو سامنے رکھ کر آپ خود اُلوھیّت کا تصور کریں تو رب تبارک وتعالیٰ انسانوں سے عظیم تر انسان اُبھر کر آپ کے سامنے ہوگا۔ موحدّوں کے امام نے ''میاں'' اللہ تعالیٰ کو کہہ کر عام انسانوں کے برابر لا کھڑا کیا تو پھر بھی کیا ان کے توحید میں بال برابر بھی فرق نہیں آیا۔

‹۳› ووجدک ضالا فھدیٰ ‹والضحیٰ: ۷›

شاہ عبدالقادر	اور پایا تجھ کو بھٹکتا پھر راہ دی۔
شاہ رفیع الدین	اور پایا تجھ کو راہ بھولا ہوا پس راہ دکھائی
عبدالماجد دریاآبادی	اور آپ کو بے خبر پایا سو رستہ بتایا
ڈپٹی نذیر احمد	اور تم کو دیکھا کہ راہِ حق کی تلاش میں بھٹکے بھٹکے پھر رہے ہو تو تم کو دینِ اسلام کا سیدھا رستہ دکھا دیا۔
اشرف علی تھانوی	اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو (شریعت سے) بے خبر پایا سو آپ کو شریعت کا راستہ بتلا دیا۔
احمد رضا خان	اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔

آیتِ مذکورہ میں لفظ ''ضالا'' استعمال ہوا ہے اس کے مشہور معنی گمراہی اور بھٹکنا ہیں۔ چنانچہ بعض اہلِ قلم نے یہ نہ دیکھا کہ ترجمہ میں کس کو راہ گم کردہ، بھٹکتا، بے خبر، راہ بھولا کہا جا رہا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت باقی رہتی ہے یا نہیں، اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ آپ خود غور کریں حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام اگر کسی لحظہ گمراہ ہوتے تو راہ پر کون ہوتا یا یوں کہئے کہ جو خود گمراہ رہا ہو، بھٹکتا پھر رہا ہو، راہ بھولا ہوا ہو وہ ہادی کیسے ہوسکتا ہے؟ خود قرآن میں نفی ضلالت کی صراحت موجود ہے کہ: **ما ضل صاحبکم وما غوٰی** (النجم: ۲) نہ گمراہ ہوئے اور نہ بے راہ چلے۔ جب ایک مقام پر رب کریم گمراہ اور بے راہی کی نفی فرما رہا ہے تو دوسرے مقام پر خود ہی کیسے گمراہ ارشاد فرمائے گا؟

‹۴› انا فتحنالک فتحا مبینا لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر ‹الفتح: ۱›

شاہ عبدالقادر	ہم نے یہ فیصلہ کر دیا تیرے واسطے صریح فیصلہ تا معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے ہوئے تیرے گناہ اور جو پیچھے رہے۔

شاہ رفیع الدین تحقیق فتح دی ہم نے تجھ کو فتح ظاہر تو کہ بخشے واسطے تیرے خدا جو کچھ ہوا تھا پہلے گناہوں سے تیرے اور جو کچھ پیچھے ہوا۔

عبدالماجد دریاآبادی بیشک ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی تا کہ اللہ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف کر دے۔

ڈپٹی نذیر احمد اے پیغمبر یہ حدیبیہ کی صلح کیا ہوئی درحقیقت ہم نے تمہاری کھلم کھلا فتح کرا دی تا کہ تم اس فتح کے شکریہ میں دینِ حق کی ترقی کے لئے اور زیادہ کوشش کرو اور خدا اسکے صلے میں تمہارے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کر دے۔

اشرف علی تھانوی بے شک ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرما دے۔

احمد رضا خان بے شک ہم نے تمہارے لئے روشن فتح دی تا کہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے۔

〈۵〉 فان یشاءِ اللہُ یختم علی قلبک 〈الشوریٰ: ۲۴〉

فتح محمد جالندھری اگر خدا چاہے تو اے محمد تمہارے دل پر مہر لگا دے۔

شاہ رفیع الدین پس اگر چاہتا اللہ، مہر رکھ دیتا اوپر دل تیرے کے (شاہ رفیع الدین)

شاہ عبدالقادر سو اگر اللہ چاہے مہر کر دے تیرے دل پر۔

عبدالماجد دریاآبادی تو اگر اللہ چاہے تو آپ کے قلب پر مہر لگا دے۔

سابقہ ترجمہ سو خدا اگر چاہے تو آپ کے دل پر بند لگا دے۔

اشرف علی تھانوی دل پر مُہر لگا دے۔

احمد رضا خان اور اگر اللہ چاہے تو تمہارے دل پر اپنی رحمت وحفاظت کی مُہر لگا دے۔

مہر دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک تو وہ جو **ختم اللّٰہ علیٰ قلوبھم** میں استعمال ہوئی ہے اور دوسری خاتم النبیین کی۔ کاش تمام مترجمین تفاسیر کی روشنی میں ترجمہ کرتے تو وہ ذاتِ اطہر کی جس کے سر مبارک پر اسریٰ کا تاج رکھا گیا اور رحمت اللعالمین بنایا گیا ان کا قلب مبارک مترجمین کی نوکِ قلم سے محفوظ رہتا۔

〈۶〉 ما کنت تدری ماالکتٰب ولا الایمان 〈الشوریٰ: ۵۲〉

شاہ عبدالقادر تو نہ جانتا تھا کہ کیا ہے کتاب اور نہ ایمان۔

فتح محمد جالندھری تو نہ تو کتاب کو جانتے تھے اور نہ ایمان۔

شاہ رفیع الدین نہ جانتا تھا تو کیا ہے کتاب اور نہ ایمان۔

ابوالاعلیٰ تمہیں کچھ پتہ نہ تھا کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کیا ہوتا ہے۔

عبدالماجد دریا آبادی آپ کو نہ یہ خبر تھی کتاب کیا چیز ہے اور نہ یہ کے ایمان کیا چیز ہے۔

ڈپٹی نذیر احمد تم نہیں جانتے تھے کہ کتاب اللہ کیا چیز ہے اور نہ یہ جانتے تھے کہ ایمان کس کو کہتے ہیں۔

اشرف علی تھانوی آپ کو نہ یہ خبر تھی کہ کتاب اللہ کیا چیز ہے اور نہ یہ خبر تھی کہ ایمان کا انتہائی کمال کیا چیز ہے۔

احمد رضا خان اس سے پہلے نہ تم کتاب جانتے تھے اور نہ احکامِ شرع کی تفصیل۔

مذکورہ بالا تراجم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ معاذ اللہ آیتِ مذکورہ کے نزول سے پہلے حضور مومن بھی نہ تھے۔ ایمان کی خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بعد میں ہوئی۔ اعلیٰ حضرت کے ترجمے سے اس قسم کے تمام اعتراضات ختم ہوگئے کہ آپ احکامِ شرع کی تفصیل نہ جانتے تھے۔ ایمان اور احکامِ شرع کی تفصیل میں جو فرق ہے وہ اعلیٰ حضرت اور دیگر مترجمین کے ترجمے میں فرق ہے۔

〈۷〉 ان المنافقین یخادعون اللہ وھو خادعھم 〈النسآء: ۱۴۲〉

عاشق الٰہی میرٹھی، شاہ عبدالقادر اور محمود حسن صاحب منافقین دغابازی کرتے ہیں اللہ سے اللہ بھی اُن کو دغا دے گا۔

شاہ رفیع الدین اور اللہ فریب دینے والا ہے ان کو۔

ڈپٹی نذیر احمد خدا ان ہی کو دھوکا دے رہا ہے۔

نواب وحید الزماں، مرزا حیرت دہلوی اور سید فرمان علی شیعہ وہ ان کو فریب دے رہا ہے۔

احمد رضا خان بے شک منافق لوگ اپنے گمان میں اللہ کو فریب دیا چاہتے ہیں اور وہی ان کو غافل کر کے مارے گا۔

دغابازی، فریب، دھوکہ کسی بھی طرح اللہ کے شان کے لائق نہیں ہے۔ اعلیٰ حضرت نے تفسیری ترجمہ اس طرح فرمایا کہ آیت کا مکمل مفہوم نہایت محتاط طریقے سے بیان ہوگیا۔

〈۸〉 قل اللہ اسرع مکراً 〈یونس: ۲۱〉

شاہ رفیع الدین کہہ دو اللہ بہت جلد کرنے والا ہے مکر۔

عبدالماجد دریا آبادی اللہ چالوں میں ان سے بھی بڑھا ہوا ہے۔

نواب وحید الزماں کہہ دے اللہ کی چال بہت تیز ہے۔

احمد رضا خان تم فرمادو اللہ کی خفیہ تدبیر سب سے جلد ہوجاتی ہے۔

مترجمین نے اللہ تعالیٰ کے مکر کرنے والا، چال چلنے والا کہا ہے۔ حالانکہ یہ کمالات کسی طرح اللہ کے شان کے لائق نہیں

ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے لفظی ترجمہ فرمایا ہے، پھر بھی کس قدر پاکیزہ زبان استعمال کی ہے۔

﴿۹﴾ نسوا الله فنسيهم ﴿التوبة: ٦٧﴾

فتح محمد جالندھری، ڈپٹی نذیر احمد	یہ لوگ اللہ کو بھول گئے اور اللہ نے ان کو بھلا دیا۔
شاہ عبدالقادر، شاہ رفیع الدین اور شیخ محمود حسن	وہ اللہ کو بھول گئے اللہ ان کو بھول گیا۔
احمد رضا خان	وہ اللہ کو چھوڑ بیٹھے تو اللہ نے انہیں چھوڑ دیا۔

اللہ تعالیٰ کے لئے بھلا دینا، بھول جانے کے لفظ کا استعمال اپنے مفہوم اور معنی کے اعتبار سے کسی طرح بھی درست نہیں ہے کیوں کہ بھول سے علم کی نفی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ عالم الغیب والشہادۃ ہے۔ دیگر مترجمین نے اِس آیت کا لفظی ترجمہ شانِ الوھیت کو نظر انداز کرتے ہوئے کیا ہے جس کا غلط نتیجہ ہر پڑھنے والے پر ظاہر ہے۔ اعلیٰ حضرت نے تفسیر و ترجمہ فرما دیا ہے۔

﴿۱۰﴾ الله يستهزئ بهم ﴿البقرة: ۱۵﴾

کیا آپ پسند کریں گے کہ کوئی کہے: ''اللہ اُن سے ٹھٹھا کرتا ہے''، ''اللہ ان سے ہنسی کرتا ہے''، ''اللہ ان سے دل لگی کرتا ہے''، ''اللہ انھیں بنا رہا ہے''، ''اللہ ان کی ہنسی اڑاتا ہے''۔ مذکورہ آیتِ کریمہ کا اکثر مترجمین نے یہی ترجمہ کیا ہے۔ ان میں مشہور ڈپٹی نذیر احمد، شیخ محمود حسن، فتح محمد جالندھری، عبدالماجد دریا آبادی، مرزا حیرت دہلوی، نواب وحید الزمان، سرسید احمد خان، شاہ رفیع الدین صاحب وغیرہ ہیں۔

مذکورہ بالا تمام تراجم پڑھنے کے بعد اعلیٰ حضرت کا ترجمہ دیکھئے کہ اِس آیت کا انھوں نے اردو میں ترجمہ نہیں کیا۔ اس لیے کہ قرآنی لفظ استہزاء کا ترجمہ کرنے کے لیے اردو میں ایسا کوئی لفظ نہیں کہ لفظی ترجمہ کر کے مترجم شرعی گرفت سے اپنے کو محفوظ کر سکے۔ لہٰذا اعلیٰ حضرت نے بلفظہ ترجمہ فرما دیا:

اللہ ان سے استہزا فرماتا ہے (جیسا کہ اُس کی شان کے لائق ہے) -- (احمد رضا خان)

﴿۱۱﴾ ثم استوى على العرش ﴿الاعراف: ۵۴﴾

لفظ استویٰ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر آیا ہے۔ اکثر مترجمین نے اِس کا ترجمہ کیا: ''پھر قائم ہوا تخت پر'' (عاشق الٰہی)، ''پھر قرار پکڑا اوپر عرش کے'' (شاہ رفیع الدین)، ''پھر بیٹھا تخت پر'' (شاہ عبدالقادر)، ''پھر تخت پر چڑھا'' (نواب وحید الزمان)، ''پھر عرش پر دراز ہو گیا'' (وجدی صاحب اور محمد یوسف کاکوروی)۔

اعلیٰ حضرت احمد رضا خان نے جب یہ محسوس کیا کہ عربی لفظ استویٰ کا ترجمہ کرنے کے لیے اردو میں ایسا کوئی لفظ نہیں کہ جس سے ترجمہ کیا جائے تو آپ نے بلفظہ ترجمہ فرما دیا کہ:

''پھر عرش پر استوا فرمایا'' (جیسا کہ اُس کی شان کے لائق ہے) -- (احمد رضا خان)

〈۱۲〉 فاینما تولوا فثم وجه اللهِ 〈البقرة: ۱۱۵〉

اس آیتِ مبارکہ میں وجہ اللہ کا ترجمہ اکثر مترجمین نے اللہ کا مُنہ اور اللہ کا رخ کیا ہے:

شاہ رفیع الدین	پس جدھر کو مُنہ کرو پس وہیں ہے مُنہ اللہ کا۔
نواب وحید الزمان اور محمد یوسف	اللہ کا چہرہ ہے۔
شیخ محمود الحسن، عاشق الٰہی اور تھانوی صاحب۔	ادھر اللہ ہی کا رُخ ہے۔
ڈپٹی نذیر، مرزا حیرت دہلوی اور سید عرفان علی	ادھر اللہ کا سامنا ہے۔
احمد رضا خان	تو تم جدھر منہ کرو ادھر وجہُ اللہ ہے (خدا کی رحمت تمہاری طرف متوجہ ہے)

مذکورہ بالا تمام تراجم پڑھنے کے بعد اعلیٰ حضرت احمد رضا خان صاحب کا ترجمہ دیکھئے کے اِدھر بھی انھوں نے اردو میں مترادف لفظ نہ ہونے کی وجہ سے اردو میں ترجمہ نہیں کیا۔

الغرض اس مقالے سے یہ معلوم ہوا کہ قرآن مجید کا لفظی ترجمہ کرنا ہر موقع پر تقریباً ناممکن ہے۔ ان مواقع پر ترجمہ کا حل یہ ہے کہ تفسیری ترجمہ کیا جائے تاکہ مطلب بھی ادا ہو جائے اور ترجمہ میں کسی قسم کا سقم باقی نہ رہے۔

اگر قرآن مجید کا لفظی ترجمہ کر دیا جائے تو اِس سے بیشمار خرابیاں پیدا ہونگی۔ کہیں شانِ الوھیت میں بے ادبی ہوگی تو کہیں شان انبیاء میں اور کہیں اسلام کا بنیادی عقیدہ مجروح ہوگا۔ چنانچہ آپ مندرجہ بالا تراجم پر غور کریں تو تمام تر مترجمین نے قرآنی لفظ کے اعتبار سے براہ راست اردو میں ترجمہ کیا ہے مگر اِس کے باوجود وہ تراجم سماعت پر گراں ہیں اور اسلامی عقیدے کی رُو سے مذہبی عقیدت کو سخت صدمہ پہنچ رہا ہے۔ کیا ہم میں سے کوئی بھی یہ پسند کرے گا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے کوئی یہ کہے کہ: اللہ ان سے ٹھٹھا کرتا ہے، اللہ اُن سے ہنسی کرتا، اللہ اُن سے دل لگی کرتا ہے، اللہ اُنہیں بنا رہا ہے، اللہ مکر کرتا ہے، اللہ فریب کرتا ہے، اللہ داؤ کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

یہ چند مثالیں تقابلی مطالعے کے قارئین کے سامنے کی گئیں۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی مثالیں ہیں۔ اس مختصر سے مطالعے کے بعد آپ نے ترجمہ کی اہمیت کو محسوس کر لیا ہوگا۔ اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بسا اوقات کسی ایک آیت کے ترجمے کے لئے تمام مشہور تفاسیرِ قرآن کا مطالعہ کر کے مناسب و موزون ترین ترجمہ کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ لفظ استہزاء، استوی اور وجہ اللہ کا کوئی موزوں ترجمہ اردو میں نہیں کر سکے، اس لئے مجبوراً وہی الفاظ ترجمہ میں بھی برقرار رکھے۔ یہ تقابلی مطالعہ کسی کی تحقیر کے لیے یا کسی کو کم دکھانے کے لئے بالکل نہیں ہے بلکہ خلوصِ دل سے صرف اس لئے آپ کی خدمت میں پیش کیا ہے کہ آپ اور ہم ترجمۂ قرآن مجید کی اہمیت کو سمجھ سکیں۔

اعلیٰ حضرت احمد رضا خان کے ترجمہ کنز الایمان کی خوبیوں کو دیکھ کر یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ تمام تر اردو تراجمِ قرآن میں ایک معیاری ترجمہ ہے جو ترجمہ کے غلطیوں سے مبرّا ہے۔

حوالے:

۱ سورہ، ''آل عمران''، آیت نمبر ۱۴۲۔
۲ سورہ، ''الانفال''، آیت نمبر ۳۰۔
۳ سورہ، ''الضحیٰ''، آیت نمبر ۷۔
۴ سورہ، ''الفتح''، آیت نمبر ۱۔
۵ سورہ، ''الشوریٰ''، آیت نمبر ۲۴۔
۶ سورہ، ''الشوریٰ''، آیت نمبر ۵۲۔
۷ سورہ، ''النسآء''، آیت نمبر ۱۴۲۔
۸ سورہ، ''یونس''، آیت نمبر ۲۱۔
۹ سورہ، ''التوبہ''، آیت نمبر ۶۷۔
۱۰ سورہ، ''البقرۃ''، آیت نمبر ۱۵۔
۱۱ سورہ، ''الاعراف''، آیت نمبر ۵۴۔
۱۲ سورہ، ''البقرۃ''، آیت نمبر ۱۱۵۔

رفتارِ تحقیق

[شعبۂ اُردو، سندھ یونیورسٹی، برائے سال جولائی تا دسمبر ۲۰۱۸ء]

☆ درج ذیل اسکالروں کا موضوع ایم فل کے لیے منظور ہو گیا ہے۔

نگرانِ مقالہ: ڈاکٹر سیّد جاوید اقبال

۱۔ **محمد جنید شیخ**

لیکچرر اُردو، پوسٹ گریجویٹ سینٹر، پھلیلی، حیدرآباد

مقالہ بعنوان: ’’ڈاکٹر طاہر تونسوی کے نام ہندوستانی مشاہیرِ ادب کے خطوط: تدوین، تحقیق، حواشی و تعلیقات‘‘

تاریخ: ۱۶/ مئی ۲۰۱۸ء۔

۲۔ **متین احمد آفریدی پٹھان**

نگرانِ مقالہ: ڈاکٹر سیّد جاوید اقبال

مقالہ بعنوان: ’’تفہیم القرآن (جلد اوّل) کی فرہنگ: تشکیل، تحقیق، حواشی و تعلیقات‘‘

تاریخ: ۱۶/ مئی ۲۰۱۸ء۔

۳۔ **آنسہ ہادیہ**

نگرانِ مقالہ: ڈاکٹر رفیق احمد خان

مقالہ بعنوان: ’’حسینہ معین کے منتخب ڈراموں کے نسوانی کرداروں کا تحقیقی اور تنقیدی مطالعہ
(ان کہی، تنہائیاں اور دھوپ کنارے)‘‘

تاریخ: ۱۶/ اکتوبر ۲۰۱۸ء۔

۴۔ **آنسہ یگانہ شمیم مجمی**

نگرانِ مقالہ: ڈاکٹر رفیق احمد خان

مقالہ بعنوان: ’’زاہدہ حنا کے ادبی کالم بہ عنوان ’نرم گرم‘ کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ (۲۰۱۰ء۔۲۰۱۴ء)‘‘

تاریخ: ۱۶/ اکتوبر ۲۰۱۸ء۔

۵۔ **آنسہ بلقیس فاطمہ**

نگرانِ مقالہ: ڈاکٹر شذرہ شر

مقالہ بعنوان: ’’فرہنگ کلیاتِ شاہ نصیر: تشکیل، تحقیق، حواشی و تعلیقات‘‘

تاریخ: ۱۶؍اکتوبر ۲۰۱۸ء۔

۶۔ **سیّد قیصر سہیل**

نگرانِ مقالہ: ڈاکٹر رفیق احمد خان

مقالہ بعنوان: ’’فرہنگ ’کلیاتِ جگر: تشکیل، تحقیق، حواشی و تعلیقات‘‘

تاریخ: ۱۶؍اکتوبر ۲۰۱۸ء۔

☆ شعبۂ اُردو، سندھ یونیورسٹی میں لکھا جانے والا ایم۔ اے کا مقالہ شائع ہو گیا ہے۔ یہ مقالہ ۱۹۸۳ء میں لکھا گیا تھا۔

موضوع: **’’حیدر آباد کی ادبی تنظیمیں اور فروغِ ادب میں اُن کا کردار‘‘**

مقالہ نگار: وثیق الرحمٰن صابر

نگرانِ مقالہ: پروفیسر حمایت علی شاعر

اشاعت: ادراک پبلی کیشنز، حیدر آباد، ۲۰۱۸ء۔

تعارف اور تبصرے

کتاب کا نام : **جاوید نامہ (مقدمہ، حواشی، تعلیقات)**
مولف : **ڈاکٹر ارشاد شاکر اعوان**
ناشر : **اقبال اکادمی پاکستان لاہور**
ضخامت : **۷۶۲ صفحات**
قیمت : **۹۰۰ روپے**
اشاعت : **۲۰۱۸ء**
مبصر : **رفیع الدین ہاشمی**

ڈاکٹر ارشاد شاکر اعوان نامور اقبال شناس ہیں۔ وہ اقبالیات اور دیگر علمی و ادبی موضوعات پر متعدد کتابیں شائع کر چکے ہیں۔ اقبال اکادمی پاکستان کے تاحیات رکن ہیں۔ تین برس تک اکادمی کی حیثیت حاکمہ کے رکن رہے۔ بطور معلم کئی برس تک قرطبہ یونیورسٹی پشاور اور ہزارہ یونیورسٹی مانسہرہ میں خدمات انجام دیں۔ اقبالیات کے استاد بھی رہے۔

علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لیے انھوں نے ''جاوید نامہ'' پر تحقیقی کام کیا تھا۔ جسے نظر ثانی کے بعد اقبال اکادمی پاکستان نے شائع کر دیا ہے۔ ''جاوید نامہ'' اقبال کے اردو اور فارسی شعری مجموعوں میں سرِ فہرست ہے۔ علامہ اقبال اسے اپنی زندگی کا حاصل حیات (Life Work) قرار دیتے تھے۔ اس پر متعدد اہلِ قلم نے تحقیقی اور تنقیدی کام کیا ہے۔ مختلف زبانوں میں جاوید نامہ کے دسیوں ترجمے ہوئے اور شرحیں لکھی گئیں۔ مزید برآں چند ایک تشریحاتی اور تفہیماتی کتابیں بھی شائع ہوئی ہیں جن میں ڈاکٹر محمد ریاض کی کتاب جاوید نامہ: تحقیق و توضیح زیادہ اہم ہے۔

شاکر صاحب نے قدرے مختلف انداز میں زیرِنظر شرح تیار کی ہے۔ فارسی متن دے کر حواشی و تعلیقات کے تحت متن کی

تلمیحات، اصطلاحات، شخصیات اور اماکن کی وضاحت کی گئی ہے۔ مثلاً ''عطارد'' کی تشریح پون صفحے میں، جمال الدین افغانی کا تعارف پونے چار صفحوں، سعید حلیم پاشا کا دو اور جنید بغدادی کا تعارف ایک صفحے میں کرایا گیا ہے۔ تشریح کردہ چند اور عنوانات: رجوعِ ابدی یا ارتقائے حیات۔ عہد نامہ لاہور ۱۸۴۶ء اور معاہدہ امرتسر۔ قلندری و سکندری۔ معجزہ شق القمر۔ معراج۔ روزِ الست یا روزِ میثاق۔ آں برہمن زادگان۔ یرغمید۔ نکوہش۔ حسبِ ضرورت متن پر حوالے کا نشان بنا کر شعر کے موضوع کی تشریح اس طرح کی ہے، مثلاً:

ے نداند عشق سال و ماه را
دیر و زور ، و نزد و دورِ راه کند

مابعد دس بارہ شعروں میں عشق کی حیثیت، نوعیت اور قوت و طاقت کا ذکر ہے۔ عشق کی یہ تشریح تقریباً ۵ صفحات میں پھیلی ہوئی ہے۔ شاکر صاحب دینی علوم کے بھی ماہر ہیں۔ عربی اور فارسی زبانوں پر عمدہ دسترس رکھتے ہیں۔ چنانچہ تشریحات و تعلیقات میں انھوں نے قرآن و حدیث اور علامہ کی فارسی شاعری کے حوالے بھی دیے ہیں۔ اسی طرح موضوع کی وضاحت کے لیے علامہ کی نثر خصوصاً ان کے خطوط سے بھی مدد لی ہے۔

بظاہر تو یہ جاوید نامہ کی مکمل شرح ہے مگر کہیں کہیں کچھ حصے چھوڑ دیے گئے ہیں۔ جملہ توضیحات تحقیقی انداز میں حوالوں سے مزیّن ہیں۔ ابتدا میں مؤلف کا مفصل مقدمہ (ص ۱۷۔۴۷) جاوید نامہ کے تعارف اور اس پر مختلف اصحاب کے تبصروں کا جامع ہے۔ جاوید نامہ کی مجموعی تفہیم اور اشعار کی تشریحات سمجھنے کے لیے، زیرِ نظر کتاب کلیدی حیثیت رکھتی ہے۔

کتاب کا نام : دربرگِ گُلِ لالہ (جلد اول)
مولف : افضل رضوی
ناشر : بقائی میڈیکل یونی ورسٹی، سپر ہائی وے، کراچی
اشاعت : دسمبر ۲۰۱۶ء
ضخامت : ۴۲۷
قیمت : ۶۵۰ روپے
مبصر : رفیع الدین ہاشمی

زیرِ نظر کتاب کے مصنف بنیادی طور پر سائنس دان ہیں اور سائنس میں نباتات ان کا موضوع ہے، وطن لاہور ہے۔ اعلیٰ تعلیم آسٹریلیا کی میکائری یونی ورسٹی اور لاہور ایڈی لینڈ یونی ورسٹی سے حاصل کی۔ چند برس دوحہ قطر میں بھی رہے۔ آج کل آسٹریلیا میں مقیم ہیں اور وہاں کے محکمہ تعلیم میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ شعر و ادب سے شغف ہے۔ اردو کے نامور ادیبوں اور شاعروں

پر بیسیوں مقالات لکھے۔ اقبال پر متعدد مضامین تحریر کیے۔ اس کتاب میں انھوں نے اقبالیات کا ایک منفرد اور اچھوتا موضوع تلاش کر کے دادِ تحقیق دی ہے۔ رضوی صاحب اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں: [اقبال]: نے شاعری کو احیائے ملت کے ابلاغ کا ذریعہ بنایا، قوم کو امید وارتقا کا پیغام دیا اور جہدِ مسلسل کی ترغیب دلائی۔ نیا آہنگ، نیا لہجہ، نئے موضوعات اور نیا فلسفہ دیا۔ تخیّل کی رفعت، نظر کی وسعت، اور فکر کی بلندی عطا کی۔ نئی اصطلاحات، نئے استعارے اور تشبیہات سے نہ صرف اردو بلکہ فارسی شاعری کے دامن کو بھی وسیع تر کر دیا، نیز انوکھی ترکیب سے جدت اور ندرت پیدا کی۔ رمزیت اور اشاریت کا پیرہن دیا، علائم و رموز کو اپنے فلسفیانہ افکار کے ابلاغ میں نئی معنویت بخشی۔ ان سب کے لیے وہ عناصر فطرت (پانی، ہوا، آگ) کو کبھی مشکل، کبھی مجسم، کبھی مرئی، کبھی غیر مرئی اور کبھی طبی خواص کے حوالے سے کام میں لاتے ہیں۔ وہ زمین اور زیر زمین جمادات (موتی، گوہر، الماس، زمرد، یاقوت، لعل اور دیگر قیمتی پتھر) کی چمک دمک، آب وتاب، رنگ وروپ، خوب صورتی، کمیابی اور مضبوطی کو کبھی استعاراتی صورت میں، کبھی علامتی انداز میں، کبھی تلمیحات کے طور پر، کبھی محاورتی طرز پر اور کبھی تراکیب کے نئے انداز میں بیان کرتے ہیں۔'' (ص۲)

یہ افضل رضوی صاحب کے تحقیقی کام کی جلد اوّل ہے، اس میں انھوں نے ۱۸ نباتات (ارغون، انگور، افیون، انار، انجیر، ببول، باغ، لالہ، گل، بید، برگ، بوستان، چمن، چنار، دانا، گندم، گھاس، گل، رعنا) پر اپنے مختصر مضامین جمع کیے ہیں۔ ہر عنوان کے تحت پہلے وہ اس کی نباتاتی یا تخلیقی نوعیت کا تعارف کرواتے ہیں۔ پھر وہ پھل یا پودا کلامِ اقبال میں جہاں جہاں آیا، متعلقہ اشعار درج کرتے اور پھر ان کی تشریح کرتے ہیں۔ اس ضمن میں انھوں نے کلام اقبال کی نثر اور بطورِ خاص ان کے خطوط سے بھی متعلقہ حوالے یا اقبال کے جملے شامل تحقیق کیے ہیں۔ ایک ایک موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے، مثلاً ''لالہ'' کا بیان ایک سو صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ ''گل'' کی بحث ایک سو تین صفحے میں اور ''چمن'' کا ذکر ستر صفحوں میں ہے۔

اس کتاب کا ضمنی عنوان ہے: ''کلام اقبال میں مطالعۂ نباتات''۔ کتاب میں تقریباً ایک سو نباتات (درختوں، پودوں، پھلوں وغیرہ) اور تقریباً ۶۰ پرندوں، درندوں، جانوروں (شیر، کبک، باز، آہو، پروانہ، شتر، بلبل، گوسفند، گرگ، پلنگ، رخش، جرہ شاہین، تدرو، حربا، اژدہا، صعوہ، دلدل، طوطی، عقاب، نہنگ، مور، فاختہ، دراج، سار، تیہو، جویئنہ، کنجشک، مرغابی، کبوتر، عنقا، زلو، فیل، مکھی، مکڑا، گلہری، گائے، جگنو، کوئل، مچھلی، خفاش، قاطر، حمار، مچھر، کثر ردم، کلب عقور، چغز، موش، زنبور، زاغ، گرگس، چیتا، طاؤس، اُلو، بلی، چکور، تیتر، تلیر، شیرک) کا ذکر ملتا ہے، مگر یہ فقط تذکرے تک محدود نہیں ہے بلکہ اس تذکرے کے عقب میں کوئی مقصد اور معنویت ہے، جیسے 'شاہین' کا ذکر فقط ایک پرندے کے طور پر نہیں بلکہ قوتِ بلند پروازی، سخت کوشی اور فقر و درویشی کی علامت یا استعارے کے طور پر ہے۔

دراصل افضل رضوی صاحب کو بچپن سے ہی اقبال کے کلام سے لگاؤ تھا۔ بتاتے ہیں کہ نویں جماعت کا طالب علم تھا۔ چھٹی کے دن دوستوں کے ساتھ کرکٹ کھیلنے مینار پاکستان جایا کرتا۔ کھیل کے بعد علامہ کے مزار پر حاضر ہو کر ''شکوہ'' اور ''جواب شکوہ'' پڑھتا جو مجھے یاد ہو چکی تھیں۔ اسی قلبی تعلق کے نتیجے میں یہ کتاب وجود میں آئی۔ جو تبصرہ نگار کے خیال میں اقبالیات کے ایک

نادر موضوع پر ایک جامع اور عمدہ کتاب ہے۔

مصنف نے اس شاندار تحقیق کو عجز و انکسار سے پیش کیا ہے۔ لکھتے ہیں: ''میں نے اپنی زندگی میں کئی اتار چڑھاؤ دیکھے ہیں اور ان نشیب و فراز سے گزر کر، آج جس مقام پر کھڑا ہوں، اسے مالکِ خالقِ کائنات اور اس کے حبیب لبیبؐ کی خاص عنایت سمجھتا ہوں اور دینِ مصطفویؐ کو سمجھنے میں جتنی رہنمائی، مجھے حکیم الامت کے کلام سے ملی، اتنی شاید کہیں اور سے میسّر نہ آئی۔''

بقائی یونیورسٹی کراچی نے کتاب طباعت و اشاعت کے اعلیٰ معیار پر شائع کی ہے۔

قیمت مناسب ہے۔

نام کتاب : ''تجھے ہم ولی سمجھتے''
ترتیب : ڈاکٹر ابرار عبدالسلام
ضخامت : ۲۱۲ صفحات
قیمت : مجلد۔/۴۰۰ روپے
ناشر : بیکن بکس لاہور، ملتان
مبصر : ڈاکٹر شاہ انجم، ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبۂ اُردو، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج حیدرآباد

زیرِ تبصرہ کتاب حضرت غالب کے ایک عاشق صادق، پروفیسر رشید احمد صدیقی کے عقیدت مند، اردو زبان و ادب کے شیدائی، انگریزی کے پروفیسر، لطیف الزماں خاں (متوفی ۲۱ر دسمبر ۱۲۰۳ء) پر لکھے گئے خاکوں اور یادداشتوں کے مجموعے پر مشتمل ہے۔ جسے ڈاکٹر ابرار عبدالسلام نے بڑے سلیقے سے مرتب کر کے پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب گورنمنٹ کالج سول لائنز، ملتان کے صدر شعبۂ اردو ہیں۔ آپ کو مرحوم لطیف الزماں خاں کی شخصیت اور کاموں سے بڑا انہاک ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں اب تک کئی کتابیں آ چکی ہیں۔ مثلاً ''لطیف الزماں خاں کی تنقید نگاری'' اور ''ان سے بھی ملیے'' وغیرہ۔

فاضل مرتب نے موصوف کے تعارف میں فرمایا کہ: ''لطیف الزماں خاں اُردو کی وہ ادبی شخصیت ہیں، جنھوں نے غالب اور رشید احمد صدیقی کے حوالے سے اپنی منفرد شناخت قائم کی۔ ان کی انفرادیت کے دیگر حوالوں میں خاکہ نگاری، تنقید نگاری، تحقیق، تدوین، ترجمہ نگاری اور کالم نگاری بھی قابلِ ذکر ہیں۔ ان کے پانچ خطوط کے مجموعے ''انشائے لطیف'' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔''

زیرِ نظر کتاب مذکورہ شخصیت کے حوالے سے بیس تحریروں پر مشتمل ہے، جس میں تین کے مصنف و مؤلف تو جناب مرتب ڈاکٹر ابرار خود ہیں۔ آپ کی تحریروں کے عنوانات یہ ہیں: (۱) خاکہ نگاری: فن اور روایت، (۲) تجھے ہم ولی سمجھتے ... (خاکہ)، (۳) لطیف الزماں خاں کی کہانی کچھ میری کچھ اُن کی زبانی۔

علاوہ ازیں ڈاکٹر اسلم فرخی، مہرالٰہی ندیم (علی گڑھ) سردار زیدی اور ڈاکٹر انوار احمد ایسے اہل قلم کی تحریروں نے بھی اس کتاب کو وقعت بخشی ہے۔

ڈاکٹر اسلم فرخی کا مضمون ''لطیف الزماں کی یاد میں'' اُن کی ممدوح کی زندگی کے کئی اہم گوشے سامنے لاتا ہے۔ آپ نے ۱۹۴۵ء سے اپنی یادوں کو کھنگالا ہے۔ جب موصوف آگرہ فورٹ ریلوے اسٹیشن کے ٹکٹ چیکر ہوا کرتے تھے۔ اس وقت سے لے کر تادم آپ کے دوستانہ مراسم قائم رہے۔

جناب مہرالٰہی ندیم علی گڑھ میں پروفیسر رشید احمد صدیقی کے آفس اسسٹنٹ کی حیثیت سے خدمات انجام دے چکے ہیں۔ چنانچہ رشید احمد صدیقی کی تحریریں، خطوط اور دیگر کاغذات کو آپ نے بڑی عقیدت سے سنبھال کر رکھا تھا۔ یہ آپ کا ایثار تھا کہ آپ نے لطیف الزماں خاں کی محبت کو دیکھتے ہوئے وہ تمام نوادرات جو اب تک سنبھال کر رکھے تھے ان کے حوالے کر دیے۔ ان تمام چیزوں کو لطیف الزماں نے اپنے ذاتی خرچ سے شائع کر کے تقسیم کیے اور یوں آپ نے اپنی بے پناہ عقیدت کا علمی ثبوت فراہم کرتے ہوئے اٹھارہ کتابیں شائع کیں۔

زیرِ تبصرہ کتاب میں شامل دیگر مضامین اور خاکے بھی لطیف الزماں کی زندگی اور شخصیت کے متعدد پہلو سامنے لاتے ہیں۔ ایک ایسے ہی مضمون میں اجمل صدیقی لطیف الزماں خاں کی زندگی کے اہم پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ: ''غالب ان کا پہلا اور آخری عشق ہے۔ آپ غالب کی عظمت اور اہمیت کو ہمہ وقت اور ہر جگہ ذہن میں رکھتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ غالب کو نہ پڑھا ہوتا تو انسانیت کے معنی و مفہوم ناواقف رہتا۔ رشید احمد صدیقی صاحب کی تحریروں کو نہ پڑھتا تو علی گڑھ کی اہمیت سے ناآشنا رہتا۔'' (ص ۳۹) ایک اچھے خاکہ نگار کی یہ وصف بھی ہے کہ وہ اپنے موضوع کی شخصیت کے دونوں رُخ پیش کرے۔ چنانچہ لطیف الزماں خاں کے ایک خاکے میں ڈاکٹر ابرار عبدالسلام نے بڑی عمدگی سے اپنے ممدوح کی شخصیت کے دونوں رخ دکھاتے ہیں۔ یہاں ایک اقتباس ملاحظہ کرتے چلیں:

> ''فرقۂ ملامتیہ کے اس گروہ سے تعلق رکھتے تھے جو کسی کو بھی اپنے آپ سے دور کرنے، بدگمان کرنے یا ناراض کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ یہ ان کی شخصیت کا صرف ایک رُخ تھا۔ غالب ہی سہی، لیکن اس کڑوی کسیلی شخصیت کے پیچھے بجھا بجھا، شکستہ اور بکھرا ہوا ایسا دل بھی موجود تھا جو ہزاروں میں ایک تھا۔ دکھاووں سے دور، ریاکاریوں سے بیزار، منافقوں سے پرے، محبت کا متلاشی، دردمند اور حوصلہ مند شخص۔'' (ص ۱۷۰۔۱۷۱)

ڈاکٹر ابرار کی یہ کتاب جہاں عمدہ تخلیق تحریروں سے آراستہ ہے وہیں تحقیق اور تدوین کا قرینہ بھی لیے ہوئے ہے مثلاً خاکہ نگاری کی تمام جزئیات کا محاکمہ کرتے ہوئے بڑے جامعیت کے ساتھ اپنا مطالعہ پیش کیا ہے۔ چنانچہ آپ نے خاکہ سے کہتے ہیں؟

خاکہ نگار کو اپنے موضوع کی شخصیت کو اُجاگر کرنے کے لیے کیا کیا کرنا چاہیے اور کن اُمور سے بچنے چاہیے سمیت تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔

مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ جس مقصد کے تحت یہ کتاب پیش کی گئی ہے۔ فاضل مرتب اس میں کام یاب رہے ہیں۔ جناب مرتب کی خدمت میں مبارکباد پیش کرتے ہوئے امید کرتے ہیں کہ ادبی حلقوں میں اس کتاب کی پذیرائی کی جائے گی پروف کی خامیاں البتہ پائی جاتی ہیں آئندہ ایڈیشن میں اس کی طرف توجہ کی ضرورت ہے۔

نام کتاب : **"حیدرآباد کی ادبی تنظیمیں اور فروغِ ادب میں اُن کا کردار"**
ترتیب : **وثیق الرحمٰن صابر**
ضخامت : **۱۲۳ صفحات**
اشاعت : **مارچ ۲۰۱۸ء**
ناشر : **ادراک پبلی کیشنز، ۳۱۰ سی، ۷ لطیف آباد، حیدرآباد۔**
مبصر : **ڈاکٹر شاہ انجم**

زیرِ تبصرہ کتاب دراصل پروفیسر وثیق الرحمٰن صابر کا وہ مقالۂ تحقیق ہے جو انھوں نے ۱۹۸۳ء میں ایم اے اردو سال آخر کی ایک امتحان ضرورت کے تحت مرتب کیا تھا۔ اپنے موضوع کی اہمیت کے پیشِ نظر مقالہ حیدرآباد کے ادبی ماحول کی ایک ایسی دستاویز بن گیا ہے جو حوالے کا کام دیتا ہو۔ چنانچہ بیسویں صدی کے آغاز سے تادم تحریر (۱۹۰۱ء تا ۱۹۸۳ء) حیدرآباد کی ادبی رفتار، اس کتاب کے توسط سے معلوم کی جاسکتی ہے۔

مقالہ نگار نے حیدرآباد کے ادبی ماحول سے متعلق تمام دست یاب لوازمے کو چار ابواب میں تقسیم کرتے ہوئے بڑے مربوط انداز سے پیش کیا ہے۔ ابواب کے عنوانات درج کیے جاتے ہیں ملاحظہ ہو: ۱۔ ابتدائیہ، ۲۔ حیدرآباد کی ادبی فضا، ۳۔ نمایاں ادبی تنظیمیں اور ان کی کارکردگی، ۴۔ اختتامیہ۔

مقالے کا تیسرا باب کلیدی حیثیت رکھتا ہے، جس میں چھیاسٹھ ادبی تنظیموں کے بارے میں تمام دست یاب معلومات فراہم کی گئیں ہیں۔ مقالہ نگار کا انداز نگارش بھی متاثر کن ہے۔ ذیل میں بطور مشتے نمونہ از خروارے بزم فروغ ادب حیدرآباد کے تعارف سے ایک اقتباس ملاحظہ کرتے چلیں۔ جس سے زیرِ نظر مقالے کی اہمت کا بھی کچھ اندازہ ہو سکے گا۔

''۱۹۶۵ء میں بزم فروغ ادب حیدرآباد کا قیام عمل میں آیا۔ یہ بزم اب تک مسلسل کام کر رہی ہے اور اب بھی اس شہر کی ایک متحرک اور فعال ادبی تنظیم ہے... اس تنظیم کا سب سے بڑا کام 'تذکرۂ شعرائے اردو حیدرآباد' کی اشاعت ہے اسے حضرت انوار الحق نہال اجمیر صاحب نے سید حشمت حسین حشمت نارنولی مرحوم کے تعاون سے ترتیب دے کر ۱۹۷۰ء میں حیدری

پرنٹنگ پریس لجپت روڈ حیدرآباد شائع کیا اس میں تقریباً ۱۴۶ شعرائے حیدرآباد کی مختصر سوانح، کے حوالے سے ان کی دل چسپی اور انتخاب کلام شامل کیا گیا ہے۰۰۰ مجموعی طور پر یہ تذکرہ حیدرآباد کی ادبی سطح پر ہونے والا بڑا کام ہے۔" (ص ۶۲)

اپنے موضوع کی اہمیت کے پیشِ نظر پہلے یہ مقالہ روزنامہ "پاسبان" کے ادبی صفحات کی زینت بنا بعدازاں سہ ماہی "عبارت" حیدرآباد میں بھی اس مقالے کی تلخیص شائع ہوئی۔ مگر یہ کتابی صورت میں شائع نہ ہوسکا تاخیر کا سبب بیان کرتے ہوئے مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ میری کاہلی اور تساہل کے باعث تاخیر ہوتی چلی گئی یہاں تک کہ پروفیسر ڈاکٹر سیّد جاوید اقبال صاحب کی فراخ دلانہ پیش کش نے مجھے شرمسار کر دیا کہ تم مقالہ مجھے دو میں مقالہ کمپوٹر بھی کرالوں گا اور کسی ذریعے سے شائع بھی کرادوں گا۔ اب کیا عذر مانع تھا۔ بالآخر اس کی اشاعت کا اہتمام کریں۔"

زیرِ نظر کتاب کی مذکورہ خوبیوں کی ساتھ ساتھ اس کا "ادبی البم" بھی خاصے کی چیز ہے جو کتاب کے آخر میں شریک ہے۔ اگرچہ اس میں بعض تصاویر صاف نہیں دکھائی دیتی لیکن پھر بھی تاریخی ریکارڈ کا حصہ ہونے کا باعث قابل توجہ ضرور ہیں۔ کتابیات میں پچپیس کتابوں کی فہرست دینے کے علاوہ اکسٹھ علمی و ادبی شخصیات کے نام درج کیے گئے ہیں جن سے مقالہ نگار نے ملاقات کر کے مقالے کے لیے معلومات اخذ کی تھیں کتاب مجلد ہے رنگین اور جاذب نظر سرورق اچھی طباعت کی حامل ہے بیک ٹائٹل پر مصنف کی تصویر مع تعارف موجود ہے۔